انتخابات

یورپین شعراء

(۱) کرنل جان بیلی

(۲) جان شور

(۳) جنرل اسمتھ "اسمتھ"

(۴) ڈاکٹر ہوئی "ہوئی"

(۵) مسٹر ڈیو ہرسٹ "ثاقب"

کرنل جان بیلی

مار ڈالے گی محبت مجھے مس طیسا کی
جان نکلے گی چلاتے ہوئے پھر عیسیٰ کی

اسمتھ

نہ وہ ہمدم نہ وہ جلسا رہا ہے ۔ تپ دُوری سے دل جل سا رہا ہے
جنوں کے فوج کی سُن آمد آمد ۔ خرد کا پاؤں کچھ چل سا رہا ہے
کسی عاشق کا نعرہ چرخ زن ہی ۔ جو خیمہ چرخ کا ہل سا رہا ہے
مجھے اسواسطے ہے تلملاہٹ ۔ کہ غم سینے میں دل مل سا رہا ہے
غنیمت جان اسمتھ آگیا ہے
کہ دشمن اُس سے اب ٹل سا رہا ہے

ڈاکٹر ہوبی

جان عالم ترے انداز نے مارا مجھ کو ۔ بے ترے اب تو نہیں زیست گوارا مجھ کو
زلفیں جھک جھک کے یہ کہتی ہیں کسی کو پھانسو ۔ ابروا اُس شوخ کے کرتے ہیں اشارا مجھ کو
مجھ کو کچھ ڈر نہیں دشمن کا کرے جور و ستم
ہے ہوبی حضرت عیسےٰ کا سہارا مجھ کو
اشکوں سے بہا جاتا ہے اپنا دلِ پُر غم ۔ برسات میں گرتا ہے یہ گھر کوئی خبر لے
ایمان بھی حاضر ہے دل و جان بھی حاضر ۔ وہ بادشہِ حُسن مری نذر اگر لے
ہونے کو ہیں اس شہر میں معشوق ہزاروں ۔ بیچارہ ہوبی ایک ہے کس کس کی خبر لے

ثاقب (ڈیوہرسٹ)

کسی کی بات محبت میں ناگوار نہیں
کسی کی بات سے ہرگز کچھ انتشار نہیں

مرے لئے تو محبت کٹھن ہے مشکل ہے
مجھے ملے وہ سمندر جو بے کنار نہیں

اسی زمانہ میں آپ اس پرانے مدرسے کو
روانہ ہوں گے زیادہ کچھ انتظار نہیں

خدا کرے کہ سلامت سے آپ پہونچیں وہاں
وطن میں جس کی محبت کسی کو بار نہیں

معاف کیجیے اب کچھ نصیحتیں کر دوں
عمل کرو نہ کرو مجھ کو اختیار نہیں

برا نہ مانیے اگر میں صلاح ایسی دوں
کہ جس سے فائدہ سب کو ہو اور بار نہیں

وطن میں لوٹ کر اپنے رسوم و مذہب خاص
نہ ترک ہوں نہ یہ سمجھیں کہ استوار نہیں

سب اپنے مذہب و دیں پر قدم تو جمع کریں
کہ نقل غیر سے اپنا کچھ افتخار نہیں

نہ گھر نہ گھاٹ کا ہے یہ کہیں گے سب طنزاً
یہ ہے عجائب خلقت کچھ اعتبار نہیں

وطن کا آتش و شعلہ ہمیشہ دل میں جلے
نہ لکھنؤ کے انگارے جو پائدار نہیں

زبان و ملک تمھاری کا میں ثنا گو ہوں
یہ صدق دل سے ہوں کہتا کچھ اشتہار نہیں

تخلص آ گئے تو میں نے خود اختیار کیا
بہ اسم ثاقب اور اس میں کچھ انکسار نہیں

حسن یوسف کو سر بازار رسوا کیجیے
اپنی حالت کو سراسر زیر و بالا کیجیے

میں جو دیتا ہوں نصیحت اسکی وقعت کچھ نہ ہو
خودستائی و تکبر اپنا شیوا کیجیے

دین و دنیا کو تو میں نے اسطرح سے کھو دیا
اب زیادہ نہ محبت کا تقاضا کیجیے

میرے حال زار پر اب کچھ توجہ چاہیے
ظلم و سختی کی معافی کی تمنا کیجیے

ہر سبھا اور مجلس اپنی نیکنامی کی تلاش
کیجیے لیکن گھمنڈ سے خود مبرا کیجیے

میرے دل سے حاضرین کے واسطے ہر صبح و شام
یہ دعا مقبول ہو عزت تو پیدا کیجیے

زندگی کا لطف اُٹھانا جسکے حق میں ہو سو ہو　　حل تو مشکل دوسرا کوئی معما کیجیے
اب جُدائی کا زمانہ سامنے آیا طویل　　ہرگز اسمیں میری باتوں کو نہ پسپا کیجیے
میں نے جرأت سے تخلص ثاقب اپنا کرلیا
اسم ثاقب کو مساوی بامسمّٰے کیجیے

آرمینی شعراء اُردو و فارسی

(۱) مرزا ذوالقرنین

(۲) سرمد

(۳) جوہانس "صاحب"

(۴) ایرن جیکب "فرحت" و "ایرن"

رباعیات سرمد

(۱) از کار جهان عقده کشودم همه را — در محنت و اندوه ربودم همه را
حق دانی و انصاف نه دیدم ز کسے — دیدم همه را و آزمودم همه را

(۲) مشهور شدی به دلربائی همه جا — بے مثل شدی به آشنائی همه جا
من عاشق این طور توام می بینم — خود را نه نمائی و نمائی همه جا

(۳) یارب ز کرم به بخش تقصیر مرا — مقبول بکن نالۂ شبگیر مرا
پیری و گناه ما جرائیست عجیب — لطف تو کند چارۂ تدبیر مرا

(۴) باز آ باز آ ز فکر باطل باز آ — از وهم و خیال خام اے دل باز آ
خوشنود مشو که فکر دنیا هرگز — نه وصل نماید و نه واصل باز آ

(۵) اے فسق و فجور کار هر روزۂ ما — پر شد ز گناه کاسۂ و کوزۂ ما
میخندد روزگار و میگرید عمر — بر طاعت و بر نماز و بر روزۂ ما

(۶) سرمد تو ز هیچ خلق یاری مطلب — از شاخ برهنه سایه داری مطلب
عزت ز قناعت است و خواری ز طمع — با عزت خویش باش و خواری مطلب

(۷) اے نفس ستمگار سراپا حسرت — جز شکر ترا نیست هزاران نعمت
قانع نشدی گاه و نگشتی خرسند — دنیا نه بود بقدر طول املت

(۸) دیدی که غم و عیش جهان زود گذشت — چیزے که در اندیشۂ تو بود گذشت
این یک دو نفس که ماند سرمایۂ تو — هشیار که نقصان نه کنی سود گذشت

(۹) سرمد اگرش وفاست خود می آید — گر آمدنش رواست خود می آید
بیهوده چرا در پے او میگردی — بینش گر او خداست خود می آید

(۱۰) دنیا همگی اگر به کام تو بود — دین سکۂ مهر و مه بنام تو بود

آخر ز جہانِ بے بقا باید رفت — گر قیصر و فغفور غلام تو بود

(۱۱) آں کیست کہ او زہد و ریا نشناسد — در مکر و دغا خدا چو ما نشناسد (ہفت اقلیم)

گفتی کہ مخور بادہ چو من زاہد شو — این را بہ کسے گو کہ ترا نشناسد (امین رازی)

(۱۲) از وہم و خیال و فکر دنیا بگزر — چون باد صبا ز باغ و صحرا بگزر (خزانہ عامرہ)

دیوانہ مشو برنگ و بوے گل و مُل — ہشیار بشو ازیں ہوا ہا بگزر (مجمع النفائس)

(۱۳) سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند — سوز دل پروانہ مگس را نہ دہند (مآثر الکرام)

عمرے باید کہ یار آید بہ کنار — ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند (روز روشن)

(۱۴) چوں نقش و نگیں در پے نامی تو ہنوز — جاں مسکینی و در پے کامی تو ہنوز (صبح گلشن)

از خرمنِ عمر خوشہ توشہ بگیر — ہنگام درو رسید و خامی تو ہنوز (شمع انجمن)

(۱۵) اے دوست دریں میکدہ بے یار مباش — بے ساقی گلعذار زنہار مباش (تذکرہ دلہ

ایں جام جہاں نما بہر کس نہ دہند — غافل تو ازیں دولت بیدار مباش (داغستانی)

(۱۶) در فصل خزاں توبہ شکستن مشکل — با ساقی و مے عہد بہ بستن مشکل (صبح وطن)

ہنگام خزان بہار آمد بہ کنار — زیں درد و شکست و بست رستن مشکل

(۱۷) سلطان خودم منت سلطاں نہ کشم — از بہر دو ناں منت دو ناں نہ کشم

نفس من سگ است و من سگبانم — از بہر سگی منت سگباں نہ کشم

(۱۸) از نقش بر آب ہر چہ گفتم گفتم — از جوش حباب ہر چہ گفتم گفتم

من بعد ز من شعر خیال است محال — ایام شباب ہر چہ گفتم گفتم

(۱۹) خواہی کہ شوی شاد و نگردی غمگیں — از خلق کنارہ گیر و تنہا بنشیں

آسودگی ہر دو جہان است ہمیں — یک حرف ز من بشنو و راحت بگزیں

(۲۰) یارب ز منِ زار نیاید کارے — جز معصیت و غفلتِ بجد کارے

از کار گذشت کار آگاہ شدم — کارے نشد از من کہ بباید کارے

صاحب (مسٹر جوہانس) لکھنوی

دیکھنا توڑ کے وحشت میں نکل جاؤں گا
مجھ کو پہناتے ہو زنجیر پہ زنجیر عبث

فرحت (ایرن جیکب)

ترا تیر دل سے جدا ہو رہا ہے
یہ ظلم اد کماندار کیا ہو رہا ہے

شبِ وصل وعدہ وفا ہو رہا ہے
حیا آ کے کہتی ہے کیا ہو رہا ہے

جفا آپ کرتے ہیں عاشق پہ اپنے
ذرا سوچئے تو یہ کیا ہو رہا ہے

بہارِ چمن پر نہ اترائے بلبل
تماشا یہ دو روز کا ہو رہا ہے

یہ کیا چپکے چپکے تو کہتا ہے اے دل
یہ در پردہ کس کا گلا ہو رہا ہے

سرِ بزم اغیار آنے لگے ہیں
بُرا کر رہے ہو بُرا ہو رہا ہے

یہ کس دل جلے کو ستایا پھر اُس نے
کہ نالوں سے محشر بپا ہو رہا ہے

ذرا مسکرا کر چھڑک دو نمک تم
کہ مُنھ زخم کا بے مزا ہو رہا ہے

شکایت نہیں تیرے ظلموں کی ظالم
مرا دل بھی مجھ سے خفا ہو رہا ہے

سرِ بزم ہجو سے ناب نا حق
ترے حق میں واعظ بُرا ہو رہا ہے

لگی چوٹ آیرن کے دل پر یہ کیسی
کہ ہر وقت ذکر خدا ہو رہا ہے

خبر اس کی نہیں کیا ہو گیا دل
مگر یہ یاد ہے پہلو میں تھا دل

نہ چھُوکی حشر میں بھی آنکھ اُن کی
خدا کے سامنے بھی لے لیا دل

مری تقدیر کا ہے پھیر یہ بھی
کہ مجھ سے پھر گیا ہے آپ کا دل

مجھے ہے بیخودی میں یاد اتنا — حسینوں کی گلی میں کھو گیا دل
قیامت تک رہے آباد یارب — کیا برباد جس بُت نے مرا دل

کرے یاد انکی سیر اک روز اس دلچسپ منزل کی — غموں سے خوب ہی آباد ہے بستی مرے دل کی
وہ اپنے عکس سے آئینہ میں آنکھیں لڑاتے ہیں — الٰہی خیر کرنا دونوں چوٹیں ہیں مقابل کی
ملا لطفِ شہادت اُسکے دم سے دیر تک مجھ کو — گلے پر خوب رک رک کے چلی تلوار قاتل کی
شکستہ خاطری ہی فرقت ساقی میں کچھ ایسی — بہت ملتی ہے ٹوٹے جام سے صورت مرے دل کی
وفا دیکھو لحد تک آئی ہیں ہمراہ فرقت کے
تمنائیں، مرادیں، آرزوئیں حسرتیں دل کی

ہاتھ میں سبحہ ہے لب پر ہے ترا نام اے بُت — بس یہی دین ہے میرا یہی ایمان میرا

محبت سے رکھنے کے قابل یہی ہے — حسیں جس پہ مائل ہو وہ دل یہی ہے
مرے بُت سے اچھی سہی حورِ جنت — مگر پیار کرنے کے قابل یہی ہے

نکلتی کس طرح ہے دیکھ جائیں جان بسمل کی — نظارہ ہو دم آخر بر آئے آرزو دل کی
ستم ایسا نہ کر اے باغباں فصل بہاری ہے — گرائیں بجلیاں ایسا نہو آہیں عنادل کی

انگلوانڈین شعراء

(۱) جان ٹامس "طوماس"

(۲) الیگزنڈر ہیڈرلی "آزاد"

(۳) جوزف بنسلی "فنا"

(۴) ڈیوڈ آکٹر لونی ڈائس "سومبر"

(۵) لفٹنٹ کرنل جیمس اسکز "آسکز"

شعراء گارڈنر خاندان

(۶) سلیمان شکوہ گارڈنر "فنا"

(۷) دانیال سقراطیس نتھانی ایل گارڈنر "شکر"

(۸) پادری برتھالمو گارڈنر "صبر"

(۹) پادری رابرٹ گارڈنر "اسبق"

(۱۰) پادری پٹرک سالومن گارڈنر "شوق"

(۱۱) ولیم گارڈنر "ادریس"

(۱۲) ایلی فیلکس گارڈنر "فلک"

(۱۳) تھیوصوفلس گارڈنر "جن"

(۱۴) ایلین کرسچانہ گارڈنر عرف رقیہ سلطان بیگم

(۱۵) جان رابرٹ "جان" (لکھنؤ)

(۱۶) کرنل پامر "پامر"

(۱۷) طامس ولیم بیل "طامس"

(۱۸) بنجمن جانسٹن "فلاطون" (حیدرآباد)

(۱۹) بنجمن ڈیوڈ مانٹروز "مضطر" (الہ آباد)

(۲۰) جیمس کارکرن "کارکرن"

(۲۱) مسز د مظلوم دہلوی (گوالیار)

(۲۲) کلاڈیس بکسٹر نظم (لکھنؤ)

(۲۳) اے۔ ڈبلو سنگسٹر صاحب (لکھنؤ)

(۲۴) واکر (کلکتہ)

(۲۵) لیسٹر این ڈسنی رونق (لکھنؤ)

(۲۶) ای۔اے۔ جوزف کامل (اجمیر)

جان طامس "طوماس"

سودا ہے زلف یوسف ثانی کا اسقدر
روتے ہیں ہم کھڑے سر بازار زار زار

تو فیر لکھ بمصرع طوماس تو غزل
اے آہ کھینچ دے مہ بالا نشیں پہ خط

انتخاب کلام الیگزنڈر ہیڈرلی آزاد

نہ ہے وحدت وہی دیر و حرم میں جلوہ آرا ہے
ازل سے محو ہوں جسکے جمال حیرت افزا کا
دوئی کو ترک کر آزاد بس معقول وحدت ہ
اسی پر منحصر ہے فیصلہ دنیا و عقبےٰ کا

لگے گا لطمۂ موج فنا دریائے ہستی میں
حباب اکدم کی خاطر تو اگر نکلا تو کیا نکلا
کرے کیا کوئی عالم میں نمود جلوہ آرائی
رہا کیا خاک پتھر سے شرر نکلا تو کیا نکلا

میری صورت سب کہے دیتی ہے میرا حال دل
میرے تیور دیکھ کر وہ مجھ سے بدظن ہو گیا

واعظوں سے جو سنا کرتے تھے جنت کا بیاں
جبکہ تحقیق کیا کوچۂ جاناں نکلا
جوش وحشت ہے کہیں زیر زمیں بھی یا رب
خاک سے گل جو ہر اک چاک گریباں نکلا

نہ دہن تم کو میسر نہ کمر ہے پیدا
تم سے محتاج سے کیا پھر کوئی سائل ہوگا
جسوقت لگا گیسوئے خمدار کا کوڑا
اے شوخ ترا رخش ادا اور بھی چمکا
مے پی کے تجھے دیکھے تو لطف ہے دونا
دیکھیں تری آنکھیں تو نشہ اور بھی چمکا

وہ گرم روِ راہ معاصی ہوں جہاں میں
گرمی سے رہا نام نہ دامن میں تری کا

کھلتی ہے محبت ہی تری ورنہ عداوت
ہے سب سے نیا ڈھنگ تری عشوہ گری کا

تیروں کی جراحت جو مرے سینے میں کم ہے
باعث ہے ستمگر یہ تری کم نظری کا

ہم نے دکھا دکھا تری تصویر جا بجا
ہر اک کو اپنی جان کا دشمن بنا لیا

دیکھا وہ جہاں میں جو نہ دیکھا تھا ولیکن
دریائے محبت کا نہ ساحل نظر آیا

یہ دیدۂ تر اشک سے بھر آئے ہیں کیا کیا
لو مفت میں ہاتھ اپنے گہر آئے ہیں کیا کیا

جب کعبہ سے بتخانہ میں آیا تو میں آزاد
جلوے مجھے واللہ نظر آئے ہیں کیا کیا

جب مصیبت آپڑی جز صبر بن آتا نہیں
تو گرفتارِ قفس پھڑکا پھڑک کر رہ گیا

ساتھ اپنے آبرو میری نہ کھو طفلِ سرشک
چشم کے گھر میں بڑا تو بد گہر پیدا ہوا

سوزشِ دل نے الٰہی کونسی کی تھی کمی
جو جلانے کو مرے داغِ جگر پیدا ہوا

غموں سے گھل گئے نہ کچھ تیرے خستہ تن میں رہا
رہا تو کچھ یونہیں دھوکا سا پیرہن میں رہا

میرے کھانے کو بھی تھوڑا سا ہے خونِ جگر
سب کا سب تو ہی نہ لے دیدۂ خونبار رہا

صبح تک سب جاگتے رہتے ہیں سو سکتے نہیں
نالۂ پرشور سے ہی میرے گھر میں رات جگا

پو جتنے کو بت میسر ہی کہ پینے کو شراب
بخت سے آزاد مجھ بھی برہمن بن گیا

نوید اے دل کہ رفتہ رفتہ گیا ہے اُن کا حجاب آدھا
ہزار مشکل سے بارے اُلٹا انھوں نے رُخ سے نقاب آدھا
شراب ہووے جو تند ساقی نہ بے مزہ کر ملا کے پانی
پلا وہ ساغر کہ جس میں ہووے شراب آدھی گلاب آدھا

حسن کی گرمی سے مُوے مہ لقا میں بل پڑا — جا بجا بے وجہ کب زلفِ دوتا میں بل پڑا

ذوق پائمالی سے گھر ہے لامکاں اپنا — مثل نقش پا یعنی مٹ گیا نشاں اپنا
تو نے کب نمک چھڑکا زخم دل پہ اے ہمدم — تجھ سے تو سوا دشمن ہی مزاج داں اپنا
دل کے خون ہونے کی اور کیا علامت ہے — چشم خونفشاں اپنی نالہ خونچکاں اپنا

زہر قاتل ہے دوا درد محبت کے لئے — تھا مرا فیصلہ اک دم میں جو درماں ہوتا
ہم سے افتادہ بھی چھو لیتے بہ ہنگامِ خرام — اک ذرا اور بھی نیچا ترا داماں ہوتا

ق

ہم نے آنکھیں جو گاڑ کر دیکھا — حُسن اس رشک ماہ کامل کا
رخ روشن پہ جم گئی پتلی — سب کو ناحق گمان ہے تل کا

دم بدم تن میں خون بڑھتا ہے — ذکر سُن سُن کے تیغ قاتل کا
بھیک مانگی جو تیرے عارض سے — بھر دیا کاسہ ماہ کامل کا
ہم خجالت سے مر گئے آزاد — تھک گیا ہاتھ جب کہ قاتل کا

بند ہیں آنے کی راہیں اژدہام یاس سے — میرے دل میں کب گذر ہوتا ہے حرص و آز کا

کیا کریں تم نے گر چرائی آنکھ — آپ سے کچھ لڑا نہیں جاتا
ہے جو ہم رنگ مے تو بن تیرے — خون دل بھی پیا نہیں جاتا

کس کا گرم جستجو ہے مجھ کو کیا کیا وہم ہیں — کچھ تو ہے جو یوں ہمیشہ ہے سفر میں آفتاب
ذرۂ خاکی کو تو چشم حقیقت سے نہ دیکھ — ہے نگاہِ دیدۂ اہل نظر میں آفتاب
زندگی آزاد گذری تیرہ روزی میں سدا — ایک دن دیکھا نہ ہم نے عمر بھر میں آفتاب

میری شامت تھی جو زلفوں میں کسی کی پھنستا — آ پڑی ہیں یہ بلائیں مرے سر آپ سے آپ
سوکھنا غم سے مرے حق میں ہوا ہے مرہم — ہو گئے خشک مرے زخم جگر آپ سے آپ

نالۂ زلزلہ پرواز ذرا رعب بٹھا — کہیں شق کر دے زمیں اور کہیں تعمیر الٹ

آپ رہتا ہے مرا رخ ترے گھر کی جانب — پھر جو میں پاس رکھوں قبلہ نما کیا باعث

وہ نہ آوے تو موت آ جاوے — ہم کو دونوں کا انتظار ہے آج
کل کی باتیں بھی یاد ہیں کہ نہیں — ہم سے صاحب کو ننگ و عار ہے آج
رنج و راحت کے ساتھ ہے آزاد — تھا اگر نشہ کل خمار ہے آج

زاہدا کیوں نہ اسے ساری خدائی کا ہے — وہ بت سیم بدن دولت بیدار ہے آج

یہ بزم مغاں ہے ادب سے بیٹھ اے شیخ — جو ناچنا ہے تو جا کر کسی مزار پہ ناچ

روتا ہوں کیونکہ خانۂ دل کی نہ فکر ہو — پانی میں آگئی ہے یہ تعمیر بے طرح
شمس و قمر کو دیکھ کے ڈرتا ہوں رات دن — آنکھیں دکھائے ہے فلک پیر بے طرح

رخنہ پردازئ اغیار کو پوچھو ہم سے — سیکڑوں دل میں ہزاروں ہیں جگر میں سوراخ

خاک ہو کر میں در یار پہ پہونچا آزاد — ہے رسائی یہ مرا بخت رسا میرے بعد

جبین یار پہ قشقے کو دیکھ لے آزاد — نہ دیکھا ہو جو کبھی تو نے آفتاب میں چاند

تم اپنے لمعۂ عارض سے اسکو دے ڈالو — ذرا سا نور جو ہو آفتاب میں پیوند
یہ مفلسی ہے کہ آزاد شب کو جبّے میں — لگاتا پھرتا ہی ہر روز خواب میں پیوند

دل کا شکوہ کیا کریں ہم سے ہی نادانی ہوئی — سینے میں پہلے ہی سے کیوں اسکو پالا دیکھکر
جل چکے آٹھوں فلک اے دل بس آگے عرش ہے — اب سمجھ کر آہ کر اور کھینچ نالا دیکھکر

ہے نام پاک اُسکا غنی کچھ عجب نہیں — باندھے اگر صواب پہ دیکھے خطا پہ چھوڑ
ہے آفتاب طایر زریں پرائے فلک — تو اُسکو صدقے کرکے مرے دلربا پہ چھوڑ
دل مضطر کی ہو سینے سے رہائی کیونکر — طایر قبلہ نما کے نہیں بس کی پرواز
آشیاں تک مرے زنہار رسائی نہوئی — طایر سدرہ نے گو لاکھ برس کی پرواز
دام گیسو میں پھنسے گا پئے یک دانۂ خال — مرغ دل تو نے اُدھر گر بہوس کی پرواز
آشیانہ میں بدن کے ہی پھر آنا مشکل — اس سے جسوقت کہ اے مرغ قفس کی پرواز

گئے کدھر کو وہ گرم ہو کر کہ تپ رہی ہے زمیں سراسر
قدم قدم پر اُنھوں نے گویا بچھائی ہے رہگذر میں آتش

نہیں مرکب ہیں میرے عنصر جدا ہیں فرقت میں تیرے وہ بھی
کہ پانی آنکھوں میں خاک تن پر ہوا ہے سر میں جگر میں آتش

نہ چھوڑ ہاتھ سے دامانِ صبر کو آزاد
ہر ایک کام کا ہوتا ہے اضطراب میں نقص

نہ ہاتھ رکھ مری نبضوں پہ تفتہ دل ہوں میں
نہ ہو کہ ہاتھ اُٹھا لے بیٹھے ہاتھ سے نباض

چمنِ کوچۂ جاناں کا خریدار ہوں میں
مفت بھی دے تو نہ لوں باغِ جناں اے واعظ

پاس آئے تو جلے دور ہو بیتاب رہے
سر دُھنا کرتی ہے پروانہ کے افسوس میں شمع

اہلِ محفل جو ہیں انجام سے غافل آزاد
شام سے صبح تلک رہتی ہے افسوس میں شمع

تیرہ روزی میں نہ کیوں آہ غنیمت ہووے
ہے یہ ظلمت کدۂ عاشق مایوس میں شمع

جواب خط نہ سہی نامہ بر تو آ جاتا
کیا نہ جان نے اتنا بھی انتظار دریغ

یہی ہے فکر کہ جب چاہے ہم سے لے کیوے
خدا نے جان بھی دی ہے تو مستعار دریغ

شباب پر مرے ہنستا ہے عالم پیری
خزاں سے ہو گئی بدتر ہمیں بہار دریغ

یہ لاغری نے مرے حق میں بوئے ہیں کانٹے
نظر میں سب کی کھٹکتا ہوں مثل خار دریغ

جب سے پایا دشمنوں نے بانوں کا میرے سُراغ
سر کے بل چلتا ہوں تب سے کوئے جاناں کی طرف

یاد اپنا آ گیا کاشانۂ ویراں ہمیں
چلتے پھرتے ہم جو جا نکلے بیاباں کی طرف

کھوئے گئے ہم ایسے کہ ڈھونڈھا کئے مگر آزاد ہم نے اپنا نہ پایا نشاں تلک

سر پٹکتا ہوں اُسی روز سے اس پر اپنا نکلی ہے سنگِ درِ کافر بے پیر سے آگ

اس لاغری پہ خاک کرے بل نکل گئے تکلے کی طرح عاشقِ خستہ جگر کے بل
پھولا اگر سمائے نہ گُل تو عجب نہیں سب کودتے ہیں گلشنِ عالم میں زر کے بل

کچھ نہیں معلوم کس کا محوِ نظارہ رہا شب ہوئی برہم نہ شکلِ ماہِ کامل ایک پل

نگاہِ مست سے دیکھے اگر وہ دریا کو تو پھر جہان میں پانی بکے شراب کے مول
جنگل میں رُلا نہ جوشِ وحشت پھر خاک کہاں اُڑائیں گے ہم
پابندِ غمِ بُتاں ہیں آزاد کیا قید سے جی چُرائیں گے ہم

ہیں شمع صفت انجمن دہر میں آزاد سرگرم رہِ وادیٔ تسلیم فنا ہم
پردہ ہمارا خاک اُڑانے میں رہ گیا آئے نظر کسی کو نہ گردِ غبار میں
بھولے نہیں ہیں تنگیٔ کاشانہ یاد ہے کرتے ہیں شکر لیٹ کے کنجِ مزار میں

فروغِ مہر میں ہے ذرّہ ذرّہ نورانی ہوا ہے حسن ترا جلوہ گر کہاں سے کہاں

اپنی وحشت کی قسم تار نہ چھوڑوں باقی میرے قابو میں مگر دامنِ کہسار نہیں
زاہدا ہم سے جو پوچھے تو خدا شاہد ہے کافرِ عشق سے بہتر کوئی دیندار نہیں

آج دشمن اگر خراب نہیں — کیا زمانے میں انقلاب نہیں
مہر گردوں پہ چھا گئی زردی — اُن کے چہرے پہ کیا نقاب نہیں
مجھ سے کیسا حساب ہے یارب — تیری بخشش کا کچھ حساب نہیں

روتے روتے آگیا ہی میری آنکھوں میں غبار — خاک ایسی زندگی میں ہوں مکدر آب میں

سبک جو کر کے مجھے تم نے کر دیا ہلکا — تو پھول ہو کے تمھارے گلے کا ہار ہوں میں

فتنہ اُٹھے ہی کس نمط اُٹھ کے ذرا دکھا کہ یوں — حشر بپا ہو کس طرح چل کے ذرا بتا کہ یوں
میں نے کہا کہ عشق میں جلیے تو جلیے کس طرح — خس کو اُٹھا کے اُسنے جھٹ آگ پہ رکھ دیا کہ یوں

آجتک کھُلنے نہ پایا تھا کسی پر رازِ غم — چشمِ تر نے تُو ڈبو دی میری ساری آبروں

کفِ اربابِ ہمت میں وہ وسعت وہ بلندی ہے — اگر چاہیں تو لیلیں مہرِ عالمتاب مٹھی میں
نہو گا کوئی مجھ سا آج کم سرمایہ عالم میں — بہت ہووے تو سب آوے مرا اسباب مٹھی میں
تمھارا غم بھی کیا راحت اثر ہے — مسرت سے دلِ اندوہگیں ہے
نہ بہلے اس سے کیوں طفلِ تصور — تفاوت کیا ہی دل میں سیر بیں ہے
ہے رشتہ سبحہ و زنار کا ایک — عجب یہ کشمکش ہے کفر و دیں میں

اس بت کی راہ میں جو مجھے ساتھ لے چلے — دھو دھو کے بار بار پیوں برہمن کے پانوں
اے غیرتِ بہار ترے انتظار میں — سُن ہو گئے کھڑے کھڑے سروِ چمن کے پانوں

حال شکستہ دیکھ کے میرا روئے ارادت پھیر لیا — فیض اُٹھا آزاد ہر اک سے اہل ہنر ہو کوئی ہو

نہ تو میں تجھ سے جدا اور نہ تو مجھ سے جدا — پھر کہاں پاؤں جو اپنے میں نہ پاؤں تجھ کو

ہمارا نالۂ دل چشم بد دُور — ہوا ہے ہم صدائے صور او ہو

کہیں بادہ کشی چھپتی ہے زاہد — ہوا ہے چہرہ کیا پُر نور او ہو

تجلی دیکھتا ہوں دل میں آزاد — کہاں ہیں اور کوہِ طور او ہو

عالم میں تم چمکنے نہ دو آفتاب کو — تھوڑا سا اک طرف سے اٹھا دو نقاب کو

اُس شرمگیں کی شرم کا اُٹھنا محال ہے — نازک بہت ہے توڑے وہ کیونکر حجاب کو

جان تم اپنی بچاؤ گے کہاں تک آزاد — یا مرو عشق میں یا عشق کا دعویٰ چھوڑو

کوئی عالم میں نہیں ایسا کہ جو خود بیں نہ ہو — دیکھ لو پیوستہ دست مرد و زن میں آئینہ

پہلے جلنے سے وہاں بھیج جو کام آئے ترے — جمع کر کر کے یہ اسباب اسباب پہ رکھ

سب پا لیا بدن کے چُرانے کو دیکھ کر — ہیں شوخیاں غضب تری شرم و حیا کے ساتھ

عیاں ہی سب میں کہاں ہی مخفی کب اُسکا جلوہ نقاب میں ہے

قصور اپنی نگاہ کا ہے وگرنہ کب وہ حجاب میں ہے

ناگوارا ہی ہمیں آزاد وحشت میں غذا — جب سے پتھر ہاتھ سے لڑکوں کے ہم کھانے لگے

خاکساری ترک کر کے جس نے کی گردن کشی — اُس نے کھو دی ہر میں اکسیر اپنے ہاتھ سے

جو کریں وہ بد وضعی ان کی وضعداری ہے — گر کریں وہ بے مہری عین مہربانی ہے
عشق میں تیرے مرنا عمر جاودانی ہے — جو یہ زندگانی ہے خاک زندگانی ہے
اک امید رہتی ہے ہم کو ناامیدی میں — موت کی توقع پر اپنی زندگانی ہے

کس حرف کے ہیں اور خطوط شعاع مہر — موزوں ہیں ڈوریاں تری چلمن کے واسطے

تمام خلق پہ مردہ بھی میرا بھاری ہے — عجب نہیں ہے جنازہ اگر مرا نہ اُٹھے

کہتا نہ تھا کہ دیکھو باندھیگی دست و پا یہ — اتنا نہ ربط رکھو اے مہرباں حنا سے

لاکھ بیدردی سے میرا زخم دل سو بار سہی — منھ سے نکلے گی نہ میرے بخیہ گر زنہار سہی
ہوگیا میرا قد خم گشتہ چوڑی کی مثال — ہاتھ کنگن کو نہیں درکار ہرگز آرسی

نام لیتا ہوں ترا کب میں کسی کے آگے — منھ سے بیساختہ باتوں میں نکل جاتا ہے
خاک ہو کر بھی ہوا کے رہے گھوڑے پہ سوار — سچ ہے جلنے سے کہیں رسی کا بل جاتا ہے

کوئی مذہب کا مقید کوئی پابند طریق — سب گرفتاری میں ہیں وارستہ اک آزاد ہے

شراب و زر تو ہم مانگتے نہیں ساقی — کوئی پیالہ دمِ ریزشِ سحاب تو دے

خلقت کے خلق و بغض سے آزاد کیا غرض — کل مہربان ہیں جو خدا مہربان ہے

کب سے ہیں زنداں میں ہم دیکھو تو گھس گھسکر تمام — طوق آدھا رہ گیا زنجیر آدھی رہ گئی

قانع ہوں اُسپہ عشق میں جو خشک و تر ملے — کھانے کو داغ پینے کو خون جگر ملے
افسوس خاک تک نہ ہمیں بہر سر ملے — وہ بھی ہیں لوگ جنکو اُڑانے کو زر ملے

آج ہلتا ہی نہیں ضعف سے اللہ اللہ — اسی سر سے کبھی دیوار گرائی ہو گی
کی فقیروں کی بھی اغیار نے بندی آزاد — اب در یار پہ کیا خاک رسائی ہو گی

باغ عالم میں ہزاروں غنچے کھلتے ہیں مدام — دل نہیں کھلتا یہ شاید غنچۂ تصویر ہے

ہم نے جس راہ میں دیکھا اُسے دیکھا آزاد — اور کیا راہ بتائیں گے طریقت والے

سر کو وحشت میں پہاڑوں سے بچا کر لایا — در و دیوار سر کوچۂ جاناں کے لیے

مجھ سے برگشتہ ہی تو یا مجھ کو سودا ہی فلک — خاک کیوں دیتا ہی عسرت ہیں مجھے زر چاہیے
چرخ سے طاقت آزمائی کی — کی تو طالع نے یہ رسائی کی
وہ رشک کا عالم ہی کہ غیروں کا تو کیا ذکر — ہم وصل کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے

بارے خدا کے ہاں بھی تکلف قبول ہے — پہلے فلک پہ ڈالی ستاروں کی جھول ہی
حوران غیر جنس کی صحبت سے فائدہ — دوزخ بھی ایسی خلد کے بدلے قبول ہی
شورش ہنگامۂ ذوق تپیدن دیکھیے — زلزلہ کونین میں اپنے دل بسمل سے ہی

آب باران شرم عصیاں کا پسینہ ہی ولا ۔ ابر تر اک گوشۂ داماں گنہگاروں کا ہے
ہو گئے آزاد پر چھوٹے نہ تیری قید سے ۔ ڈھنگ عالم سے جدا تیرے گرفتاروں کا ہے
شکل قاصد نظر نہیں آتی ۔ نہیں آتی خبر نہیں آتی
وہ بلا کونسی ہے صحرا میں ۔ جو کبھو میرے گھر نہیں آتی

انتخاب قصائد

قصیدہ حمد

خاک و باد و آب و آتش کو فراہم کر دیا ۔ دم میں پیدا صانع قدرت نے آدم کر دیا
سوزش داغ جگر کا چوں ضیائے ماہتاب ۔ گاہ برتر کر دیا رتبہ کبھی کم کر دیا
بے نوا اور بندِ کفر و دین سے آزاد ہوں ۔ مجھ کو یکساں آب گنگ و آب زمزم کر دیا

مسدس در نعت

تیری رحمت حامیِ زرِ گدایاں یا مسیح ۔ تیری بخشش تاج بخش تاجداراں یا مسیح
تیری شفقت ہر کس و ناکس کی خواہاں یا مسیح ۔ ہے تجھی سے نیک و بد کی مشکل آساں یا مسیح
ساقی کونین و شاہ دو جہاں تو ہی تو ہے
یا مسیحا چارہ ساز عاصیاں تو ہی تو ہے

قصیدۂ مدح خانصاحب حیات محمد خانصاحب (ماموں صاحب خود)

زہے نصیب ازل سے ہوں بے تردد و بیم ۔ نہ آرزوئے بہشت بریں نہ خوفِ جحیم
بری ہوں مدح و مذمت سے میرے مذہب میں ۔ نہ بتکدہ کی حقارت نہ کعبہ کی تعظیم
ہزار واعظ و ناصح کیا کریں بک بک ۔ سنوں نہ ایک کسی کی نصیحت و تفہیم
نہ مدح گو کا ادا ہو مری زبان سے شکر ۔ نہ طعنہ ساز سے مجھ کو شکایت تلویم
دیا ہے وہ دل بے مدعا خدا نے مجھے ۔ نہ زور و زر کی تمنا جسے نہ خواہش سیم

کسی کے کہنے سے صاحب جدا نہ کیجے اسے
کہاں ملیگا پھر آزاد سا غلام قدیم

قصیدہ مدح نظام الدین (برادر خورد)

ہم ازل سے ہیں کسی کے آستاں کے جبہہ سا
ڈر نہیں ہم سے اگر اب آسماں پھرنے لگے

جس زمیں پر ہو ہماری ہرزہ گردی کا اثر
واں مکاں بنتے ہی شکل آسماں پھرنے لگے

ہم بھی کافر ہوں جو مرٹ کر نہوں پامال راہ
تو اگر ہم سے نظام الدین خاں پھرنے لگے

گر ترے در سے نگاہ آسماں پھرنے لگے
کاسہ گردانی کرے بے آب و ناں پھرنے لگے

تیری بخشش منشی گردوں کا بستہ چھین لے
گر ترے آئین سے لے نکتہ داں پھرنے لگے

قصیدہ در مدح نواب علی محمد خاں

عروج پر ہے مری آہ کی شرر کاری
کرے ہے خرمن گردوں پہ صاعقہ باری

گر آج ہی نہ کروں دعوئے ثنا خوانی
تو کام آئے گی کیا حشر میں زباں داری

تلاش رزق میں یوں دربدر پھرے آزاد
ہزار حیف کہ تجھ سا غلام سرکاری

قصیدہ در مدح ٹامس ہیڈرلی (حقیقی برادر خورد)

پھر سینہ تپ غم میں ہی مجمر سے زیادہ
جو بخت ہے دل کا سو ہی اخگر سے زیادہ

عالم کا تو کیا ذکر کہ خود ہوتی ہی نفرت
مجھ کو مری اوقات محقر سے زیادہ

میں کیوں نہ رکھوں سر ترے در پر کہ جہاں میں
ملجا ہی نہیں میرا ترے در سے زیادہ

گو خاک نشیں ہوں یہ تمنا ہے کہ آزاد
دیکھوں نہ کوئی در کبھی اس در سے زیادہ

قصیدہ در مدح مہاراجہ جیاجی راؤ سندھیا (والی گوالیار)

کس لئے ہی تجھ کو اے دل انتظار فصل گل
ہے مہاراجہ کی محفل میں بہار فصل گل

طبع رنگیں کو مری بھاتا نہیں طول کلام
یہ مرا رنگیں سخن ہے اختصار فصل گل

اپنا عرض حال بھی لازم ہوا آگے حضور
میری آنکھوں میں خزاں ہی روزگار فصل گل

اک ادھر بھی ہو نگاہ لطف اے بندہ نواز
داغہائے غم سے ہے مجھ پر بہار فصل گل

ہو وے گر آزاد تیرے آستاں پر جبہہ سا　　　داغ پیشانی سے جھیپے لالہ زار فصل گل

قصیدہ در مدح راجہ شیودان سنگھ بہادر (والیٔ الور)

جاؤں اب دشت سے وحشت میں پہاڑوں کو نکل　　　سرِ شوریدہ ہے مخصوص سپے تیغ جبل

تاک کر بام تفکر سے مضامین بلند　　　شوق کہتا ہے طبیعت سے کہ ہاں اور اُچھل

اللہ اللہ رے سخاوت درِ دولت پہ ترے　　　ایک دیکھا نہ گدا لاکھ ملے اہلِ دول

آرزو ہے کہ ہمیشہ در دولت پہ ترے　　　تیرا آزاد دعاگو رہے ہر ساعت و پل

قصیدہ در مدح نواب عبدالرحمن خاں (والیٔ جھجر)

داورا اپنے میں احوال کو کیا عرض کروں　　　بے طرح پنجۂ بیداد فلک میں ہوں اسیر

عرض احوال کی حاجت نہیں کچھ تجھ سے مجھے　　　خود ہی روشن ہے ترے دل پہ مرا حال ضمیر

درِ مقصود سے بھر دے مرا دامانِ اُمید　　　گنج آمال سے کر دے مجھے دنیا میں امیر

آگے خاموش ہو بس اتنی نہ گستاخی کر　　　دیکھ جاتی نہ کہیں رہو کے ادب کی توقیر

قصیدہ تہنیت ولادت ولیم طولعمرہ (فرزند اخوی حسنا خود)

ہزار شکر بدرگاہ ایزد متعال　　　کہ گنج خانۂ دل ہے خوشی سے مالا مال

ثنا کروں چمن آرائی دہر کی کیا کیا　　　کہ نونہال عطا کر کے کر دیا ہے نہال

نہ وہ نہال کہ جو ہو زمیں سے روئیدہ　　　یہ وہ نہال ہے جو زیب گلشن آمال

یہ وہ متاع گرامی ہے جس پہ کیجیے نثار　　　ہزار جان گرامی بجائے مال و منال

کئے ہیں سجدۂ شکرانہ یاں تلک میں نے　　　کہ گھس کے میری جبیں ہو گئی ہے مثل ہلال

نصیب ہووے بڑائی اسی چھوٹائی میں　　　عیاں ابھی سے ہو اسکی بلندی اقبال

تمیز اسکو ہے سنِ تمیز سے پہلے　　　کرے خدا اسے خورشید آسمانِ کمال

سدا عروج ہو خورشید عمر کو اس کے　　　پھرے نہ گرد کبھی آکے اسکے گرد ملال

سدا مبارک و میموں ہو اسکو سالگرہ　　　سدا نشاط میسر اسے بیک منوال

قصیدہ در توصیف لالہ منا لال (مونس خود)

آسمان جہانِ فضل و کمال — صاحب ہوش و رائے منا لال

جو تری طرز ہے گزیدہ روش — جو تری خصلتیں ستودہ خصال

سُرخ ہیں نے رنگا ہی کب رومال — اشک خونیں سے ہو گیا ہی لال

دوستی سنے تری زمانے میں — کر دیا دشمنی کا استیصال

قصیدہ در وصف احمد خاں (محسن خود)

دل وُہ دل ہی کہ سدا غم سے گداز — چشم وہ چشم کہ خونابہ فشاں

اب تو کھٹرتے پہ گذرتی ہی سدا — بادہ آزاد میسر ہے کہاں

سر وِدا ہے ترے دم سے رونق — چمن دہر میں بے دخل خزاں

انتخاب متفرقات

رسید کلاہ زریں

وصف میں اس کلاہ زریں کے — کیا لکھے میرا خامۂ مشکیں

جس سے بہتر کہوں نہیں سیری — جس سے خوشتر کہوں نہیں تسکیں

گل سنہری ہیں لالۂ حمرا — نقرئی پھول ہیں گل نسریں

اسمیں کیا کیا ہیں خوشنا بیلیں — غیرت تاک باغ خلد بریں

برگ عشرت ہے اسکا ہر پتا — اسمیں ساماں کا ہے بنا آئیں

اسمیں وہ چاند ہے کہ جسکے سبب — لے گئی فوق آسماں پہ زمیں

اسکے زریں ترنج کی شہرت — روح پرویز سُن جو پائے کہیں

یاد کرکے ترنج زر اپنا — اپنی نازش پہ خود کرے نفریں

وصف سے اسکی میں کناری کے — گر کنارہ کروں بعید نہیں

قطعہ تاریخ و تعریف تصویر

حیف کاغذ پہ ہوا اس چاندسی صورت کی شبیہ ۔ اسکو زیبا تھا مصور ورق بدر منیر
نیمہ تصویر جو کھینچی ہے نہ سوجھی وہ کمر ۔ ہے وہ ناچار مصور کی نہ کہیے تقصیر
اسکے نظارہ سے اک پل مژہ برہم نہ کریں ۔ گر کوئی ہوش بجا رہنے کی سوجھے تدبیر
دور کر کر سر بد ہیں کو رقم کر آزاد ۔ سال تاریخ کہ کیا ہوشربا ہے تصویر

رسید انبہ ہاے عمدہ ذائقہ

انبہ جو مرحمت ہوے مجھ کو ۔ از رہ لطف اے کرم گستر
ان کی تعریف کیجیے کیا کیا ۔ ان کو کس کا بتائیے ہمسر
رشک ہیجا نہیں حسینوں کو ۔ اُنکے سیب ذقن سے ہیں خوشتر
پوست میرے خیال سے نازک ۔ مغز میرے سخن سے شیریں تر

خط بنام ٹامس ہیڈرلی برادر کلان خود

شکستہ دل ہوں میں کر چارہ سازی ۔ کہ تجھ پر ختم ہے بندہ نوازی
ترا خادم ہوں اے مخدوم مجھ کو ۔ عنایت سے نہ رکھ محروم مجھ کو
ترے در پر ہے بہر داد حاضر ۔ غلام بے درم آزاد حاضر

قطعہ تاریخ وفات نواب زین العابدین خان عارف

اے اہل دید دیکھ لو آنکھوں سے کیا ہی آج ۔ میں کیا کہوں کہ دہر میں کیا ہو رہا ہی آج
یاں بعد مرگ حشر کا رکھتے تھے انتظار ۔ لو سر پہ جیتے جی ہی قیامت بپا ہی آج
اے بیکسی کٹے گی مری عمر کس طرح ۔ جو میرا جاں نواز تھا سو مر گیا ہی آج
ہم جسکے پاس بیٹھ کے کرتے تھے غم غلط ۔ اُسکا ہی یا نصیب جنازہ اُٹھا ہی آج
پھر ہوگا شور خلق میں طوفان نوح کا ۔ اے اہل گریہ گریہ جوش بکا ہی آج
جو عندلیب باغ سخن تھا سو ہمصفیر ۔ قسمت سے صید پنجۂ باز قضا ہی آج

جو شاعران ہند میں جادو مقال تھا — وہ اژدہائے موج کا لقمہ بنا ہے آج
جس جسم پر کہ جامۂ گلدوزبار تھا — وہ جسم کوہ گرد کے نیچے چھپا ہے آج
بیکس ہوں کس سے اپنی حقیقت بیاں کروں — جز رنج و یاس کون مرا آشنا ہے آج
اے جذب اتحاد یہی ہے مدد کا وقت — وہ غم میں مجھ کو چھوڑ کے تنہا چلا ہے آج
اے جان زار جانے میں یہ دیر حیف حیف — کچھ بھی سر وفا تجھے اے بیوفا ہے آج
کل تک تو تیرا وصل میسر رہا دریغ — عارف ترے فراق کا مجھ کو گلا ہے آج
تو منع رنج کرنے سے کرتا ہے ناصحا — یاں انتظار خود ملک الموت کا ہے آج
سال وفات لکھ یہ سر یاس دور کر — عارف پسند رحمت حق ہو چکا ہے آج

تضمین غزل ناسخ

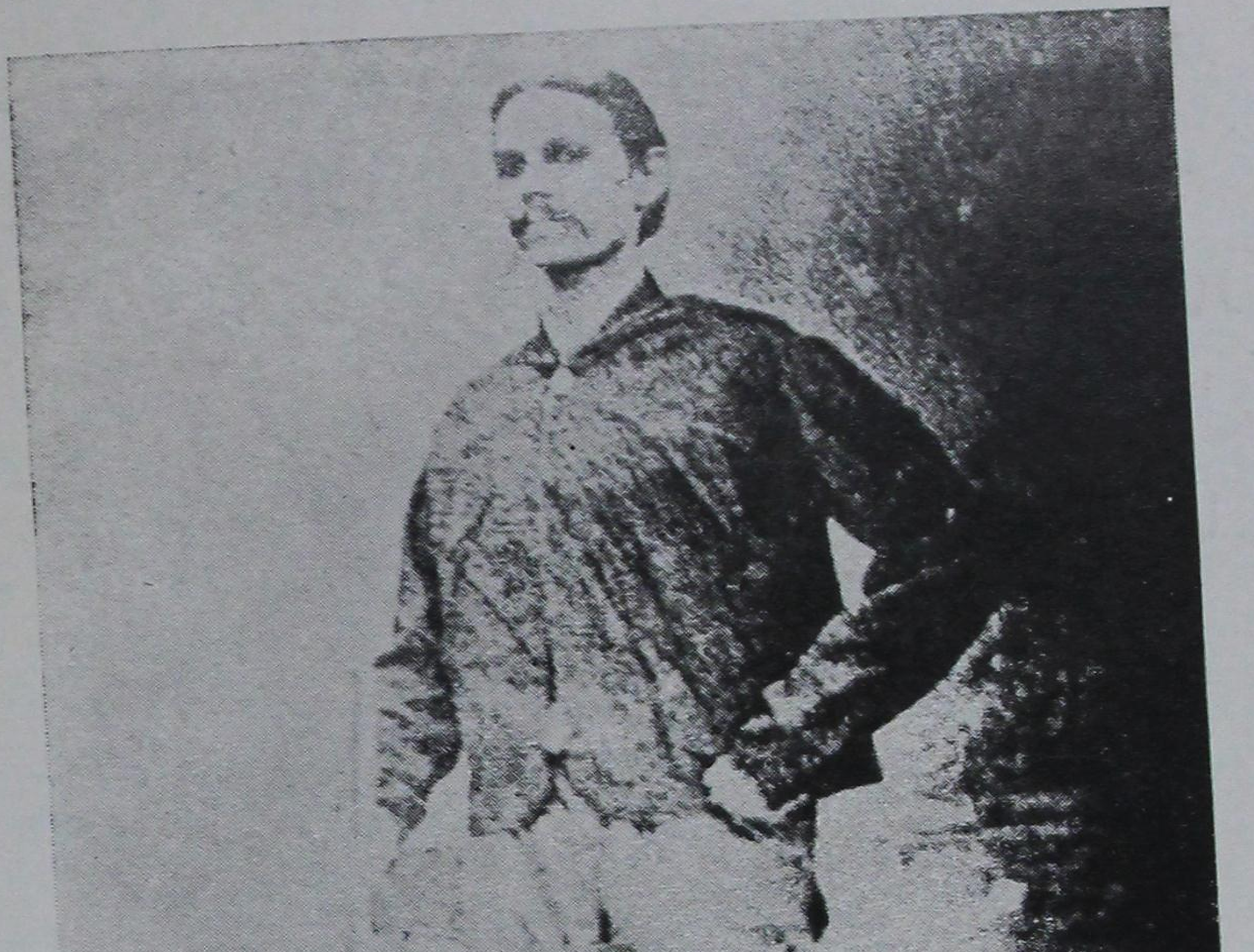
اُٹھا پھر ولولہ غم میں تنور دل سے طوفاں کا — نظیر بحر قلزم ہے ہر آنسو چشم گریاں کا
قیامت ہو گیا آنا خیال روئے تاباں کا — مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

جنوں کس تند خو کو جذب دل نے آج کھینچا ہے — کلیجہ سے لہو کو جذب دل نے آج کھینچا ہے
شراب مشک بو کو جذب دل نے آج کھینچا ہے — کسی خورشید رو کو جذب دل نے آج کھینچا ہے
کہ نور صبح صادق ہے غبار اپنے بیاباں کا

تضمین غزل غالب

بلا سے میں نہ سہی خاک بھی عدو کیا ہے — تمھیں اسی کی قسم اس کی آبرو کیا ہے
زبان شوخ بیاں کا یہ حسن خو کیا ہے — ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمھیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

سہیل میں وہ صباحت نہ زہرہ میں وہ صفا — نہ مہر میں وہ حرارت نہ ماہ میں وہ جلا
نہ شمع میں وہ نزاکت نہ معہ میں وہ ضیا — نہ برق میں وہ کرشمہ نہ شعلہ میں وہ ادا



General Joseph Benseley Fana.

کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

انتخاب کلام فنا

(جوزف نبلی صاحب)

ہے نازکی پہ ناز مرے جسم زار کا — ہے بار پیرہن سے سوا تار تار کا

کیا تاب ہے جو رخ کے مقابل وہ ہو سکے — ہے مہر ایک ذرہ تری رہگذار کا

کام آیا کوئی بھی نہ سوا غم کے ہجر میں — احساں ہے مجھ پہ ایک اسی غمگسار کا

ہوں شاد زندگی سے نہ ارمان مرگ ہے — جب سے ہوا ہے شغل غم روزگار کا

آسائشیں جہاں کی الٰہی ہوں مختصر — بڑھتا ہے ناز زندگی مستعار کا

عمر دراز ملک جہاں میں گذر چکی
اب عزم کیجیے گا فنا اُس دیار کا

ق

اے راہ رو ملک عدم اُف رے تغافل — ساماں نہیں کچھ بھی ابھی عزم سفر کا

بیٹھے گا یونہی حشر میں تو شاد کہاں تک — کر فکر کہیں بہر خدا کچھ تو اُدھر کا

ملے خاک میں ہم بلا سے مگر — میسر ترا نقش پا ہو گیا

مرا عجز بھی خوبی بخت سے — ستم کے لئے مدعا ہو گیا

نگہ اس کی پھرتے ہی حیرت میں ہوں — یہ کیا تھا فنا اور کیا ہو گیا

چھپا ہم سے مگر چھپنا نہ جانا — بتا ہم نے تجھے کس جا نہ پایا

امتحاں اب کونسا باقی رہا ہے اے فلک — بیوفائی میں بھی وہ خود کامل ہو گیا

ملک فانی میں بھلا حضرت دل
آہ کیا زیست کا غم کیجیے گا

حق سے ملنے کا فنا فکر کرو
ترک اب عشق صنم کیجیے گا

دل میں پنہاں رکھا بتوں کا عشق
ہم نے اللہ کا بھی ڈر نہ کیا

جیتے جی ہم فنا ہوئے مشہور
ہم نے عالم سے گو سفر نہ کیا

غافل نہ تھا میں نزع میں بھی ہوشیار تھا
تیرا ہی نام ورد زباں بار بار تھا

جاتے ہو منھ چھپائے فنا کیوں جہان سے
تم کو تو زندگی پہ بڑا اعتبار تھا

جب نہ جائے خلوت کی کوئی بھی ملی آخر
دل ہی یار کی خاطر بن گیا مکاں اپنا

فکر بیجا ہے تجھے نسخۂ صحت کی طبیب
میرا جز موت کے کوئی بھی نہ درماں ہوگا

تھی مجھے دوری میں بھی حاصل حضوری دوستو
وہ رہا دل میں بظاہر گو جدا گانہ رہا

ہم نے راہِ الفت میں کیا کہیں کہ کیا پایا
آپ کو مٹا بیٹھے جب ترا پتا پایا

تھا وہ ایمائے خموشی ہی جواب خط مرا
دل نہ سمجھا تھا معا وصل کی تدبیر کا

اے فنا ملنے کی کچھ اس شوخ سے حاجت نہیں
جذبۂ دل ہی ہمارا ہے عمل تسخیر کا

سب رنگ میں ہم رنگ ہیں وہ رنگ ہے اپنا
نیرنگیٔ عالم سے جدا ڈھنگ ہے اپنا

تھا شوق کبھی ہم کو بھی آرائش تن سے
اب جامۂ ہستی بھی ہوا ننگ ہے اپنا

ہے دل میں فنا دیکھئے اب ملک عدم بھی
دنیا سے سفر کرنے کا آہنگ ہے اپنا

جامۂ ہستی بھی تھا روز ازل ہی سے گراں
اسلئے مرقد میں بھی تن اپنا عریاں ہی رہا

خلد کا نقشہ بھی آنکھوں میں نہ واعظ جم سکا
اپنے دل میں تو خیال کوئے جاناں ہی رہا

گو رہا پہلو میں تھا پھر بھی وہی پاس حجاب
خانۂ دل میں بھی وہ دلدار پنہاں ہی رہا

ہم کو کیا ارماں ہو اپنی زندگی کا اے فنا
جو رہا اس ملک ہستی میں وہ مہماں ہی رہا

اپنی نظروں میں ایک تیرے سوا
کوئی منظور دوسرا نہ رہا

جب حقیقت کھلی تری دل پر
دیر و کعبہ سے مدعا نہ رہا

آنکھ ملتے ہی ہٹ گئے شکوے
دل میں باقی کوئی گلا نہ رہا

کیا بھروسا ہے ایک دم کا فنا
کوئی دم یہ رہا رہا نہ رہا

کوئی دم بھی دہر میں گذری نہ ہرگز چین سے
عمر بھر کانٹا سا یوں دل میں مرے کھٹکا کیا

میں نے چاہا تھا کہوں گا حال دل اُن سے مگر
سامنے جاتے ہی بس حیرت سے منہ دیکھا کیا

چشم نے رو رو کے رسوا کر دیا
راز دل پنہاں تھا افشا کر دیا

ہجر میں گھلتے کہاں تک شکر ہے
موت نے قصہ ہی پورا کر دیا

ان بتوں کے عشق نے مجھ کو خدا
سر بسر اک غم کا پُتلا کر دیا

ہم سمجھتے تھے جسے قطرہ اُسے
چشم نے رُو رُو کے دریا کر دیا

وہ نگاہ خلق میں اونچا ہوا
عجز سے سر جس نے نیچا کر دیا

آمد و شد سے اُسی کی اے فنا
دل میں شاید غم نے رستا کر دیا

آبلہ پا ہوں کچھ ایسا میں کہ ہر دم دشت میں
خار جو آتا ہے بن جاتا ہے سوزن زیر پا

باغِ عالم میں غموں سے دل کا اب یہ رنگ ہے
جسطرح کوئی خزاں میں پھول کملایا ہوا

واہ رے پردہ نشیں خوب نکالا ہے حجاب
مجھ سے شرما کے مرے دل ہی میں پنہاں ہونا
خانۂ دل ہی ہے میرا ترے رہنے کی جگہ
اے غمِ یار کہیں اور نہ مہماں ہونا

کیا خوب جو دشمن تجھے مر آج دِلا دیکھ
سُنکر مرے مرنے کی خبر آئے ہیں کیا کیا
اس عمرِ دو روزہ میں فنا ہم کو تماشے
اللہ کی قدرت کے نظر آئے ہیں کیا کیا
جا کے اُس کوچے سے ہم پھر آئیں کیا
شکل پھر اغیار کو دکھلائیں کیا
دیکھتے ہو تم تو اپنی شکل کو
آئینہ تم کو بھلا دکھلائیں کیا
جب اکیلا ہی نہ رہتا ہو وہ شوخ
پھر اُسے تنہائی میں ہم پائیں کیا
اب تو غم سے بھی نہیں بھرتا شکم
فکر میں ہیں یا الٰہی کھائیں کیا
جب نہ لگتا ہو پتا تیرا کہیں
ڈھونڈھنے ہرجائی تجھ کو جائیں کیا
اور دو دن کی رہی ہے زندگی
اے فنا جینے سے اب گھبرائیں کیا

ق

اے فنا دیکھ کے کرتے ہیں تعجب احباب
کیا ہوا تجھ کو جو مینوشی سے انکار ہوا
کیا ضرور ہے پیوں بادۂ گلگوں ساقی
چشمِ کیفیٔ حسیناں سے میں سرشار ہوا

ٹوٹے گی آج توبہ ہزاروں کی دیکھنا
بکھری ہوئی ہے سینۂ ہر میں کچھ جا بجا شراب
پھر کیفیت دکھائی اُسی چشمِ مست کی
اک جرعہ ہی میں چور کیا مرحبا شراب

چشمِ گریاں ہے سلامت تو کسی دن دیکھو
نخلِ امید میں آئے گا ثمر آپ سے آپ

جبہ سائی کی ہوئی ہے مجھے عادت ایسی — جھک ہی جاتا ہے درِ یار پہ سر آپ سے آپ

ایک میں ہی ناتواں پسماندہ و گمراہ ہوں — اور سب پہونچے الٰہی ہمرہان کوے دوست

شکوۂ ہجر تو ہوتے ہی رہیں گے اے دل — پر نہو جائے کہیں یونہی سحر آج کی رات

مفلسی خوب ہوا تیری بدولت ہم نے — چھوڑ دی دیکھنی اب دام و درم کی صورت
اب تو یہ وِرد ہے جھکتے ہیں وہیں بہر سجود — دیکھ لیتے ہیں جہاں نقش قدم کی صورت

آنکھوں میں دم ہے جان حزیں لب پہ بیقرار — ایسے مریض ہجر کا کیا پوچھنا علاج

آج کچھ اور ہی نقشہ ہے ترا بھی مانی — میں نہ کہتا تھا کہ اُس شوخ کی تصویر نہ کھینچ

ہے مبتلا ضرور کسی پر مری طرح — رکھتا ہے اپنا سینہ و دل داغدار چاند
پھرتا ہے ایک عمر سے یونہی رواں دواں — ہے کس کے شوق دید میں یہ بیقرار چاند

جب نہ ملتے تھے تو ملتے تھے تصور میں کبھی — ملنا دشوار ہوا اور بھی آساں ہو کر
ایک دو دن تو ذرا چین سے رہنے دے فلک — ملک ہستی میں فنا رہتے ہیں مہماں ہو کر

چشم وفا ادھر بھی ذرا چاہیے صنم — بیٹھے ہیں تیری بزم میں ہم دیکھ کب سے دور
خیال فکر درماں چارہ گر چھوڑ — علاج درد دل اب یار پر چھوڑ

راز کس سے کریں بیاں افسوس
جب نہو کوئی رازداں افسوس

دیکھا شادی کو ایک دن نہ کبھی
غم ہی دل میں رہا نہاں افسوس

سوز نہاں سے جل گیا شاید
دل سے اُٹھنے لگا دھواں افسوس

لکھتے لکھتے یہ حال دل اُن کو
ہو گیا خامہ خونچکاں افسوس

حال دل پوچھنے لگے مجھ سے
بند جب ہو گئی زباں افسوس

صدمہ سہہ کے ہجر میں اب تو
دل دھڑکتا ہی ہر زماں افسوس

فکرِ عقبےٰ بھی کچھ فنؔا کیجیے
عمر جاتی ہی رائگاں افسوس

فکر شادی کہاں ہے اے ہمدم
اب زباں پر ہی بار بار افسوس

داغ مرجھا گئے مرے دل کے
ہو گئی یہ خزاں بہار افسوس

خانۂ ویراں مرا کچھ دل لگی کو کم نہیں
کیوں لئے جاتی ہی وحشت تو بیاباں کیطرف

اب یہ حسرت ہے کہ ہوں ہم دفن کوچے میں ترے
جائیں گے کیا بعد مُردن باغ رضواں کیطرف

جم رہی ہی یاں قناعت پر نظر اپنی فنا
کیا کرینگے دیکھ کے ہستی کے ساماں کیطرف

گر جانتے آغاز سے ہم عشق کا انجام
ہوتے نہ کبھی اُس بتِ بے پیر کے مشتاق

اپنے سے جدا دیکھتے تجھ کو نہیں ہرگز
آئینہ صفت ہیں تری تصویر کے مشتاق

مرض سے اپنے مشخص ہوا یہی ہم کو
نہیں ہی مرگ سے بہتر کوئی دوائے فراق

کہیں تو کہہ نہیں سکتے بڑی مصیبت ہے
سُنائیں آہ کسے اپنا ماجرائے فراق

جب نہ امید رہی کوئی خوشی کی مجھ کو
بن گیا یہ ہی مرا مونس و غمخوار قلق

دل سے جاتے نہ رہیں وصل کے ارمان کہیں　　دے نہ اتنا شب ہجراں مجھے ہر بار قلق

اے وائے ناتوانی کیا ظلم ہے فنا پر　　اب آہ کو بھی آنے دیتے نہیں زباں تک

دست جنوں نے خوب سبکدوش کر دیا　　باقی نہیں ہے تن پہ کوئی تار آج کل
مونس کی احتیاج ہمیں کیا ہے ہجر میں　　غم خوار ہو رہا ہے غم یار آج کل
بگڑی ہوئی ہے گلشن الور کی کچھ ہوا　　ہم دیکھتے ہیں گل کی جگہ خار آج کل
کچھ شغل کر جو دن ہوں بسر غم کے اے فنا　　غافل نہ بیٹھ دیکھ خبردار آج کل

دیکھا ہے عندلیب چمن میں کسے بتا　　جاتی نہیں نگاہ تری آج سوئے گل
گل کھا کے فرط رشک سے مر جائے عندلیب　　دیکھے جو اک نگاہ تجھے روبروئے گل
افسردہ جس کا غنچۂ دل ہو تو ہم نشیں　　کیا دیکھے آہ جا کے چمن میں وہ رُوئے گل

مریض عشق پر کچھ آ بنی ہے اسقدر مشکل　　کہ اب درماں بتاتے ہیں الٰہی چارہ گر مشکل
خدا جانے ابھی باقی ہیں کیا کیا حسرتیں دل میں　　نہ کر جینا شب فرقت میں اے دردِ جگر مشکل
پہونچنا اے غبار ناتواں آساں نہیں تیرا　　کہ ہے اُس گل کے کوچے میں صبا کا بھی گذر مشکل
ستم ہے ناتوانی کیا قیامت تو نے ڈھائی ہے　　کہ اب جانا نگہ کا بھی ہوا ہے سوئے در مشکل
نہ بیٹھو اسقدر غافل جہاں میں اے فنا ہرگز　　کہ ہے تم کو ابھی درپیش یاں عزم سفر مشکل

وعدۂ حشر یہ دیتا ہے دلاسے کیا کیا　　حال جو پوچھتے ہیں قبلہ کا صیاد سے ہم
چین پایا نہ کبھی دل کی بدولت ہم نے　　عمر بھر یوں ہی رہے مضطر و ناشاد سے ہم

بیٹھے نہ چین سے کبھی اے چرخ گھر میں ہم
گردش میں جب سے تیری پڑے ہیں سفر میں ہم
مضمونِ شوق آپ اسے لے اُڑے گا آج
کیوں نامہ باندھیں اپنا کبوتر کے پر میں ہم

دیکھے کیونکہ بنے حشر میں آتا ہے خیال
اپنے فعلوں سے تو ہیں سخت گنہگار سے ہم
پر یہ امید قوی ہے کہ بڑا ہے وہ رحیم
جب نظر آئیں گے نظروں میں اُسے خار سے ہم
بخشدیگا وہیں اک پل میں جھکا کے آنکھیں
شاد ہی آئیں گے اللہ کے دربار سے ہم

رفعت سے آستاں کی ترے کم ہے آسماں
ہمسر ترے مکاں سے مگر لامکاں نہیں

ٹل نہیں سکتا کسی صورت ترا ثانی کہیں
پھر چکے لیکر تری تصویر گھر گھر ہاتھ میں
آئے کیونکر بھلا زوال ہمیں
بے کمالی میں ہے کمال ہمیں
بات کرتے ہیں دل سے دو دو پہر
تیرا آتا ہے جب خیال ہمیں
موت آئی دلا یہ خوب ہوا
ہو گیا ہجر میں وصال ہمیں
اپنی ہستی ہے نیستی کی دلیل
خوب واضح ہوا یہ حال ہمیں
اُن کے یاں تک فنا نہ آنے کا
لے گیا گور میں ملال ہمیں
آئینہ ہو رہا ہے کثرت سے نور کی دل
تجھ ہی کو دیکھتے ہیں ہر سنگ اور شرر میں

ہم جانتے ہیں پر فن یہ تیری ساری چالیں
پامال کر رہی ہیں فتنے اٹھا رہی ہیں
دل میں فنا تمھارے یہ کس کی الفتیں ہیں
جو چپکے چپکے تم کو ہر دم رُلا رہی ہیں
آج کیا ہے چشم جو پُر نم نہیں
کیا دلا تجھ کو کسی کا غم نہیں
پوچھتے ہو کیا ہمارا حالِ زار
کیا کہیں تم سے کہ دم میں دم نہیں

پھولتے ہو اسقدر کیوں گل رخو
یہ بہار حسن کچھ دایم نہیں

زیست سے بہتر ہے مرگ ناگہاں
پاس وہ ہے اب کہ جب ہمدم نہیں

مرمٹے ہیں سیکڑوں اس عشق میں
اے فنا تیرا ہی کچھ ماتم نہیں

دیکھ کر حیراں ہوئے کیوں اسقدر آئینہ میں
کیا کوئی ثانی تمھیں آیا نظر آئینہ میں

دلا اپنی ہستی کو ہم دیکھتے ہیں
کسی کا جو نقش قدم دیکھتے ہیں

یہ کیا ہے اگر تیرا جلوہ نہیں ہے
کہ معمور دیر و حرم دیکھتے ہیں

وصل جاناں ہوا ہے خواب میں شب
زندگی نے دیا جواب ہمیں

ایک تیری نگاہ پھرنے سے
ہے زمانے میں انقلاب ہمیں

ہجر جاناں میں حیف گھل گھل کر
رشک پیری ہوا شباب ہمیں

لے گیا گور کے کنارے آہ
رفتہ رفتہ ترا عتاب ہمیں

کچھ تعجب نہیں وہ نکتہ نواز
بھیجے جنت میں بے حساب ہمیں

بیعت کر کے پیر مغاں سے رند بنے اک عمر ہوئی
بادہ کشی کا مجھ پر واعظ آج نیا الزام نہیں

کر رہے ہیں یہ گل بھی دیکھو تو
جان تم پر نثار گلشن میں

ایک میں ہی نہیں ترا مایل
اور بھی ہیں ہزار گلشن میں

نہ کرنا خلد کی کچھ حرص اے فنا ہرگز
نصیب تجھ کو گنہگار دیکھیے کیا ہے

نہ میری چشم کو جلوہ سے کیونکر مشق حیرت ہو
عیاں جب ذرے ذرے میں ترا نور حقیقت ہو

نہ کیونکر عین جلوے ہی میں حاصل مجھ کو خلوت ہو
کہ جب آئینۂ دل ہی میں تیری شوخ صورت ہو

ملے جسکو ترے در کی گدائی کا کوئی ٹکڑا
نہ لے سارے جہاں کی بھی جو ملتی اسکو دولت ہو

عبادت بھی کریں واعظ نہ سوئیں رات دن جاگیں
اگر وہ بے نیاز خلق مشتاق عبادت ہو

فناؔ اللہ ہی حافظ ہی تم تو اپنے مذہب میں نہ قایم ہو شریعت پر نہ پابندِ طریقت ہو

آتے ہیں آج کیا کیا وسواس اپنے دل میں دینے تو دیدیا خط کل ہم نے نامہ بر کو

پہونچا ہی لامکاں سے بھی وہ شوخ اب وہاں ہوتی نہیں رسائی جہاں کچھ خیال کو

اے خوشی دل میں کبھی آتی نہیں کیا تجھے ضد ہے مرے ماتم کے ساتھ
اے فناؔ دل سے کہیں جاتا ہے غم جان ہی جائے گی اس ہمدم کے ساتھ

جینا شبِ الم میں زبس ناگوار ہے اے موت آ کہیں کہ ترا انتظار ہے
سنتا ہی کون کس سے کہوں دردِ دل یہاں جز غم کے اور کون مرا غمگسار ہے
ایمان و دین و دل تو تمھیں نذر کر چکے باقی ہی ایک جان سو یہ بھی نثار ہے
کیا پوچھتے ہو نام و نشاں میرا ہائے تم کہتے ہیں جس کو خاک یہی خاکسار ہے
کافی ہی اپنی عمر دو روزہ کے واسطے کچھ آجکل جو شغلِ غمِ روزگار ہے
تعمیرِ قصر کی ہو تمنا جہاں میں کیا بنیادِ زیست اپنی ہی ناپایدار ہے

بتائی مجھ کو اطبا نے خاکِ پا اُس کی ملا نہ جب کوئی نسخہ مری شفا کے لئے
ہوا و حرص نہیں خلد کی مجھے لیکن زمیں ملے ترے کوچے میں اس فنا کے لئے

میں وہ بیہوش ہوں ثانی نہیں عالم میں مرا مجھ کو بیہوش بھی ہشیار نظر آتا ہے

دل یہ کہتا ہے کہ ے چل تو گلی میں اس کی　　باتیں کرتا ہے ٹھکانے کی یہ ناداں مجھ سے

خاکساری کی اگر دل میں سمائی ہوتی　　تو کدورت سے دو عالم کی صفائی ہوتی

ظرفِ ہستی سے نہ کم ظرف اُبلتے اتنے　　رنج و راحت کی اگر دل میں سمائی ہوتی

ملو غیروں سے تم قدرت خدا کی　　رکھیں کیا آرزو تم سے وفا کی

تمہاری بیوفائی بھی وفا ہے　　تمھیں زیبا ہیں سب طرزیں جفا کی

مریضِ عشق ہم جب سے ہوئے ہیں　　توقع اٹھ گئی ہم کو شفا کی

تمھیں تو شوق ہے ناز و ادا سے　　ہمیں عادت ہے تسلیم و رضا کی

اے فنا لے ہی لیا ہوتا بتِ پُرفن نے آج　　نقد دل کی مُنھ دکھائی ہوتے ہوتے رہ گئی

پرسش کی کچھ امید ہمیں ہے عذاب سے　　محشر میں کام کچھ نہ نکلتا صواب سے

گذری ہے عمر اپنی تو سب یونہی بیشمار　　کیا کام ہے جہاں کے حساب و کتاب سے

کھُلتے ہی آنکھ ہستئ موہوم دیکھ لی　　ثابت ہوا دلائل طرزِ حباب سے

آ کر اجل نے مژدہ سفر کا سُنا دیا　　آنکھیں جہاں میں کھلنے نہ پائی تھیں خواب سے

پابندِ کفر و دیں نہ رہے عشق میں فنا　　چھوٹے جہاں کے خوب عذاب و ثواب سے

ہم کو دعوے تھا کہ کھینچیں گے ترا نقشہ مگر　　ہو گئے کچھ دیکھ کر صورت تری تصویر سے

اس حیا کا بھی ٹھکانا ہے کہ اللہ اللہ　　خانۂ دل میں بھی وہ شوخ نہ مہمان رہے

بارِ عصیاں سے کبھی سر نہ اٹھایا ہم نے　　عمر بھر دہر میں صد حیف پریشان رہے

کیجے کچھ بے سر و سامانیٔ عقبےٰ کا خیال　　خوب دنیا میں فنا با سر و سامان رہے

بھٹکتے ہی پھرینگے کو بکو اُس بُت کی فرقت میں | اگر یہ ہی تمھاری حضرت دلُ رہنمائی ہے
اگر بھیجے گنہگاروں کو جنت میں عجب کیا ہے | کہ یہ بھی ایک ادنیٰ اس کی شان کبریائی ہے
اک عمر سے ساجد ہوں جدھر یار کا گھر ہے | کافر ہوں اگر یہ بھی کہوں کعبہ کدھر ہے

جاں دینے سے ملتا ہے اگر وہ بت کافر | واللہ بڑا سود ہے گر یہ ہی ضرر ہے
کس فکر میں بیٹھے ہو فنا آج کہو تو | کل عالم فانی سے تمھارا بھی سفر ہے
زلف کا فکر جا رسائی کی | دل نے اچھی گرہ کشائی کی
کوئے دشمن میں لے گیا ناداں | خوب دل نے یہ رہنمائی کی
جب صبا کا بھی ہو گذر نہ وہاں | کس کو امید ہو رسائی کی
جسکے جویا تھے کو بکو ہم تو | اُس نے دل ہی میں رہنمائی کی
ہم ہوں ساجد بتوں کے در پہ یوں | شان ہے اس کی کبریائی کی
دیر و کعبہ سے کچھ غرض نہ رہی | جب حقیقت کھلی خدائی کی
ڈر خدا سے بتوں کے در پہ فنا | کس بھروسہ پہ جبہہ سائی کی
کوئے جاناں میں نہیں بنتی ہے بے جا ہمیں | اس دل ناداں کو ناصح خوب سا بہلا چکے

جب ہو سکی نہ اپنی قسمت سے کچھ رسائی | آخر کو اُس گلی میں مرقد بنا کے بیٹھے
عدم کا حال کچھ تو پوچھتے ہم | نہ آیا کوئی بھی پھر کر وہاں سے
ہماری آہ وہ آہ رسا ہے | تمھیں لے آئے جا کر آسماں سے
کبھی ہو جائے گا دل بھی نشانہ | اُنھیں گر شوق ہے تیر و کماں سے
فنا کیا حال ہے سچ تو بتاؤ | پڑے رہتے ہو تم کیوں نیم جاں سے
بتوں میں بھی تو ہی جلوہ خدا کا خوب صنعت ہے | انھیں بیجا نہیں سجدہ الٰہی تیری قدرت ہے

تمھیں کیا نذر دوں میں اب بجز اک جان مضطر کے	کہاں ہے دل مرے پہلو میں اک حسرت ہی حسرت ہے
ہمیں چوکے خطا اپنی تھی دل جو دیدیا تم کو	تمھاری بیوفائی کی بھلا اب کیا شکایت ہے
اٹھا سکتے نہیں سر بھی ترے جور و نکا شکوہ کیا	فلک اپنے ہی فعلوں سے ہمیں ایسی ندامت ہے
بلندی فلک بھی پست آتی ہے نظر ہم کو	ہماری خاکساری میں کچھ ایسا اوج رفعت ہے
گذرنے دے جو گذرے یاد ہی میں اُس مسیحا کے	فنا ضایع نہ جانے دے کہ اک اک دم غنیمت ہے

اک سہارا تھا اجل کا تیری فرقت میں سواب	وہ بھی یاں آتے ہوئے ناز و ادا کرتی ہے
تیرے بیمار کی بالیں پہ عیادت کے لئے	موت بھی آتے ہوئے پانوں ملا کرتی ہے

ہو چکی عمر ہی تمام کس کو ہے آہ یاں قیام	چلنے کی فکر دہر سے کیجئے اب فنا کوئی

مری آنکھوں میں اب تک حسرت دیدار باقی ہے	دکھا صورت کہیں آکر کوئی دم یار باقی ہے

رہیں کیا کیا تلاش یار میں بیتابیاں ہم کو	کبھی ہم سوے بتخانہ کبھی سوے حرم نکلے
مسیحا منحصر ہو زندگی و مرگ جب تجھ پر	تو پھر بیمار ہجراں کا ترے کسطرح دم نکلے
نہ کی اُف بھی کبھی جور و ستم سہہ کر حسینوں کے	فنا تم تو بڑے ہی عشق میں ثابت قدم نکلے

نہ کیجے حرص کچھ دنیا کی کچھ حاجت نہیں تمکو	فنا بدتر ضعیفی سے تمھاری نوجوانی ہے

کمال کو جب زوال سمجھا تو دیکھا آخر کو یہ تماشا
کہ اس زمانہ میں ہی ہماری نہ بات بگڑی نہ کچھ بنی ہے

ہے بارِ عصیاں جو سر پہ بھاری جتا رہے ہو یہ خاکساری
فنؔا تمھاری بھی بے تکلف عجب طرح کی فروتنی ہے

متفرقات

جب سے آنکھوں میں تو سمایا ہے — تیرا ثانی نظر نہیں آتا
جز غم کے کوئی ہم نے نہ پایا رفیق دل — ہے کچھ وفا کی بو تو اسی غمگسار میں

اچھا ہوا کہ چشم سے خوں ہو کے بہہ گیا — مدت سے بیقرار دل ناصبور تھا

تو وہ یکتا ہی گنہگار و نہیں گر پہونچا وہاں — اے فنا دوزخ بھی نالوں سے ترے جل جائیگا
لے گیا دل ہی کھینچ کر ہم کو — ورنہ اس کو میں کون رہبر تھا

صبح گر زندہ رہا تو شام کیا — زندگی کا آخرش انجام کیا
ہو چکا فانی تو تجھ کو اے فنؔا — پھر غم فردا سے ناداں کام کیا
ہے فقیری میں بھی مجھ کو دخل لیکن خیر ہے — فکر دنیا بھی کچھ اتنا ہی کہ جتنا چاہیے

چشم قاتل کا دلا تو نے اشارا دیکھا — طرفۃ العین میں بیدرد نے مارا دیکھا
آخرش عزم سفر ملک عدم کا ٹھہرا — جب نہ عالم میں فنا ہم نے گذارا دیکھا

نمونۂ کلام ہندی (بھاکا)

بھجن

گیان دھیان میں رہو ہمیشہ ہر سے دھیان لگاؤ جی
آپ گمو آرام تجو ٹک من کو تم سمجھاؤ جی
کھانے کو تو غم ہے کافی پینے کو ہے خونِ جگر
یہ ہی مزہ ہے عشق میں پیارے جیو ویا مرجاؤ جی
جو ٹھانی من میں تم نے پوری کر دکھلاؤ اُسے
دیس بدیس اکیلے پھرو پردیسی ہی بن جاؤ جی
آپ مرے جگ پرلو سادھو من کو تم سمجھالو اب
کوئی کسی کا سنگ نہ ساتھی آپ اکیلے جاؤ جی
وہاں سے جو کچھ لائے تھے سب تم نے یہاں برباد کیا
اب جاتے ہو تو سنگ بھلا کچھ یہاں سے بھی لیجاؤ جی
مرنے کا جو کھٹکا ہے کچھ اسکو دل سے دور کرو
مرنے سے پہلے ہی یہاں تم فنا شاہ مرجاؤ جی

دوہرے

سکھ ہی سے دکھ ہوت ہے کیوں سکھ چاہے کوئے
ایسے سکھ کو تیاگئے جا سُکھ سے دکھ ہوئے
من گیانی من مورکھا من بھکے بھکائے   من بھٹکائے باٹ میں اور من ہی باٹ بتائے

من موہن من میں رہے من مورکھ کہیں اور   بنو باور دآندھر دڈھونڈھت ٹھور کٹھور

آدت ہے سو جات ہے یہی جگت کی ریت	فنا شاہ یا دیس میں کرو نہ کاسے پیت

من بچھڑے تو نا ملے تن بچھڑے مل جائے	من کو مت بچھڑائیو پھیر ملیں گے آئے

اکڑا اینٹھ سب دھری ہیگی سیدھے ہو کر جاؤ گے	اپنی کرنی پار اُترنی جیسا کرو گے پاؤ گے

ہولی

دھیان لگا بنی سے گوری	بہت رہی ترے من میں چوری
دھیان کئے سے گیان بڑھے گو	بپت پڑے گی توری
ایسے سمے پھر ناہیں ملیں گے	بھید کہے ہے سُن لے موری

دادرا

بچھڑ گئے سیّاں بچھڑ گئے ری	موئے براگن کر گئے ری
سگری رین موہے تڑپت بیتی رے	نیناں لگا کر گھر گئے ری
بھید کہو کن کاری تم سے	رات سنوریا لڑ گئے ری

پہیلی

ایک نار ات سروپ اتاری رکھے سیس پر تاج
بھیس پہن کر رہے اُگھاری نیک نہ آوے لاج

انتخاب کلامِ فنؔا (سلیمان شکوہ گارڈنر)

(از بیاضِ مُصنّف)

مرا دیواں ہی مشرق آفتابِ حمدِ یزداں کا
طلوعِ صبحِ معنی ہی ہر اک مصراع دیواں کا

شگفتِ غنچہ کی اپنی بہار روئے خنداں ہوں
نویدِ آمدِ گل چہچہا ہوں مرغِ بستاں کا

کچھ میسّر معالجا نہ ہوا
جب تلک دردِ بے دوا نہ ہوا

غیر سے فیصلہ طلب ہے وہ
ہم سے کوئی معاملا نہ ہوا

دل کو میں خاک میں ملا دیتا
ہائے افسوس دوسرا نہ ہوا

حسرتیں کیسی کیسی ہیں اے دل
حیف بندہ ہوا خدا نہ ہوا

نہ کھلا بھید عشقبازی کا
خود سے جبتک میں آشنا نہ ہوا

آفریں باد فکرِ مست فنؔا
جو ہوا شعر عاشقا نہ ہوا

شکوۂ جور پہ کس ناز سے کہتا ہی وہ یہ
مذہبِ عشق میں جائز ہے ستانا دل کا

آن کی آن میں کر لیتا ہے اپنا مائل
ہائے کس طرز سے سیکھا ہی رجھانا دل کا

آخرش جان گئی ہم نہ یہ کہتے تھے فنؔا
راس آئے گا نہ تجھ کو یہ لگانا دل کا

جبکہ ظاہر آنکھ سے پنہاں ہوا
جو نہاں تھا وہ علی الاعلاں ہوا

اپنی فہمِ خاص صلحِ کل ہوئی
خلق میں جب قضیۂ ایماں ہوا

جبکہ مشکل تھا تو مشکل تھا فنؔا
اب جو آساں ہو گیا آساں ہوا

صبر اور شکر میں اک مرحلہ عشق میں ساتھ
ہم نے اس دہر میں لاکھوں کو فنا دیکھ لیا

خاموش رہو لوگو کہتا اور نہ بہکیں
دیکھو مرا چرچا نہیں اچھا نہیں اچھا

سب کو یہ نصیحت ہے فنا کی دمِ بسمل
اس عشق کا دعوی نہیں اچھا نہیں اچھا

جگر بھی دل بھی بہا ہو کے خوں جو آنکھوں سے　　براہ چشم لٹا سب یہ قافلہ دل کا
ہوا میں یار کے باطل خیال کا بندہ　　فنا یہ میں نے نکالا ہی مشغلہ دل کا

کیا تجھے ہی فخر حاصل یہ امیری تھی فنا　　شان و شوکت سے تو اب کر کے گدائی دیکھنا

حسن جمال یار کو آئینہ دیکھ کر　　حیرت میں آ کے نقش بدیوار ہو گیا
آخر فنا ہوا مرض الموت خود فنا　　جب سے کہ بت کے عشق کا آزار ہو گیا

وہ رشک گل جو بلاغ گیا کل نسیم نے　　اُس پہ نثار کر کے زرگل اُڑا دیا
زندانی پوچھتا تھا کبھی قیدیوں کو ہائے　　اب وہ بھی عارفانہ تجاہل اُڑا دیا
دام بلا میں پھنس گئے نظارہ باز جب　　بادِ صبا نے حلقۂ کاکل اڑا دیا
دل ہدف تیر بتاں ہو گیا　　بیٹھے بٹھائے کا زیاں ہو گیا
یار نظر سے جو نہاں ہو گیا　　آنکھوں میں تاریک جہاں ہو گیا
جسکا نشاں کچھ نہیں اے بے نشاں　　جلوۂ بُت اس کا نشاں ہو گیا
اپنی خودی جبکہ مٹی حق ہوا　　حق جو ہوا رب جہاں ہو گیا
کعبہ کا واعظ کہوں کیا انقلاب　　عبد خدا عبد بتاں ہو گیا
شعلۂ آہ جو سینے سے تڑپ کر نکلا　　یا دہن میں تھا وہ یا عرش سے اوپر نکلا
گلرخوں کی جو گلی میں کوئی آ کر نکلا　　فیض خوشبوے محبت سے معطر نکلا
پند دینے جو وہاں واعظ ہشیار گیا　　ہو کے بدست سر بزم سے باہر نکلا
شوق و فور تپش عشق سے سینہ جو ہوا　　جاے دل دیکھا تو اک پارۂ اخگر نکلا
مت دکھاؤ انکو صندل دردسر ہو جائیگا　　نام ہی سے دو نقطا اسکا اثر ہو جائیگا

تیرا تو نہ بس چلا کسی پر — اے بخت سیاہ ہم کو مارا
سو بار کہوں گا بت کہ تونے — واللہ باللہ صنم کو مارا
تجھ سے ہم کو گلہ نہیں ہے — زندہ کیا خواہ ہم کو مارا
ایسے ظالم کے بس پڑے ہاے — راہ و بے راہ ہم کو مارا
افسوس یہی رہا فنا کو — ناکردہ گناہ ہم کو مارا

گر نہ وہ اچھا کہے مجھ کو یہ ہی دل سے یقیں — کلمۂ بد بھی مرے حق میں دعا ہو جائیگا
اب گناہوں سے نہیں مطلق مجھے خوف و خطر — جو کہ ہونا ہوگا وہ روز جزا ہو جائیگا

شعلہ تابی سے نفس کی اُڑ چلا — دل کسی خورشید پہ مایل ہوا
جب ہمیں معراج لاہوتی ہوئی — جبرئیل و نکر اس کا ظل ہوا

عالم میں کس کے شور ہے حسن و جمال کا — نظارہ دیدہ وا ہے ہر اک کے خیال کا
منظور جو نظارہ ہے اپنے جمال کا — پتلا بنا ہیں اپنے ہی وہم و خیال کا
مست مے الست ہوں اے بزمیان مست — احساں نہیں اُٹھاؤ عطاے کلال کا

دل زلیخا ہو گیا گلیوں کی خاک اُڑوائے گا — عشق یوسف دیکھیے کتنے کنویں جھنکوائے گا
اپنی آہ آتشیں کا شعلہ بھڑکا اور چلا — اونچا ہوتے ہوتے خورشید فلک ہو جائیگا

بزم میں افسوں بیانی ہر پری رو کی ہی بند — سامری کا سحر ہے جادو تری تقریر کا
کیوں نہ چشم آبیاری اے فنا ابرو سے ہو — حلق بسمل تشنہ ہی آب دم شمشیر کا

زاہد و جلوۂ فنا فی اللہ — مستی بے حساب میں دیکھا
اثر درد دل کا خمیازہ — صبر عالی جناب میں دیکھا

تو شیدا جو زاہد حرم کا ہوا — تو بندہ میں اپنے صنم کا ہوا

سوال رہبری نہ ہو سکے گونگوں سے تکلم کا — نہیں یہ بات ممکن بت کرے تقریر پتھر کا

پرستش ہم کریں انکی بناویں ہم تراشیں ہم — شرارت ہے ہماری بت ہے بے تقصیر پتھر کا

ہوے سب جلوۂ دیر و حرم مفقود آنکھوں سے — سمایا جب سے دل میں وہ بت بے پیر پتھر کا

نئی باتیں نظر آتی ہیں دنیا میں ہمیں اب تو — کیا ہی شیخ نے اک بتکدہ تعمیر پتھر کا

مٹائی بت پرستی حق پرستی نے مری لیکن — تصور آ ہی جاتا ہے دم تکبیر پتھر کا

فنا دل کانپتا ہے کربلا کا واقعہ سنکر — نہیں شک اسمیں دل تھا دشمن شبیر پتھر کا

دل جب سے عشق شعلہ رخاں کا ہے آشنا — سر پر لگائے ہے مرے چتر زر آفتاب

پردا اٹھا کے رخ سے جو نکلا وہ سیر کو — شرمندہ آسماں پہ ہوا جل کر آفتاب

جب سے فنا کو خاک کیا سوز عشق نے — اسدن سے اسکی قبر کی ہے چادر آفتاب

خمیر جوہر ذاتی سے ہی قوام شراب — بلند عرش سے ہے پایۂ مقام شراب

کی خنجر نازش نے صفائی مری اکثر — فرماؤ مکدر رہتے صفا ہو گئے صاحب

معجون نوید آپ نے جو وصل کی بھیجی — اچھے تپ غم سے مرضا ہو گئے صاحب

کچھ ہونے میں ہیں ہم نہ نہونے میں ہیں بالفعل — ہم اپنی حیات آپ فنا ہو گئے صاحب

آشوب دہر قہر خدا انتخاب آپ — دونوں جہاں کے فتنوں کے لب لباب آپ

بوسے کے دینے میں ہیں اسیر کمند شرم — پر سر اڑانے میں ہیں بہت بے حجاب آپ

کیوں فکر میں بیہودہ اے دل ہوا بے وحدت (ق) وہ تجھ میں ہے تو اُسمیں جسکی ہے تجھے چاہت
گر ہووے نہ یہ باور ہر شے میں کر اندازہ　　وحدت پہ ہر اک کثرت کثرت پہ ہر اک وحدت

نہ دل لگاتے بتوں سے نہ ہوتے کافر عشق　　خود آپ ہو گئی الفت قصور کا باعث
قیام خاص ہوا اضداد سے وجود کا تو　　ہوا اپنی اصل ہی اپنے فتور کا باعث
نمودِ کثرتِ وحدت کی کثرتِ وحدت　　شہودِ شدتِ وحدت ہو نور کا باعث
حیات غافلہ کو موت سے بہت نفرت　　ہے فکر موت ہی سارے نفور کا باعث
نہ تو جدا ہی نہ میں غور جو کیا تو فنا　　تغافل اپنا ہی نزدیک و دور کا باعث

آخر اس آگ میں پھنک پھنک کے ہوے خاک کا ڈھیر　　آہ تفتیدہ نے اب کی بھی تو تدبیر عبث
دل ہوا تودۂ تیر نگۂ عالم گیر　　لیس ہے گوشۂ ابرو میں ترا تیر عبث
ہووے کیفیت بادہ سے نہ جبتک مخمور　　زاہد خشک تری ہم سے ہے تقریر عبث
کیوں خفا ہو کہو تو کیا باعث　　کچھ تو معلوم ہو بھلا باعث
کیا خطا کیا گناہ کیا تقصیر　　کون سی بات کا ہوا باعث
یا الٰہی میں سخت حیراں ہوں　　کون سا ایسا ہو گیا باعث
سر سے کھیلے نہ منہ سے بولے ہے　　پوچھتے پوچھتے تھکا باعث
فکر چکر میں اپنی فکر سے آپ　　دھیان آتا نہیں ذرا باعث
کل بہت میں نے اُسکو چھیڑا تھا　　ہاں جو ہوگا تو یہ فنا باعث
اے نہ چھیڑیں گے ہم خدا کے لئے　　دل سے رنجش کا اب مٹا باعث

آنکھیں جب سے لگی ہیں دیکھو　　آتی نہیں اب تو خواب میں نیند

دل دیدہ دماغ سب پریشاں — لو پڑ گئی کس عذاب میں نیند
دیکھی نہ فنائے عشق ہو کر — اس عالم بے حجاب میں نیند

ہے قند صبر میں وہ فنا کو مزہ حصول — طعم ہما میں جیسے ہوے استخواں لذیذ

جو چشم حق بیں سے خود کو دیکھا تو خاک مجھ کو نظر نہ آیا
تو لازم آیا یہ تجھ کو اے دل کہ تو خودی سے بھی اب حیا کر

دیدۂ و دل تو تمام ہوے پر پھول ڈہی جو مہیش چڑھیں
دل تو بہا سب آنسو ہو کر آنکھیں کھوئیں رو رو کر

جیتے جی ہم سے نہ ملا پر زندگی اس امید پر ہے
سنتے ہیں ہم وصل میسر یار کا ہو گا جی کھو کر

جب تھمے آنسو تو آنکھیں آ گئیں — آئیں بھی تو آئی ہیں پھر ٹوٹ کر

وہ قتل کو آندھی تو میں مرنے کو بگولا — وہ دست بہ قبضہ تو یہاں سر تہِ خنجر
ظالم دمِ تکبیر کا رگڑا ترا واللہ — تھا کشتۂ گم گشتہ کا رہبر تہِ خنجر
تھی سخت مہم معرکۂ عشق کی ہم پر — صد شکر ہوے آج مظفر تہِ خنجر

مانگا خدا کی راہ جو بوسہ تو بول اُٹھا — برکت ہے یاں فقیر تو بڑھ کر سوال کر
منھ سے لگا دے آج سُبو کے سُبو مرے — پیاسا ہوں ایک عمر کا سیراب کلال کر
جب پختہ مغز فکر ہو روئیت کا اپنی آپ — تب ہر طرف ملاحظہ اپنا جمال کر

سانس کا تار ٹوٹا بگڑا ساز — دیوے اب کیا سرود تن آواز
آیا گلشن میں کیا وہ تیر انداز — طائر جاں کو ہے رخ پرواز
وہ ہے مختار اور میں مجبور — بندہ میں اور وہ ہی بندہ نواز

ہمسری میری اسکی امر محال | میں غریب و ذلیل وہ مختار
اسکی رفتار ایک محشر زا | اور قیامت ادا کا ہے انداز
خوگر ایسا ہے دل لگی کا یہ | دل نہیں پیری میں بھی عشق سے باز

عشق کا ماجرا بردن قیاس | سَلَبَت عقلہٗ لِمَن قد قاس
کیا کہیں جا کے سامنے اُسکے | نہیں رہتے بجا ہمارے حواس
سر جھکاے میں تو لے وہ خنجر | اب فنا زندگی کی ٹوٹی آس

وحدت سے جو ہو توحش اے دل | کر خلوت انجمن کی خواہش
ہر غنچہ چٹک کے کھل کھلا یا | جب گل کو ہوئی دہن کی خواہش
ہے بے وطنی میں موت اسکی | ازبس ہی جسے وطن کی خواہش
چپ رہ کہ فنا ہی بات چپ میں | ہمدم نہیں اب سخن کی خواہش

کچھ تو ظاہر میں ہو ربط دوستی | ہے محبت کا نمونہ اختلاط
ہے قدم لیتا فنا تم ہو خفا | کیا بلا ہے پانوں چھونا اختلاط

تیرا عاشق بنا میں کس لائق | بندہ گندہ ترا میں کس لائق
عشق تیرا مجھے نصیب کہاں | مرتبہ یہ بڑا میں کس لائق
تو شہنشاہ بزم ماہ وشاں | اور حقیر گدا میں کس لائق
بندگی بھی تو ہو نہیں سکتی | بندہ بھی گر بنا میں کس لائق
کیا مجالِ سخن جو دم ماروں | حوصلہ کیا مرا میں کس لائق

عشق میں تیرے او بُتِ کافر — تو بقا اور فنا میں کس لائق
جسطرح سے کاسۂ نرگس کی ہی شبنم رفیق — تا دمِ مردن مرے آنسو رہے ہے ہمدم رفیق
شوخیٔ و انداز پر اپنے وہ نازاں کیوں نہو — ایک مجھ پر منحصر کیا اُسکا ہے عالم رفیق
قول ہی اپنا ہی حسرت سوا ساتھی نہیں — بعد مرنے کے فنا ہوتا ہی کیا ہی دم رفیق
تمھیں تخت شاہی کا ساماں مبارک — ہمیں بستر خاک اے جاں مبارک
الٰہی تری روز افزوں حکومت — ہمیں طاعت حکم جاناں مبارک
مبارک ہمیں کفر میں سجدۂ بُت — تمھیں شارعوا اپنا ایمان مبارک
بھلی ہمکو بیباکیٔ بے ریائی — ریا کا تمھیں زہد و ایماں مبارک
فنا عشق میں ہم ہیں تم زہد میں ہو — ہمیں وہ تمھیں یہ ہو ہر آں مبارک
پیوے شراب مذہبے اور گنہ کرے — سب کچھ کرے وے نہ کسی کا ستاے دل

ہر تختۂ حسن رویت گل آئینہ ہوا — صورت کے آئینہ پہ جلاہے جمال گل
حسن بہار اپنی خزاں آپ ہے فنا — بے حالتی میں اپنی ہی پہونچا یہ حال گل

تا حشر ہونٹھ چاٹا لیا اپنے رات دن — سُن پایا جس شہید نے شیریں کلام گل
نفرت تھی زندگی میں فنا جبکہ ہم ہوے — اے ہمنشیں ملاپ کا آیا پیام گل
اے فنا کیا کہوں کہ کیا ہی دل — خاص اک صورت خدا ہے دل
جز ہے اور کل و جز جامع — مظہر کل کبریا ہے دل
منزل دل ظہور نام خدا — ظرف انوار لا الٰہ ہے دل
دل کی بے صورتی جو صورت ہے — معنیٔ محض تو بجا ہے دل
کیا ہی صورت وہ ہی نمود وجود — وجہاں جو دکھا رہا ہے دل

معنیٔ محض کیا وہ خاص وجود — صورت معنی ایک سا ہے دل
نطق اُسکا وہ جبرئیل امیں — آپ پیغمبر خدا ہے دل
دل کی صورت میں تھا خدا جو فنا — تو خدا میں فنا ہوا ہے دل
پستی سے اپنی اوج کی جانب جو آئے دل — حق ہو کے عبدیت کو سراسر مٹائے دل
اپنے میں آپ محو رہے گرچہ رائے دل — اس فکر میں مٹے تو خدا خود کو پائے دل
اس قافیہ ردیف میں لکھا اور غزل فنا — جودت کچھ اپنی طبع کی ہمکو دکھائے دل

بیٹھے بٹھائے رنج کرے کیوں غذائے دل — اپنے سے گذرے وہ جو کسی سے لگائے دل
اُلجھا کسی کی زلف میں بیٹھے بٹھائے دل — اچھا بھلا بلا میں پھنسا آپ ہائے دل
محرم حریم عشق بتاں کا ہوا ہے شیخ — آفت بشر کو چاہیے فنا جو دکھائے دل

تم ہو عدو سے خوش مری مٹی خراب ہے — خالق کرے کسی پہ کسی کا نہ آئے دل
دل اے فنا جو اُس بُتِ کافر سے پھنس گیا — دلبستگی دل ہوئی مشکل کشائے دل
آجائے ہاتھ منزلِ تمکین کا مقام — گر ہو فنا فنا میں بقا ہو فنائے دل

ق

انداز ہے سامری کا جادو — اور ناز ترا فسوں کی صمصام
رخ کا ترے آفتاب خورشید — روشن آغاز روشن انجام
میں تجھ میں تو مجھ میں جب فنا ہو — تب ہے مرا تیرا عشق انجام

عرصہ دو جہاں کے مرحلہ کا — جانیں ہیں ایک رہگذر ہم
جھنجھلانا درازیٔ سخن سے — کرتے ہیں حدیث مختصر ہم

ترے چاہنے والوں کو اے صنم — ترا کوئے الفت ہے باغ ارم
فنا اوج دنیا کی اپنی سمجھ — نہ آنے کی شادی نہ جانے کا غم

بظاہر شبیہ بتاں کھینچتے ہیں — تصور میں تصویر جاں کھینچتے ہیں

اپنی بھی نظر کہیں نہ ڈوبے — برپا اے دیدہ کر نہ طوفاں

میں تو فرقت میں اسکی ہوں بیخود — لوگ وحشی مجھے بتاتے ہیں
میں اسی چشم مست کا ہوں فدا — آنکھیں ناحق مجھے دکھاتے ہیں

اس بہانے تو جا پڑیں گے گلے — ہم بھی پھولوں کا ہار ہوتے ہیں
تیری ہر اک ادا پہ او قاتل — صدقے ہم بار بار ہوتے ہیں
یہ مثل سچ ہے وہ ہی جھکتے ہیں — جو شجر بار دار ہوتے ہیں
جو گیا جا کے پھر نہ پلٹا وہ — ہم فنا بار بار ہوتے ہیں
کوئی اب کہتا نہیں اٹھ کوچۂ دلدار سے — کیا نقاہت کر رہی ہی دوستداری ان دنوں

سبب پوچھا جو ان سے ترک الفت کا تو وہ بولے — تجھے بندہ پرایا جانکر آزاد کرتے ہیں

تو جا ہے مجھ کو دور سمجھ ہے مرا یہ قول — میں تو کسی بھی آن میں تجھ سے جدا نہیں
بندہ سمجھتا خود کو خدا تجھ کو جانتا — پر کیا کروں کہ حسن کو تیرے بقا نہیں
معشوق کی ہمارے ذرا رمز دیکھنا — کہتا ہے ہنس کے دیکھو فنا کو فنا نہیں

واعظا قطع وعظ مغز نہ کھا — ایک ڈیرے کے دونوں چکر ہیں
کون رحمان کون شیطاں ہم — آپ گمراہ آپ رہبر ہیں
اپنے ارشاد کے ہیں خود مرشد — اپنے پیر آپ ہم سراسر ہیں

جب سے منہ پر ترے نقاب نہیں — تب سے اک لمحہ دل کو تاب نہیں
سارے عالم میں میں تو دیکھ پھرا — اُسکا لیکن کہیں جواب نہیں
مجھ سے اس سے خودی کا ہے پردا — بیخودی ہی تو پھر حجاب نہیں
پوچھتا کیا ہے اے فنا تیرے — کون سے شعر انتخاب نہیں

نہ تیری قدرت کی انتہا ہے جو کچھ کرے تو وہی بجا ہے
عجب نہیں تو کرے جو پیدا ملک زمیں پر فلک پہ انساں
فنا کسی کا جو دل ہو دانا اور اُس پہ رکھتا ہو چشم بینا
تو دیکھنا اُسکو اسکا ہے کیا ملک زمیں پر فلک پہ انساں

پہچان لیں گے ہم تو تمھیں چال ڈھال سے — ناحق ہی تم نے شکل چھپائی نقاب میں
رُوے سپید کو وہ کریں گے سیاہ پھر — لو آج شیخ بیٹھے ہیں قصد خضاب میں
جاں کھو کے ہم نے خلق میں رسوا کیا تمھیں — ہم سے خطا ہوئی یہ تمھاری جناب میں
پارہ کریں سب اپنے گنہ کے تمسکات — ہو ویگا حشر ختم مرے ہی حساب میں
شامل ہی سب میں اور وہ سب سے جدا فنا — نے خاک میں نہ باد نہ آتش نہ آب میں

خاکساران جہاں سب کو بھلا جانتے ہیں — آپ اپنے کو مگر سب سے بُرا جانتے ہیں
ساغر وصل کو وصل جو بقا جانتے ہیں — زہر نوشان الم لطف بقا جانتے ہیں
کیوں نہ دھو دھو کے پیوں تلوے ترے ساقی میں — خاک پا کو تری سب خاک شفا جانتے ہیں

چاہے وہ ہم کو قید کریں یا رہا کریں / ہم بس چلے تو کوچے میں اُنکے رہا کریں

جی چاہتا ہے جان کو اُنپر فدا کریں / پہلو سے پر نہ یار کو اک دم جدا کریں

اب چاہے آپ مہر کریں یا جفا کریں / ہم دل تو دے چکے جو نہ دیں تمکو کیا کریں

اوج اپنا زوال اپنا ہوں / اپنا نقصاں کمال اپنا ہوں

اپنا ہجر اپنی زندگی بسمل / موت اپنی وصال اپنا ہوں

اپنا میخانہ آپ ہوں ساقی / مست جام جمال اپنا ہوں

خود بقائے وجود اپنی فنا / آپ ظرف مثال اپنا ہوں

عدم نہونے کا ہونا وجود کا ہے نام / نہیں جز اسکے کوئی دونوں کی صفت کا بیان

جو ہونے کا ہی نہونا سو وہ عدم ہے دلا / نہونے کا جو نہونا ہی سو وجود تو مان

کہ جیسے ذات میں آدم کی عالم قوت / درون قوت عالم تھے جملہ فرزندان

کچھ کہہ تو چارہ گر کہ میں تدبیر کیا کروں / ہوتی ہے جان جوہر شمشیر کیا کروں

اپنے جنوں کے سلسلے کا خود ہوا اسیر / اُلجھاوُ اپنا آپ ہی زنجیر کیا کروں

خواہش ہماری آپ ہی اپنے گلے پڑی / اپنے کئے کی آپ سے تقریر کیا کروں

آرام لینے ہی نہیں دیتی کسی گھڑی / چکر میں اپنی گردش تقدیر کیا کروں

کرتی ہی بند جودت نطق اُسکی بات بات / جادو بیاں سے کہئے تو تقریر کیا کروں

کیوں آنکھ رہ نہ جائے کُھلی آن آن ہے / پیش نظر فنا وہی تصویر کیا کروں

نہ فنا میں ہے کچھ فنا مجھ کو / نہ بقا میں ہے کچھ بقا مجھ کو

تہمت محض ہے فنا مجھ کو / جب تک اللہ ہے بقا مجھ کو

ہو فنا مجھ کو جب خدا ہو فنا / ورنہ امکان کیا فنا مجھ کو

ساری انجیل بھولا سب قرآں / الف اک یاد رہ گیا مجھ کو

تھا خدا جب نہ جانتا تھا کچھ / بندہ دانست نے کیا مجھ کو

فکر میں لا کر میں اُس کی یاد کو — شاد کرتا ہوں دلِ ناشاد کو

کیوں نہ ہوں صورت پرست اہلِ دل کہ — پیار کرتا ہے خود آدم زاد کو

بُت خدا کیونکر نہ ہوں حق نے کیا — اپنی صورت خلق آدم زاد کو

کھینچے کیا تصویر رشکِ آفتاب — تاب نظارہ نہیں بہزاد کو

ہاں محتسب اگر خم و مینا شکست ہو — ساتھ ہی تمھارے سر کا بھی کاسا شکست ہو

جلوہ جو حسن دخترِ رز کا تو دیکھ لے — قاضی وضوئے عصمت تقویٰ شکست ہو

مستوں کی محفلوں میں کسی دن جو آ پھنسے — زاہد کے عہدِ صوم کا پایا شکست ہو

صورت نما ہو عشق ترا پھر کہاں اگر — آئینۂ جمال سراپا شکست ہو

کیا غم جو ٹوٹ جائیں جگر، جاں، کلیجہ، دل — پر تیری چاہ کی نہ تمنا شکست ہو

بیشک خدا بنے جو فنا توڑے عبدیت — خود بینیوں کا اپنی جو پایا شکست ہو

سر کاٹتے ہی عشق کی بو اور بڑھ گئی — اس شمع بزم کو نہیں گلگیر سے گلہ

روزِ ازل سے دور و تسلسل میں پھنس گئے — کچھ طوق سے گلہ ہے نہ زنجیر سے گلہ

زندگی سے جی ہوا بیزار آہ — پھر گئی ہم سے نگاہ یار آہ

کونسی بچنے کی صورت چارہ گر — روز افزوں ہے مرا آزار آہ

آج بزمِ ہوشاں میں ٹھن گئی — عقل میں اور عشق میں پیکار آہ

رنگ ہستی کا تلوّن سے ہے فنا — ابتک اور غفلت نہیں ہشیار آہ

زندگی میں یار سے ملنے کا دعویٰ ہو فنا — فکر کی جب جا رسائی ہوتے ہوتے رہ گئی

یہاں تک میں رویا کہ یہ چشمِ تر — گہر بار تھی اب گہر ہو گئی

میں چھوٹا بکھیڑے سے تم کو اگر — مری جان تم منتظر ہو گئی

ہماری وعدۂ دیدار پہ شفا ٹھہری — بھلا ہوا نہ مرے درد کی دوا ٹھہری

میکشو تم کو ہو شراب نصیب — ہم کو یوں ہی خمار رہتا ہے

بعد مرنے کے ایک افسانہ — بس فنا یادگار رہتا ہے

کہنا کسی کا یاس سے وقت فنا فنا — دنیا سے لے گئی مجھے آخر لگی ہوئی

ہے غضب چُپ جو رہوں کہتا ہے کچھ بات کہو — مدعا دل کا سُناؤں تو وہ سُنتا کم ہے

دامن کے گریباں کے ہوے تار خبر لے — ہے حال مرا زار دل آزار خبر لے

کہدے کوئی اُن سے کہ تغافل سے تمھارے — بیمار کے اچھے نہیں آثار خبر لے

ہوش و حواس و صبر تو پہلے ہی جا چکے — باقی رہا ہے ایک دلِ زار لیجیے

غم سے دل ایسا مشبک ہوگیا — اصل کیا ہے خانۂ زنبور کی

خوں نہ کیوں روئے ہماری چشم تر — زخم کو خواہش ہوئی ناسور کی

ہر آن پہ اُس کی جی فدا ہے — بیداد ہے اُس میں جو ادا ہے

زاہد یہ طرفہ ماجرا ہے — جو بُت ہے مرا ترا خدا ہے

بُت میں دیکھی خدا کی صورت — دل عشق پرست ہو گیا ہے

کیا بچیے بساط بازیٔ عشق — پانسہ ہی ہماری ہار کا ہے

عشق بت بے وفا میں آخر — اللہ اللہ فنا فنا ہے

کیا پوچھتے ہو ہم سے یہ پوشیدہ راز ہے — ہے جس پہ سب کو ناز وہی بے نیاز ہے

میں تو یہی کہوں گا کہ دانست میں مری — روز حساب سے شبِ فرقت دراز ہے

نہ ہوتی شکل دین گر شامل تصویر پہلے سے ‌ ‌ تو ہوتا کفر ہی کفر اے بت بے پیر پہلے سے

لاکھ مجھ پہ کرے جفا وہ کب ‌ ‌ میرے مُنھ سے بُرا نکلتا ہے

چشم حق بیں سے گر کوئی دیکھے ‌ ‌ تو خودی سے خدا نکلتا ہے

کون عیسے فنا ہوئے ہم اب ‌ ‌ کام اب بے دوا نکلتا ہے

شوق و فور تپش عشق سے سینہ تو ہوا ‌ ‌ آہ مت کھینچ بس اب اے دلِ نالاں ٹھنڈی

مر گئے قیس و وامق و فرہاد ‌ ‌ پر ہم عاشقی کی سر نہ ہوئی

جبتک آیا نہ وہ بوقت نزع ‌ ‌ روح بھی مائل سفر نہ ہوئی

سمجھ سے ہے دور نہیں دور گھر دلا اس کا ‌ ‌ بہت قریب ہے رستا چلے چلو تو سہی

ہر ایک مرحلۂ منزل مقام عشق ‌ ‌ قدم قدم ہے وہ جلوا چلے چلو تو سہی

بساط گلشن ایجاد ہر گل رعنا ‌ ‌ پتہ بتاتا ہے اس کا چلے چلو تو سہی

نہ تھک کے بیٹھو ہمت کو ہار کے اے دل ‌ ‌ کبھی تو پہونچیں گے اُس جا چلے چلو تو سہی

کیا زبور اور کیا فرقاں کیسے توراۃ اور انجیل
ہر دم ذکر جو اُس کا کرتا یونہی رہے تو بہتر ہے

دوست ہے تیرے دل میں پنہاں ڈھونڈھتا ہے تو کس کو ناداں
ہرگز راز یہ ہووے نہ افشا یونہی رہے تو بہتر ہے

ناصح میں کیا کروں مرا کیا اختیار ہے ‌ ‌ کچھ آپ ہی آپ اُس پہ مرا جی نثار ہے

جب سے رُخ وجود عدم کی طرف پھرا ‌ ‌ اپنی فنا کی آپ بقا سوگوار ہے

شہد آگیں زہر زا گفتار ہے ‌ ‌ کیا لب شیریں کی میٹھی مار ہے

فنا خصلت ہے شامت ایک گویا نیک دنیا کی ‌ ‌ مبارک ہے وہ شے جو ہر کسی کے کار میں آئے

جو چھپکے کر کے پردا بیٹھتا ہو دل کے پردے میں ‌ ‌ بھلا تصویر کیونکر اُس کی چشم زار میں آئے

دیکھا ہے جب سے جلوۂ جاناں سکوت ہے — تصویر وار چپکے ہیں ششدر ہیں دیکھتے
دیتی نہیں دکھائی جو تصویر آنکھ سے — اُس کو ہم اپنے قلب کے اندر ہیں دیکھتے
جی چاہتا ہے خاک میں خود کو ملائیں ہم — اپنی طرف سے اُنکو مکدر ہیں دیکھتے
جز اپنے نہیں کسی سے پرخاش — عاشق کی ذات صلح کل ہے
ہوں خاکسار خواہش دنیا نہیں مجھے — پروائے جاہ و منصبِ اعلیٰ نہیں مجھے
آزاد مست اپنی ہوں عریاں تنی میں خود — کچھ خواہش مشجر و دیبا نہیں مجھے
مجھ کو انانیت کے تبختر سے کام کیا — بندہ ہوں کچھ خدائی کا دعوا نہیں مجھے
قاتل کی آنکھ سیدھی رہے جس کا ہوں قتیل — عالم اگر عدو ہو تو پروا نہیں مجھے

پروا دمِ عیسےٰ کی ترے کشتوں کو کیوں ہو — ٹھوکر تری کیا مُردے جِلا یا نہیں کرتی

قائل ہوں میں جو بات کہیں آپ راہ کی — تقصیر کچھ نکالیے اس بے گناہ کی
عالم غریق موجۂ دریائے حسن ہے — طلعت ہوئی محیط جو اس رشک ماہ کی
رشک مسیح چھٹ گئیں نبضیں فنا کی آہ — اس درجہ دردِ ہجر نے حالت تباہ کی
بے اختیار بزم غزل خوانی میں فنا — جس نے غزل سُنی یہ تری واہ واہ کی

فنا بقا کے لئے ہے بقا فنا کے لئے — ہیولا پیکر خاکی کا ہے قضا کے لئے
ہما ہمی یہ ہماری بہائے باطل ہے — بقا فنا کی دکھاوٹ کی ہے ادا کے لئے
جو دین چھوڑا تو کافر ہوا فنا بیشک — بجا ہے دوزخ ہفتم مری سزا کے لئے
آندھیاں چلتی ہیں اندھا دھند ہے — دل پریشاں طبع نازک کند ہے
اے فنا ہے بند دکان خیال — فکر کی بستی میں اس کا ڈُند ہے

ہے مستتر مقدر خواہش میں جو یہ بات — ذات نمود ذات کی جلوت صفت ہوئی
چمکائی اپنے جود کی شوکت جہان میں — دُرِّ جمال یار کی رحمت صفت ہوئی
صورت پرست ہم جو فنا میں بقا کے ہیں — دل عاشقی کی ذات تو چاہت صفت ہوئی

طبع قاضی جو کہیں دخترِ رز سے اٹکی — رات خوش پھرتی تھی میخانہ میں بھٹکی بھٹکی
جان کی خیر فنا اب نہیں اللہ حافظ — ڈسنے دل عاشقوں کا زلف کی ناگن اٹکی
زندگانی کا سارا میلا ہے — مر گئے پر فقط اکیلا ہے
گرم بازاری فنا اپنی — گانٹھ میں پیسہ ہے نہ دھیلا ہے
علم کی اپنے آپ استعداد — کہیں مرشد کہیں یہ چیلا ہے
ڈوبی جاتی ہے ناؤ ہستی کی — موج گریہ کا زور ریلا ہے
ہے جنوں اور ہجوم لڑکوں کا — میرا سر ہے تو اُن کا ڈھیلا ہے
دوستی دشمنی و راحت و رنج — جیتے جی کا یہ سب جھمیلا ہے
نازکل کا شہید ہے جو فنا — قبر پہ گلرخوں کا میلا ہے
خواب سے وہ بتِ بے پیر جو منھ کھول اٹھا — شمع خاموش ہوئی مُرغ سحر بول اُٹھا

مرے کون سامنے آگیا مجھے چہرہ کس نے دکھا دیا
مرے دل کو کس نے لُبھا لیا مرا ہوش کس نے اُڑا دیا
کبھی ہجر کا ہمیں غم دیا کبھی وصل سے کیا خوش ہمیں
کبھی جھٹکی دے کے رُلا دیا کبھی گدگدا کے ہنسا دیا
جو تو ہم سے پوچھے کہ کیا دیا تو کہیں کہ دیدیا دل تجھے
کبھی ہم جو پوچھیں کہ کیا دیا تو بتا تو کہدے گا کیا دیا

مجھے مستی ہی پسند تھی نہ تھی فکر کچھ بھی جہان کی
تو نے زندگی دے کے اے خدا مجھے آفتوں میں پھنسا دیا

جگر میں درد ہوا دل میں اضطراب ہوا
کسی کا عشق ہوا کیا کہ اک عذاب ہوا

یہ کون رشک دہ شمس بے نقاب ہوا
کہ جس کے صدقے میں ہر ذرہ آفتاب ہوا

سمجھ کے کیا مجھے بھیجا خدا نے دنیا میں
میں اس خراب جگہ میں بہت خراب ہوا

وہ میرے دل ہی میں آخر کو مل گیا مجھ کو
میں اک جہان میں جس کے لئے خراب ہوا

روز لیتا ہوں بلائیں اُس رُخ روشن کی میں
روز ہوتا ہوں میں اس ڈھب سے نثار آفتاب

ماہرو سے اپنے اُس کو تم نے شرمندہ کیا
اب نہ نکلے گا فنا تم سے غبار آفتاب

محیط بادۂ عرفاں کے چکر میں جب پہونچے
دُر مقصود ہاتھ آیا اہا ہا ہا اوہو ہو ہو

غبار آئینہ دل کا جو دُھویا دیدۂ تر نے
پری چہرہ نظر آیا اہا ہا ہا اوہو ہو ہو

کبھی خود سے ہوے بیخود کبھی ہوش آگیا خود کو
خود ہی خود مدعا پایا اہا ہا ہا اوہو ہو ہو

لہو میں ہمارے جو تر ہو گئی
تری تیغ لخت جگر ہو گئی

نصیحت کا کیا فائدہ ناصحا
ہماری تو یونہی بسر ہو گئی

وہاں نام بھولے سے میرا لیا
یہاں ہچکی آئی خبر ہو گئی

بقیۂ انتخاب کلام فنا

ہمنشیں تکلیف عیسےٰ کو عبث
اب علاج درد بے درماں ہوا

آنکھیں پر اشک ہیں لب خشک پراگندہ حواس
عشقبازی کا مزا خوب دلا دیکھ لیا

دل گیا ہاتھ سے تو یچ ہے بقول جارج، پانوں پڑنے کے سوا کچھ نہ بنا دیکھ لیا

نہ چین وصل میں جی کو نہ طاقت ہجراں بتاؤ کیونکہ نکالوں میں حوصلا دل کا

مان لے میرا کہا ہرگز حسینوں سے نہ مل پھر تو پچھتائے گا کرکے آشنائی دیکھنا

قسمت ہماری چونک کے پھر سو گئی دریغ بوسہ کو میں جھکا کہ وہ ہشیار ہو گیا
اللہ رے اثر مجھے بیمار دیکھ کر عیسے کو عشق یار کا آزار ہو گیا
یاد جب آئے لب میگون گل خون دل آنکھوں سے رواں ہو گیا
بل بے تری تیزی مے ساقیا پیر دو صد سالہ جواں ہو گیا
چونکتے ہی خواب سے وہ شوخ چشم فتنۂ وآشوب جہاں ہو گیا
دارِ فنا سے جو فنا ہو گیا دار بقا اس کا مکاں ہو گیا

لو، طواف کعبۂ دل کر فنا سالکان عشق میں کامل ہوا
کیوں سر چڑھے فنا پہ بوسہ جو گر پڑے جرأت تمھاری خود ہوئی باعث وبال کا

قیس کے مانند لاکھوں ہو گئے مجنون عشق شور سن سن کر ہمارے نالۂ زنجیر کا
جب سے مقام جلوۂ جانانہ ہو گیا کعبہ ہمارے دل کا صنم خانہ ہو گیا
چھلکا دے اب تو موج نسیم وصال یار لبریز اپنی عمر کا پیمانہ ہو گیا

اٹھاتے اٹھاتے جدائی کا غم سراپا میں مبتلا الم کا ہوا

کیا پیدا تھا اگر ہم کو بتوں کے ظلم سہنے کو　　بنانا تھا ہمارا بھی دلِ دلگیر پتھر کا
مری آہ و فغاں دل میں کرے کیونکر اثر تیرے　　نہیں کرتا ضرر کچھ نالۂ شبگیر پتھر کا

خمیر جوہر ذاتی سے ہے قوام شراب　　بلند عرش سے ہے پایۂ مقام شراب
شفق کھلی رُخ خورشید رو پہ مشرق حسن　　یہ عکس لنگنیٔ رنگ لالہ فام شراب

غیروں کے لئے آپ خفا ہو گئے صاحب　　چاہت کے حقوق آج ادا ہو گئے صاحب
جو آ گئے تھے مسلخ الفت میں تمھارے　　سو وہ علف تیغ جفا ہو گئے صاحب
دامانِ قبا آپ کے اُڑ کر دم تذبیح　　آلودۂ خونِ شہدا ہو گئے صاحب

تیور بدل کے بُورے جو میں نے بلائیں لیں　　پھر چوچلے کی لینے لگے ہیں جناب آپ
گزرے جو دہم وصل کرو عاشقی کو نہ　　ہرگز نہ ہو جیے گا یہاں کامیاب آپ
ہم ہو گئے فنا اسی امید و بیم میں　　دیتے رہے ملاپ کا صافی جواب آپ
ہے فنا کیا تغیرات وجود　　ایک صورت سے دوسری صورت
حال سے حال میں تغیر شان　　شکل مرنے کی موت کی مورت
بُرشِ جنبش ابرو کے ہیں قاتل یہ شہید　　قتل عشاق کو ہے خنجر و شمشیر عبث
ساتھ ہی یہ دل مجروح کھنچا آتا ہے　　سینے سے چارہ گرو کھینچتے ہو تیر عبث
اب فنا میں رمقِ دم ہے خدا پر چھوڑو　　اے مسیحا نفسو کرتے ہو تدبیر عبث
وعدہ ملنے کا کل ہے بس آج　　آئے گی نہ اضطراب میں نیند
عشاق جانتے ہیں بہ از لذت حیات　　یہ ترش روئیاں تری اے دلستاں لذیذ

ادھر تو دیکھو - ہمیں نہ چھیڑو - ذرا تو ٹھہرو - یہ سب سُنا کر
ہمارے پہلو سے اُٹھ گیا وہ یہ تازہ فقرے سُنا سُنا کر
جو مجھ کو دیکھا لگا یہ کہنے کہ شاہ جی تم کدھر سے آئے
سوال بوسہ کیا جو میں نے تو ہنس کے بولا خدا خدا کر

دوستو دیکھو کفِ قاتل پہ ایسا جما تھا ہمارا خوں
چھوٹ نہ سکا ہاتھوں سے اُسکے زُور زُور دیا دہ دُھو دُھو کر

آبلوں سے دل کے گل لالہ کھلا — آج جو فرقت میں رویا پھوٹ کر
پھر کے ناسور جگر رسنے لگے — چارہ گر پھاہا گرا پھر چھوٹ کر
کیا کہوں میں اے فنا اس ترک کے — آنکھ میں شوخی بھری ہے کوٹ کر

آئینہ دم ذبح تھا جو ہر تہ خنجر — پھرتا ہے گلے پہ مرے خنجر تہ خنجر
اُس دم بھی ہوگی تم کو نہ باور ہماری چاہ — رکھدیں جو آگے اپنا کلیجا نکال کر
میری جانب سے اُس کو بہکایا — ہے رقیب سیاہ رو نسناس

عاشق کو ہے گلبدن کی خواہش — نے سیر گل و چمن کی خواہش

مانا غیروں سے ہے دونا اختلاط — ہم سے رکھیں آپ گونا اختلاط
انتہا میں ہم بھی دیکھو مثل مجنوں ہوگئے — ابتدائے عشق میں تھا پاس اپنے غم رفیق
حسرت و اندوہ و یاس و کاہش غم ذوق و شوق — ساتھ دینے کو نہیں ہیں یہ ہمارے کم رفیق

کرتے ہیں ہر روش پہ چمن اہتمامِ گل
گلشن میں لائی بادِ بہاری پیامِ گل

مرغانِ بوستاں کو مبارک ہو تازہ بند
پھر باغباں چمن میں بچھائے ہیں دامِ گل

ہر حلقۂ کاکلِ گل اندام
مرغانِ چمن کی جان کا دام

رخ کا ترے آفتاب خورشید
روشن آغاز روشن انجام

پھر جینے سے جی ہوا ہے برہم
مرتے ہیں ایک طفل پہ ہم

لیتا جو بلائیں ہوں میں اُس کی
ہوتا تیوری بدل ہے برہم

وہ قتل پہ تولتا ہے خنجر
ہیں زیرِ قدم جھکائے سر ہم

جی میں آتا ہے کہ اتنا تو کہوں
اگلی باتیں کچھ بھی تم کو یاد ہیں

آہ و نالہ مت سُنا بلبل مجھے
زیرِ لب یہاں سیکڑوں فریاد ہیں

میرے قاتل کی ادا کو دیکھکر
سرنگوں یہاں مانی و بہزاد ہیں

بجائے اشک میری آنکھ سے خونِ جگر ٹپکا
تعجب یہ ہوا یاقوت ہیرے کے معدن میں

یادِ مژگاں میں تیری او قاتل
تیر سینے کے پار ہوتے ہیں

یہ مثل سچ ہے وہی جھکتے ہیں
جو شجر باردار ہوتے ہیں

نہ ہوئے کچھ مگر دل کو ہمارے تو تسلی ہو
کوئی یہ جھوٹ ہی کہدے کہ تمکو یاد کرتے ہیں

اس سوچ میں تو ہوش ہمارے بجا نہیں
خانہ خراب عشق کی کچھ انتہا نہیں

ہم مسلماں ہیں نہ کافر ہیں
بندۂ بندگانِ دلبر ہیں

گہ سوچ وصل کی گہے ہجراں کی فکر ہے
کیا کیا خیال ہیں دلِ خانہ خراب میں

علم میں اپنے فوق ہے تا تحت
وہم اپنا خیال اپنا ہوں

فنا جو کچھ کہ ہے قوت میں فعل میں بھی ہے — بس اتنا فہم کو کافی عقیل کی ہے نشاں

ہے حلق تشنہ خنجر بُراں کی آب کا — بُرش ہے پیاسی خون کی تدبیر کیا کروں

گھونٹا گلا جو شورشِ فریاد نے مرا — نالہ ہوا ہے طوق گلوگیر کیا کروں

ہو گئی آخر کو پیغامِ اجل — مرگ شیریں کی خبر فرہاد کو

کیا کہوں میں بات میری ہم نفس — پوچھتا ہی اب نہیں دلدار آہ

دیدہ ناسور ہو ٹپک نکلا — پھوٹے جس دن سے آبلے دل کے

کل سے دل بیکل ہے اب کل دیکھئے ہوتا ہے کیا — آج تو اس سے صفائی ہوتے ہوتے رہ گئی

مرا حال دیکھا تو ہنس کر کہا — تمہیں کیا کسی کی منظر ہو گئی

تمہارے عشق میں خون جگر پیا ہم نے — غم اور غصہ ہماری یہی غذا ٹھہری

یہ کیا سبب ہے کہ اب تک پھرا نہیں قاصد — کوئی بتلائے تو مجھ کو کہ اس سے کیا ٹھہری

غرور تجھ کو نہیں چاہیے فنا جب کہ — سرشت میں تری تسلیم اور رضا ٹھہری

پاس غیروں کے یار رہتا ہے — دل بہت بیقرار رہتا ہے

ارے جلاد قتل میں کیا سوچ — کس کی گردن پہ بار رہتا ہے

پھر کچھ بھی نہ پچھتائے سے ہاتھ آئیگا تیرے — لیتا ہے تو بیمار کی اب یار خبر لے

قول سے قاتل دوبارہ پھر گیا — جان دینی ہم نے جب منظور کی

پاس گر اس کو نہیں اپنا فنا — ہم نے بھی دل سے محبت دور کی

جس گلی میں وہ حبا نکلتا ہے — دل سے واحسرتا نکلتا ہے

چاندنی فرقتِ جاناں ہیں جلاتی ہی مجھے گرچہ تاثیر ہے تیری مہ تاباں ٹھنڈی
موسمِ گل میں پڑی اُوس خزاں کی جو فنا تو بھڑک کر ہوئی بس بلبل نالاں ٹھنڈی

ہوں خاک جل کے ساتوں جہنم جو تیز ہو وہ آہ سوختہ کا ہماری شرار ہے

متفرقات

خمسہ بر غزل غالب

رنج وافکار جو قابل نہ تھے سہنے کے سہے خوں کے دریا ہے آنکھوں سے جو دیکھے نہ سُنے
چاہے اس بات پہ ہو جائیں خفا وہ ہم سے آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں

بیان کربلا

بوقت رخصت اُتارا جوڑا شہانہ سر پر بڑھایا سہرا سلاح سجکر دلہن سے بولا کہ مہر بخشو خدا کو سونپا
لڑا جو رن میں ہوا جو زخمی گرا زمیں پر حرم نے دیکھا کفن میں لپٹا ہوا ہی قاسمؑ لال جوڑا نہ زرد کنگنا
سفید تحت الحنک بندھی ہی سیاہ شملہ لٹک رہا ہی

خمسہ بر غزل عنایت

ہم تو قیدی ہی رہے اُس زلف کی زنجیر کے اور نہیں قائل ہیں اپنی آہ کی تاثیر کے
کیا کریں تقدیر پہ قابل ہی دل تعذیر کے ہو گئے ہر طرح سے مغلوب جب تدبیر کے
آخرش ہم نے دیا دل پھینک پہلو چیر کے

خمسہ بر غزل شاںؔ

یہاں بیکار ابر باراں ہے کچھ نہیں ہم کو خوف طوفاں ہے
چاک داماں تلک گریباں ہے ایک پرسے میں چشم گریاں ہے

دُود دل ہی سحاب ہے دل کا

خمسہ بر غزل خود

اب تو ناراض بے سبب ہے وہ ‏ رہتا ہم پر تو بس غضب ہے وہ
مانتا بات میری کب ہے وہ ‏ غیر سے فیصلہ طلب ہے وہ
ہم سے کوئی معاملہ نہ ہوا

فصل گل آئی کر مجھے آزاد ‏ سن لے بہر خدا مری فریاد
اب زیادہ نہ مجھ پہ کر بیداد ‏ مر ہی جاؤں گا سن لے او صیاد
اب کے گر فصل میں رہا نہ ہوا

بیخودی وصل یار میں گو رہی ‏ بات کرتا رہا ٹھکانے کی
یہ تھی اک بات ہوشیاری کی ‏ غیبت یار میں شراب نہ پی
اس نہ پینے سے پارسا نہ ہوا

خمسہ بر غزل ظفر

آکے بالیں پہ مرا حال جو اُس نے دیکھا ‏ تو لگا کہنے کہ کیوں اسکو نہیں ہوتی شفا
سن سوال اُسکا یہی میں نے جواب اُسکو دیا ‏ کس طرح ہو ترا بیمار محبت اچھا
نہ طبیب اچھا ہو کوئی نہ دوا اچھی ہے

خمسہ بر غزل میر تقی

مت کر و اب ستم سوا ہم پر ‏ ظلم ہرگز نہیں روا ہم پر
ترس لازم ہے اک ذرا ہم پر ‏ اے بتو اسقدر جفا ہم پر
عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم

یک بیک اپنی وہ اٹھا کر چشم ‏ مجھ سے کہنے لگا دکھا کر چشم
کیوں یہ کہتا ہے تو ملا کر چشم ‏ سرمہ آلودہ مت رکھا کر چشم

دیکھ اس وضع سے خفا ہیں ہم

پہلے ایسا تھا کب تنِ مجروح | ہو گیا جیسا اب تنِ مجروح
اب ہی مرہم طلب تنِ مجروح | ہے نمک سود سب تنِ مجروح

تیرے کشتوں میں میرزا ہیں ہم

خمسہ بر چند اشعار کریما

سراپا خطا دار ہوں کبریا | گناہوں کی میرے نہیں انتہا
ولیکن دعا ہے یہ صبح و مسا | کریما بہ بخشائے بر حالِ ما

کہ ہستم اسیر کمندِ ہوا

بھری ہی مرے دل میں حرص و ہوس | اسی امر میں ہی مجھے پیش و پس
نہیں ہی کوئی جز ترے داد رس | نداریم غیر از تو فریاد رس

توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

سوا تیرے کس سے کروں التجا | تری ذات سے ہے مجھے آسرا
دعا سن مری اے مرے رہنما | نگہ دار ما را از راہِ خطا

خطا در گذار و صوابم نما

خمسہ بر غزل غالب

حیرتی نہ کیونکر ہو اس میں ہے دل آزاری | سوچ دل ہی ظاہر کی بیخودی خبرداری
دیکھ مثل آئینہ صاف ہے یہ عیاری | سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری

حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

تضمین شعر نسیم دہلوی

یہی نصیحت کرے گا تجھ کو فنا کے جب تک کہ دم میں دم ہو
ارے یہ غفلت نہیں ہے اچھی یہ بات حق میں تو تیرے سم ہو

یہی ہے اندوہ اور حسرت یہی ہے غم اور یہی الم ہے

بہت ہی سوئے اک دن بھی گذرا نہ سوچ آیا یہ کیا ستم ہے

نسیم جاگو کمر کو باندھو اُٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

رباعیات و قطعات

رکھ حفظِ مراتبِ شریعت ہر حال
ہیں ظاہری حکم خود کے اے نیک مآل

ہی خود ہی میں جو ظاہر و باطن خود کا
ظاہر باطن کا فرض ہی رکھنا خیال

موجود ہے جو وجود عالم میں فنا
کامل کئے سب تن مجسم میں فنا

خود کو دیکھے ہے جامع خلق خدا
اللہ ہے آپ ابن آدم میں فنا

روح میں مجمل قلم میں جو کہ مجمل ہے تمام
جو مفصل لوح میں وہ قلب میں تفصیل تام

عرش میں جو جمع ہی وہ جسم میں سب جمع ہی
فرق جو کرسی میں ہی وہ نفس میں ہی لاکلام

پہیلیاں

ظاہری رنگ اُس کا کالا ہے
بطن میں اُسکے خوں نرالا ہے

کھائے جو اس کو کر سکے نہ وہ چوں
ایک لیلا کے ہیں بہت مجنوں

(افیون)

پڑسنی من ہار بیٹھی
وہ کھول بیٹھو یہ پسار بیٹھی

(چوڑی اور ہاتھ)

گورا گورا دیکھو لوگو چوں نہ کرو اور کھاؤ
آگ لگے پانی سے اسمیں یا کی بوجھ بتاؤ

(چونا)

خواہش اسکی سب کو ہو گو محفل میں وہ آتا ہے پیٹ پھلائے جاتا ہی اور سب کا اگلا کھاتا ہے

(اگالدان)

ایک نار منھ کالے راکھے بن بولے سب کہتی ہے پانوں نہیں ہیں پر ہاتھوں میں سب کے چلتی رہتی ہے

(قلم)

اے ری سکھی جب برکھا آوے رین دنا وہ جان گنواوے

پیہ کی دُھن میں پیہ پیہ گاوے روئے آنسو پی پی جاوے

(پپیہا)

مختصر انتخاب کلامِ فارسی

خطر باطنی بہ حجرۂ دل حقت اندر خطر بود نبود

نفس امارہ را ہوا خواہی طلبت یافت ار بود نبود

اے بخود گم تغافل از خویشت ہوشت از خود اگر بود نبود

شوق جمال یار شکستیم از حرم دلبستگی بہ بتکدہ یکساں زدیم ما

برداشتیم کام رہ ہفت خوان عشق ہمپائگی بہ رستم دستاں زدیم ما

بلبل فنا فناے گل ما فناے خویش اندر فناے خویش بہ بستاں زدیم ما

انس با خود میکشد نفرت بخود زیں کشاکش عالمے اندر فناں

اے فنا اندر دو عالم جز تو نیست نیک بنگر تا نہاں گردد عیاں

اوست اینجا فنا فنا وانجا گوشِ موسٰے صدائے لن آمد

تمام عصمت قاضی بہ بزم گل امشب — زلال مستی یک جرعۂ شراب شکست
فنا بموج فنا غرق شد محیط آمد — محیط گشت ہمانا اگر حباب شکست

اے مبارک بتو صد اوج سلیمانی دہر — وے ہمہ خلق الٰہی رخ خلقت مفتوں
ناز نازد بجہاں خود بادائے نازت — بہ نیازم ہمہ تن نازادائے مضموں
من و صد بندگی و عجز و نیاز و تسلیم — تو و صد ناز دریں دائرہ کاف و نون
یار جوئی ز ما و من گذری — عشق جوئی ز جان و تن گذری

در قفس شورش گلو گیر او فتاد — بند بندم بندش فریاد شد
شد فنا اندر فنائے خود فنا — خویشتن از خویشتن آزاد شد

فرش آزادگی خاکستر — بہتر از صد حکومت قیصر
بخشدم ار چہ ساقی کوثر — جرعہ نوش لبان جاں پرور
نخل خشک حیات شبنم لطف — زندم زاں تراوشش دیگر
دل شد غریق موج محیط ہوائے خویش — کشتی شکستہ گم زدہ ناخدائے خویش
مرگم زدند چوں بہ نمود بقائے خویش — دریافتم بقائے خود اندر فنائے خویش
روحم تمام جوہر القائے دائمی — مرگم نصیب نقش صورت نمائے خویش
خود را شکستہ بستہ بخود صورت بتاں — بت بر شکستہ باز پذیرفتہ جائے خویش
جانم فنا کشاکش بست و شکست آں — نطقم گشد بخویش و خموشی بجائے خویش

واعظ ہلاکتت رخ فہم فنائے خویش — فکر مرا بقاست نمود بقائے خویش

در جملۂ وجود دیۂ فکر اعتبار — وجہ بقاے خویش دلیل فناے خویش

ز چشم پوشی خود یافتم نشانِ بہی — کہ در صفاے رخش عکس لامکاں افتاد

در حیرتم کہ صورت جاں پردر تو است — یا خود پری بصورت انساں برآمدہ
در آرزوے ناوک دلدوز ناز تو — از آشیان قالب ما جاں برآمدہ
بیشک ز جوش نشۂ چشمان ساقی است — ہر نعرۂ کہ از دل مستاں برآمدہ
فانی بیاد وصل پری چہرگان ہند — ترک وطن نمودہ ز توراں برآمدہ

تا سر انگشت وصالت نہ کشاید در دل — حل ایں عقدہ محال ست ز تدبیر کسے
کوے من چوں نشود قبلۂ عشاق کہ دل — رشک بت خانہ شد از جلوۂ تصویر کسے
تا بپایت سر تسلیم نہادہ فانی — نکند ترک رضاے تو بہ تقریر کسے

دل ناشاد من از بزم دنیا کلفتے دارد — بجز کنج عدم ہر جا کہ دیدم آفتے دارد

سوداگران جنس حقیقت بکوے عشق — از نقد جاں بضاعت را اصلاں نمی کنند
چوں عاشقان بے سر و پا در دیار عشق — اہل نظر نظر بہ سراپا نمی کنند
اہل شہود در حرم کبریائی جمع — فرقے ز کعبہ تا بہ کلیسا نمی کنند

ہر نغمۂ کہ عشق بہ قانون حسن داشت — در بزم ہوش جلوہ ز گوش اثر گرفت
وقت صباح بانگ صبوحی بلند شد — آتش ز آب مے ہمہ خشک و تر گرفت

مکن نظر ز تکبر بہ بے نوا منعم
فقیر تکیہ با جلال کبریا زدہ است

مبر بمحفل او نام بذل وجود و کرم
کہ آبروے حیا بر رخ سخا زدہ است

کند ز تیشۂ اندیشہ ریشۂ خود را
کہ طعنہ بر قدر انداز جفا زدہ است

بکشت حاصل گندم جوے بہ پیش قضا
ز لطمہ ہا کہ بہ تدبیر آسیا زدہ است

کلامِ رقیہ بیگم

(مس ایلن کرسچانہ گارڈنر)

خودی نے مجھ پہ کیا ہے ستم خدا کی قسم
جو بیخودی ہو تو پھر کس کا غم خدا کی قسم

بہاے باطلہ ہے یہ ہما ہمی میری
جو دور ہو نہ کہیں خود کو ہم خدا کی قسم

یہ غیب غیب ہے کہتے ہیں لوگ جس کو شہود
شہود ہی ہے عدم کا عدم خدا کی قسم

جو ہونے کا ہی نہونا وہی تو ہے عقبےٰ
نہ ہونے کا ہو نہ ہونا عدم خدا کی قسم

میں دل سے مانوں گا حکم قضا شیم تیرا
نہ دیجئے مجھے دم مبدم خدا کی قسم

ہمارے حال پہ ہوتا ہے رنج کو بھی ملال
ستم وہ کرتے ہیں ہر دم ستم خدا کی قسم

جگر پہ لالہ کے ہیں چار داغ دل پہ مرے
ہزار داغ ہیں یاں کم سے کم خدا کی قسم

مزے جو دل نے دکھائے وہ دل ہی جانتا ہے
نہیں ہے دل یہ مگر جام جم خدا کی قسم

تجھے قسم ہے خدا کی جو ظلم سے باز آئے
کمال مجھ کو ہے مشق ستم خدا کی قسم

پہیلیاں

ایک نار میرے من بھاوے
نا وہ پہنے نا وہ کھاوے

بڈھوں کو وہ راہ بتاوے
جوانوں کو وہ ہاتھ نہ آوے

(لاٹھی)

ایک نار بھونرا جس کالی بنا کان وہ پہنے بالی
بنا ناک وہ سونگھے پھول جتنا عرض ہے اتنا ہی طول

(ڈھال)

میں نے ڈالا ہی پہیلی کا نیا طرز اور ڈھنگ بوجھ سے اسکی نہ کرنا کوئی اپنا دل تنگ
کھیل لڑکوں کا نہیں بوجھ بتانا اس کا کام تدبیر سے ہوتا ہے جو تقدیر ہو سنگ
کل جمع تین ہیں وہ جن کے سبب سے ہی فساد جز وواحد ہیں وہ اور صورت و سیرت ہم رنگ
چال ہیں ڈھال میں کچھ فرق نہیں ہی اُن کی یعنی تثلیث کے تابع نہیں یہ اہل فرنگ
رنگ ان چاروں عناصر کا جداگانہ ہے ہی یہ تفریق۔ سیہ۔ سبز۔ سفید اور سُرنگ
ہے یہ کلجگ کا اثر دوست ہیں وہ یک ذاتی دشمنی ایسی ہی ایک ایک کو کرتا چورنگ
وہ نئی طرز سے لڑتے ہیں چھوا اور مُوا پاس اُنکے نہ ہی شمشیر نہ خنجر نہ خدنگ

(چوسر)

آپ اندھی اور دکھاوے سب کو ایسی پہیلی بوجھے کب کو۔

(عینک)

چھوٹا ہے نہ بڑا ہی۔ ایک ہی جا اڑا ہی بیٹھا تو کھڑا ہے اور کھڑا ہی تو کھڑا ہے

(سینگ)

چیست آں چیز می خورد کچہ بچہ در بچہ بچہ در بچہ

(پیاز)

کب ہم میں بساط اتنی جو اک بات کریں ہم رُخ پھیر لے ہم سے تو کرامات کریں ہم

(چوسر)

زردشتی کو دشمن لگادے پاپی پاکی بوجھ بتاوے

(پپیہا)

کنوار میں سب جاتے ہیں ساون سے لگتے آتے ہیں

(ریچھا)

ایک نار وہ پھولی پھالی بڑا سا منھ اور رنگ کی کالی
خالی پیٹ وہ پڑی ہی رہے پیٹ بھرے تو مرد پہ چڑھے

(مشک)

نمونۂ کلام فلک

(مسٹر فیلکس گارڈنر)

نیارئے خاک تلک چھانتے ہیں گلیوں کی اسقدر ہے طمع زر کہ جسے کہتے ہیں

انتخاب کلام شکر

بے حال ہوں بیمار ہوں سرگشتہ و پامال خود آپ فضیحت ہوں نصیحت کسے دوں میں

وہ لطف وصل میں ہے اور نہ ہجر یار میں ہے مزہ جو دل کو ملا ایک انتظار میں ہے
تمھارے کوچے میں آوارگی ہمیں لائی وقار عاشق صادق تو ننگ و عار میں ہے

ہمدمو حال پریشاں خاطری کس سے کہوں حسرتیں دل میں بھری ہیں اور ہیں غم سامنے
رنج و کاوش درد و کاہش حسرت و اندوہ و یاس مدعی ہیں یہ مرے دل کے فراہم سامنے

وہ محو عشق بتاں ہوں کہ زاہدا رگ جاں گلے کا ہار یہ زنار ہوتی آتی ہے

تیر اُس کا جو کرے دل کے نشانے سے خطا　　خود اُٹھا لاتا ہوں مرنے کی تمنا دیکھو
آرزو دل کی تہ خنجر قاتل نکلی　　خوب ہی طالب دیدار نے دیکھا دیکھو

آمد فصل بہار حسن یار آخر ہوئی　　خواہش وصل دل امیدوار آخر ہوئی
وائے ناکامی اُٹھایا شوخ نے اُس دم نقاب　　جب ہماری روشنئ چشم تار آخر ہوئی

طوف بتخانہ تو کرتے ہیں خوشی سے لیکن　　سفر کعبہ سے دیندار قسم کھاتے ہیں
مان لو میرا کہا سر کو قلم جلد کرو　　دوش پر ہے یہ گراں بار قسم کھاتے ہیں
گو اُڑے سر پہ نہ بدلیں گے زباں تا دم مرگ　　مثل منصور سر دار قسم کھاتے ہیں

حشر کے روز جو خورشید نمایاں ہوگا　　ہے یقیں دل کو وہ عکس رُخ جاناں ہوگا
جسم اک روز مرا خاک میں پنہاں ہوگا　　کاسۂ سر مرا سنگ رہ طفلاں ہوگا

اب گلہ کرتے ہو کہتے ہو مجھے رسوا کیا　　دیدہ و دانستہ کیوں مجھ کو رُلایا آپ نے

دکھائی اسمیں دیتا عکس ہے اُس شوخ کا ہر دم　　یہ دل کا آئینہ جو انتخاب آنکھوں کے آگے ہے

سہل مرنا ہوا جینا مجھے دشوار رہا　　یار اغیار رہا
کرکے اقرار محبت کا گنہگار رہا　　کیسا ناچار رہا

بیچین ہوں ہیتاب گذر اب کہیں جلدی　　ہے درد بہت اے شب دیجور جگر میں
وہ درد کبھی سینہ میں ہے اور کبھی دل میں　　جس درد کا مشہور تھا دستور جگر میں

قصدِ تلاشِ یار نے جو در بدر کیا — ہم نے بجائے خضر کے دل راہبر کیا
دل کو خیالِ الفت اصنام پھر ہوا — لو خانۂ خدا میں بتوں نے بھی گھر کیا
قاصد سے کچھ غرض نہ پیام و سلام سے — ہم نے تو مرغِ روح کو ہی نامہ بر کیا

ہوا ہے یہ دل جب سے شیدا کسی کا — نہیں ذکر اب مجھ کو بھاتا کسی کا
نہ تکنا تو اے دل سہارا کسی کا — نہ کرنا جہاں میں بھروسا کسی کا
اُٹھائینگے ہم ظلم و جور و ستم سب — سہینگے نہ اک لفظ بیجا کسی کا
ترے دم میں ہم آ گئے ہیں وگرنہ — نہ کھایا کبھی ہم نے دھوکا کسی کا
تغافل سے میرے ہوا دل کو ثابت — نہ ہے تو کسی کا نہ ہوگا کسی کا
نصیحت مری یاد رکھ سب گنہ کر — وے دل نہ ہرگز ستانا کسی کا
تعصب یہ ناحق میں کرتے ہیں مجھ سے — نہیں میں نے کچھ مال مارا کسی کا

جلوۂ حسن دکھاتے ہیں سب مجھے — اپنا دیوانہ بناتے ہیں سب مجھے
گرچہ ظاہر میں جدا مجھ سے بتِ بے پیر ہے — دل کے آئینہ میں پر موجود وہ تصویر ہے
خشکیِ لب، چشمِ گریاں، رنگ زرد و آہِ سرد — عشق کی سرکار میں یہ منصب و جاگیر ہے

وہ اپنی لن ترانیاں وہ گالیاں نہ چھوڑ — رسمِ قدیم مجھ سے تو اے مہرباں نہ چھوڑ
مجھ سے جدا رہیگا تو وہ ہوگا بدگماں — اک لحظہ میرا ساتھ تو اے پاسباں نہ چھوڑ
اے عشق تیرے ظلم و ستم سب سہونگا میں — پر میرے سر پہ رشک کا بارِ گراں نہ چھوڑ
اے شکر تجھ کو کوئی بھلا یا برا کہے — پی جسقدر ملے یہ مئے ارغواں نہ چھوڑ

زنگ آلودہ ہے اور کند بعہد پیری — طبع کی تیغ جوانی میں رواں تیز رہی
اُڑتے ہیں ابلق ایام ہوا کی مانند — توسنِ عمر کو کب حاجت مہمیز رہی

زمین و آسماں کے درمیاں ہے — معلق مرغ دل کا آشیاں ہے
ہمارے رنج و غم کا دل مکاں ہے — مکاں دل کا ہمارے لامکاں ہے
اُٹھالوں کوہ غم مثل پر کاہ — مگر سر دوش پر بار گراں ہے
غزل اچھی لکھی ہے شکر نے یہ — بڑا نامِ خدا یہ خوش بیاں ہے

پھر عشق مرے دل کو ہوا زلف دوتا کا — کر خیر خدا سامنا ہے سخت بلا کا
کیا پوچھتے ہو اب نہیں کچھ کام دوا کا — ہے حال بہت غیر تمہارے مرضا کا

آج یہ وحشت تازہ دل شیدا کیا ہے — خبط ہے یا ہے جنوں یا تجھے سودا کیا ہے
مجھ سے زیبا نہیں گھونگھٹ میں چھپانا مُنہ کا — جب میں بچپن ہی سے محرم ہوں تو پردا کیا ہے

دعائیں ہوئیں کارگر رفتہ رفتہ — ہوا مدتوں میں اثر رفتہ رفتہ
نہیں سُرخ آنسو یہ رُک رُک کے آتے — نکلتے ہیں لخت جگر رفتہ رفتہ
نہ مایوس ہو مُرغ بے پر قفس میں — نکل آئیں گے بال و پر رفتہ رفتہ

پہونچا ہے بعد مرگ فلک پر مرا غبار — رتبہ بلند خلق میں ہے خاکسار کا

سبق لے آسماں پھرنے کا کچھ روزنوں کے سر سے — بدلنا رنگ کا سیکھے زمانہ اُنکے تیور سے
چلے آئے خبر مرنے کی سُنکر غیر کے گھر میں — مری تدبیر جا کر لڑ گئی میرے مقدر سے
جواب نامہ ہی یا موت کا پیغام لایا ہے — کہ نیند آتی ہی مجھ کو جنبشِ بال کبوتر سے

ہمدمو ہو کے لہو دل مرا بہ جائے گا — ہٹ گئی گر مرے ناسور جگر کی بتی
آتش عشق سے تن پھنک کے ہوا خاک کا ڈھیر — مشتعل ہی رگ جاں جیسے اگر کی بتی

شعلے ہر دم ہیں بھڑکتے مرے داغ دل سے
آگ عالم میں لگائے گی یہ گھر کی بتی
جلوۂ عارض اگر زیر نقاب آیا تو کیا
منھ پہ لیکر چاند دامانِ سحاب آیا تو کیا

بقیہ انتخاب کلام شکرؔ

خوبی قسمت عاشق ہی کہ دیکھے دم ذبح
اس لئے دھار نہ خنجر کی ترے تیز رہی
جوش وحشت کو نیا رنگ دکھاؤنگا میں
اب کے گر فصل بہاری بھی جنوں خیز رہی
مرے مُردے سے بھی وہ بدگماں ہے
گماں ہے اسکو ابتک اسمیں جاں ہے

سفارش مری دوستوں نے بہت کی
مگر اُس نے کہنا نہ مانا کسی کا
یہ کیسا غضب ہے یہ کیسا ستم ہے
نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا
سحر سے ہمارا دھڑکتا ہے پھر دل
رہا رات بھر ہم کو کھٹکا کسی کا

بے فائدہ ہی فکر کہ بچنا محال ہے
تیر نگاہ یاس نے دل میں اثر کیا
تحصیل عشق سے ہمیں حاصل نہ کچھ ہوا
ناحق میں اپنی جان کا ہم نے ضرر کیا
دھو ڈالنا تھا جلد مرا خوں بوقت ذبح
آخر کو اُس نے جوہر خنجر میں گھر کیا
انجام عشق دیکھ کے پچھتا رہا ہی کیوں
اے دل یہ کام تو نے نہ کیوں سوچکر کیا
کیا جانے نامہ بر نے کیا آکے کیا بیاں
سُنتے ہی روح شکرؔ نے جس کے سفر کیا
پوچھا جب دل سے کہ کب وصل کا ساماں ہوگا
بُولا جس روز کفن میں تن عشریاں ہوگا
قبر میں ساتھ مرے گر دل نالاں ہوگا
چاک دامان کفن تا بہ گریباں ہوگا
ہوں وفادار مرا کام وفاداری ہی
کرکے وہ مجھ پہ جفا آپ پشیماں ہوگا
ہے زخم جگر ناوک مژگان صنم سے
بھرنا نہ کوئی مرہم کافور جگر میں

ہمدرد ملا مجھ کو نہ ہمدم کوئی ناصح — حال دل صد پارہ بیاں کس سے کروں میں
اے شکر ہیں اشعار ترے قابل تحسین — ہاتھ آئے جو دیواں ترا دیوانہ بنوں میں

آہ سے میری ڈرو رحم ہے لازم بخدا — اب نہ ترساؤ مجھے اے بت ترسا دیکھو
خواہش و کاہش و اندوہ نے پیچھا میرا — بعد مرنے کے بھی اک دم کو نہ چھوڑا دیکھو
زندگی میں نہ مجھے رشک نے آرام دیا — چین ہرگز نہ مجھے قبر میں ہوگا دیکھو
ہم نہ ہونگے تو کریں گے وہ رقیبوں پہ جفا — بعد مردن بھی رہے گا یہی کھٹکا دیکھو
گر وہ محفل میں بلاتے ہیں مجھے — دور پھر کیوں وہ بٹھلاتے ہیں مجھے
قبر میں ہوگا مجھے خاک نثار — میرے پہلو میں دباتے ہیں مجھے
چشم فتاں آپ کی خود صید خود صیاد ہے — چشم آہو اور ہے یہ چشم آہو گیر ہے
شکر عبث گر اسے مجھ سے نہیں نفرت تو ہی — کون کہتا ہے کہ میری آہ بے تاثیر ہے

جسے کہتے ہیں دنیا شکر یہ دھوکے کی ٹٹی ہی — نہیں ہی کچھ یہ اک موج سراب آنکھوں کے آگے ہی
آمد فصل بہار حسن یار آخر ہوئی — خواہش وصل اے دل امیدوار آخر ہوئی
مت اڑا دامن کے پرزے اور گریباں کر نہ چاک — مژدہ اے جوش جنوں فصل بہار آخر ہوئی

نہ ہفت قلزم و ابر بہار میں ہے دلا — بھرا ہوا جو مری چشم اشکبار میں ہے
نہ چھوڑ بہر خدا اب تو نیم جاں قاتل — ہمارا فیصلہ اک اور تیرے وار میں ہے
مطیع و تابع تثلیث و پنجتن دل شکر — زبان لال مگر وصف چار یار میں ہے

رہے رقیبوں سے خوش بات بات پر دہ ہاں — ہمارے نام پہ تلوار ہوتی آتی ہے

تاریخ گھوڑیہ راجہ دلسکھ رائے پٹواری یعنی مادہ اُنکی کی

آکے دجال نے اک روز یہ لالہ سے کہا — کیوں جی خچر کو مرے گھاس نہ کیوں تم نے دی
پر لو پڑنے کو ہے خچر مرا مجھ کو دے دو — اپنی گھوڑیہ وہ منگا لو اجی بڑھیا جو بھی
آزماؤں گا میں ایمان ہر اک کا جاکر — تیرھویں ختم ہوئی چودھویں صدی یہ بھی
سُن کے تقریر یہ لالہ نے کہا مالک سے — آج دجال سے اور مجھ سے بڑی بحث بھی
کہا مالک نے کہ سچ ہے نہ بُرا مانو تم — کوئی ٹٹوانی خرید و اجی خچر نہ سہی
کہا جبتک کہ سواری مرے گھر سے آوے — تم سواری مجھے لے دو کوئی سستی سی نئی
میری تحصیل سے اعراف کی طلبی آئی — لادکر کس پہ میں لے جاؤں یہ خسرہ دہی
میں سواری تو منگا لوں یہ تردد یہ ہے — کھیت بتلا دو کوئی جس میں یہ ڈالوں جئی
واں یہ تقریر تھی یاں کرکری گھوڑی کو ہوئی — دُبلی تھی پتلی تھی اس صدمہ سے وہ اینٹھ گئی

روح جب نکلی تو ہاتف نے کہی یہ تاریخ
یار دپٹواری کی گھوڑیا بھی وہ دوزخ میں گئی (۱۲۸۷ھ ف)

تاریخ راجہ دلسکھ رائے بہادر پٹواری

راجہ دلسکھ رائے کے مرنے کے بعد — ہر زباں پر لفظ یہ جاری ہوئے
تھے بڑے منحوس جانے کیا ہوئے — حاکم اعراف یا ناری ہوئے
اُنکے مرنے کی لکھیں تاریخ کیا — اس تردد میں بہت عاری ہوئے

ملہم غیبی نے شب کو ناگہاں
دی صدا دوزخ کے پٹواری ہوئے (۱۲۸۷ھ ف)

مرثیہ بھینس

بڑھے دل کی کیونکر نہ اب بیقراری — جو مرجائے یوں بھینس لالہ تمھاری
وہ عمر اپنی اتنی تھی لائی بچاری — ستم کر گئی جو عدم کو سدھاری

کہوں کیا جو مجھ کو ہوا رنج و غم ہے
یہ سچ ہے کہ تم سے زیادہ الم ہے

تعجب ہے کس واسطے مرگئی وہ | یہی سوچتا ہوں کہ کیا کر گئی وہ
خفا ہو گئی دل میں یا ڈر گئی وہ | جو اسطرح سر پھوڑ کر مر گئی وہ

مرے تن پہ دہشت سے آیا پسینہ
سُنا جبکہ ٹکر سے توڑا ہے زینہ

انتخاب کلام صبر

ستایش گر ہوں اے زاہد میں اُس خورشید خوباں کا | گل خورشید بھی اک پھول ہے جسکے گلستاں کا
رہا انداز گریہ ہی جنون فتنہ ساماں کا | تو صورت دل کی وہ ہو گی جو نقشہ ہے گریباں کا
ہجوم جوش وحشت نے نہ چھوڑا تار تک باقی | دگرنہ قافیہ مشکل نہ تھا کچھ بھی گریباں کا
حیرت میں کیوں حضور رہیں آئینہ دیکھکر | سچ سچ بتلائیے کہ نمودار کیا ہوا

کبھی شباب کبھی بچپنا کبھی پیری | مسافرت ہی میں اپنا بسر زمانہ ہوا
مزہ ہے سوئیں گے آرام سے قیامت تک | زہے نصیب پس مرگ تو ٹھکانا ہوا
رہ شوق سے جہاں میں مگر یہ خیال رکھ | اس گھر میں کوئی تجھ سے بھی پہلے ضرور تھا

تصور میں مرے ہر وقت وہ اے صبر رہتے ہیں | کریں گو لاکھ پردا مجھ سے پردا ہو نہیں ہوسکتا

عدم سے ملک ہستی تک فقط ہے راہ اک دم کی | نشاں اسمیں بھلا پھر کیا بنے فرسنگ و منزل کا
بگولے گرد محمل کے نہیں ہیں نجد میں ہر گز | غبار قیس نے پردہ کیا ہے آگے محمل کا

خدا شاہد ہی میں روزِ ازل سے اسکا مادح ہوں ۔ اُڑایا ہے زمانے بھر نے انداز رستم میرا

نہ آنکھ کھول کے اے صبر اُس نے کچھ دیکھا ۔ محیط بحر جہاں میں عبث حباب آیا

شب بھر شب وصال رہا چاندنی کا لطف ۔ سُویا لپٹ کے وہ مہِ تاباں تمام رات
میں اُن کے انتظار میں تارے گِنا کیا ۔ چُنتے رہے وہ ماتھے پہ افشاں تمام رات
کرتا ہے بتکدہ میں برہمن بھی رام رام ۔ کرتا ہے ذکرِ حق جو مسلماں تمام رات

زباں ہی لکھنوی اسلوب دلکش طرز رنگیں ہے ۔ مگر موقوف ہے دادِ سخن طبع سخنداں پر

سخت حیراں ہوں سمجھ میں نہیں آتا کچھ بھی ۔ لوگ کیوں دل میں حسد رکھتے ہیں انساں ہوکر
چشم نرگس ہی دہن غنچہ ہے قد ہے بُوٹا ۔ وہ مرے سامنے پھرتے ہیں گلستاں ہوکر
ایک یہ اور قیامت میں قیامت دیکھو ۔ وہ چُھپے ہیں مرے دامن میں پشیماں ہوکر

بتوں کے عشق میں گھر کھو کے خوب پھل پایا ۔ حصول خاک ہوئی سر گھسا جو پتھر پر
ہلال عید مجھے ابر میں نظر آیا ۔ پڑا جو ابروئے جاناں کا عکس خنجر پر

حیف جو دل میں تھا اُسکو ہی نہ دیکھا ہم نے ۔ دُور دریا سے رہے ساحل دریا ہوکر
بچپنا کھو کے جوانی کو لٹا کر مرکر ۔ دیکھا اس عالمِ ایجاد کو کیا کیا ہوکر
رات دن ہی یہ لبِ گورِ غریباں کی صدا ۔ سب کو آنا ہی یہاں یکہ و تنہا ہوکر
منظور وہ کریں نہ کریں اختیار ہے ۔ ہم تو کرینگے حشر میں بھی نذر یار دل

کچھ اسمیں شک نہیں ہے کہ مرنا ضرور ہی | پھر کیوں جہاں میں جان چھڑائیں قضا سے ہم
ہیں شرمسار اپنے گناہوں سے حشر میں | کس طرح عذر جُرم کریں کبریا سے ہم

مہر سے بڑھ کے ہوں وہ ذرۂ صحرا میں ہوں | زور دریا کا جو رکھتا ہے وہ قطرہ میں ہوں
بیخودی نے مجھے گم ایسا کیا فرقت میں | کہ نہیں جانتا یہ کون ہوں اور کیا میں ہوں
اُسطرف ناز و ادا غمزہ کرشمہ قاتل | سخت حیرت ہے ادھر یکہ و تنہا میں ہوں
آپ معلوم نہیں مجھ کو سمجھتے کیا ہیں | آپ کے سر کی قسم آپ کا شیدا میں ہوں
آپ کو پوچھتا پھرتا ہوں ہر اک سے اے صبر | ایسا غافل ہوں نہیں جانتا اتنا میں ہوں

سیکڑوں دیوان دیکھے وہ مزہ آتا نہیں | جو مزہ اے صبر آتا ہے کلام میر میں

چل رہی ہی کیا بہار افزا ہوا برسات میں | کیوں نہ ہو داغ جگر اپنا ہرا برسات میں
پھر رہا ہے اثر دعا کے لئے | کیوں دعا قبضۂ اثر میں نہیں
لو غمِ یار نے بھی چھوڑ دیا | صبر اب درد بھی جگر میں نہیں
خونِ جگر ہے پینے کو غم کھانے کو بہت | فرقت میں آب و دانہ میسر نہیں، نہ ہو
ہاں ہاں مجھے قبول ہی جو کچھ کہو گے تم | پر یہ بھی ہو کہ وصل کی شب پھر نہیں، نہ ہو

پایا ہے مزہ فقر کا جب سے مرے دل نے | ہے خاک کا بستر مجھے قاقم سے زیادہ
بس خاتمہ ہی حسن کا اور عشق کا حضرت | مجھ سے کوئی بڑھکر نہ کوئی تم سے زیادہ

اپنی صورت پہ فدا وہ ماہ پیکر ہو گیا | ایک دن دیکھا تھا اُس نے مسکرا کر آئینہ

ایک سے جب دو ہوئے پھر لطف یکتائی کہاں — اسلئے دیکھا نہ کیجے بندہ پرور آئینہ

وہ بال کھولے تبسم کناں ہیں گلشن میں — کہ برق کوند رہی ہے کہیں سحاب کے ساتھ

دردِ فراق، دردِ جگر، دشمنوں کا زور — کس کشمکش میں ہوں مرے پروردگار دیکھ

پیری میں لطف دیتا ہے ذکرِ شباب یوں — جسطرح صبح بات کہے کوئی خواب کی
پچھتا رہے ہیں کس طرح اب کچھ نہ پوچھئے — جب تھا شباب قدر نہ کچھ کی شباب کی
اے صبر توبہ کی ہے تو کیا ڈر ہے پی بھی لو — توبہ میں توبہ ہے کوئی توبہ شباب کی

ایک دن چھوڑ کے سب جاہ و حشم جانا ہے — صبر دیکھو نہیں دنیا سے محبت اچھی

حیف ہے اک آن میں رخصت جوانی ہوگئی — ایک پل کی بات ہے، پراب کہانی ہوگئی
کیا بتائیں کس طرح سے روزِ محشر بچ گئے — رحمتِ حق کام آئی مہربانی ہوگئی
طاعتِ حق کا مزہ اگلوں سے پوچھا چاہئے — خضر کو حاصل حیاتِ جاودانی ہوگئی
ضعفِ پیری میں خدا کی یاد ہوتی کس طرح — صرفِ ذاتِ حق زہے قسمت جوانی ہوگئی
یادِ حق میں وہ مزہ ہے صبر جسکو مل گیا — ہر گھڑی ذکرِ خدا اُسکو کہانی ہوگئی

مشغلہ ہو شعر کا شاید عدم میں بھی دلا — اسلئے ساتھ احتیاطاً اپنے دیواں لے چلے
خدا سے تنفر بتوں کی پرستش — یہ اندھیر دنیا میں کیا ہو رہا ہے
زباں سے زباں وصل میں کب ملی ہے — زبانوں میں باہم گلا ہو رہا ہے

ہوا جو کچھ ہوا ہوگا جو کچھ ہوگا مقدر سے
بتوں کو پوج کر ٹکرائیں ہم کیوں سر کو پتھر سے

کسی کے عشق میں اسطرح زور ناتوانی ہے
نہ بستر ہم سے اُٹھتا ہے نہ ہم اُٹھتے ہیں بستر سے

خجالت سے مہ نو ابر میں پوشیدہ ہو جائے
نقاب اے ماہ اُٹھ جائے جو تیرے روئے انور سے

برنگ نرد دنیا میں قیام اپنا نہیں اک جا
کبھی اُس گھر سے اس گھر میں کبھی اس گھر میں اُس گھر سے

نہ ہی کچھ خوف شیطاں کا نہ کچھ دنیا کا اندیشہ
بھروسا صبر پورا ہے مسیح پاک برتر سے

تصدق جان کر کے صبر پروانہ یہ کہتا ہے
کسی کے پانوں چھونے کو ہماری لاش آئی ہے

چھوڑ کر حق کو جو دنیا میں پھنسے ہیں ابتک
ہوش میں آئیں سنبھل جائیں قضا آئی ہے

کس کو دیکھا تھا ازل میں اس دل ناشاد نے
عمر بھر بے چین رکھا ہے کسی کی یاد نے

جب کرم ہم پر کیا اُس بانیِ بیداد نے
جان کھالی یار لوگوں کی مبارکباد نے

میں اگر بے چین ہوں تو چین سے وہ بھی نہیں
مضطرب اُنکو بھی کر رکھا ہے میری یاد نے

سُنا ہے مرنے پہ قصہ تمام ہوتا ہے
تو پھر مزار پہ کیوں اژدہام ہوتا ہے

مثال برق کہیں ایک دم نہیں رُکتا
سوار عمر بھی کیا تیز گام ہوتا ہے

سکون تھا نہ عدم میں نہ چین ہستی میں
وہاں کے روتے ہوئے یاں سے اشکبار چلے

رہا نہ کوئی جلال و امیر و داغ یہاں
جہاں سے سوئے عدم کیسے نامدار چلے

مرے غفور ترے فضل و رحم کے صدقے
کہ ہم سے لوگ بھی دنیا سے باوقار چلے

مزہ ہو ساقیِ مطلق ہوا ور مے نیچر
غریب رند ہوں اور ساغر بہار چلے

قطعہ

صبر کو زندہ خوش رکھا تونے
مال و عزت بھی دی خدا تونے

بچے ایمان تندرستی دی
سات کیں نعمتیں عطا تونے

انتخاب کلام شوق

دنیا میں اے خدا کوئی تجھ سا غنی نہیں
داتا ہے سب کا دھن کی تجھے کچھ کمی نہیں

دیتا ہے ساری خلق کو ہر روز تو خورش
لیکن ترے خزانے میں کوئی کمی نہیں

گر ہو کے معتقد کوئی آئے ترے حضور
محروم ہو کے جائے یہ ممکن کبھی نہیں

وہ چشم کور ہے کہ نہیں جس میں تیرا نور
تاریک دل ہو جسمیں تری روشنی نہیں

دولت سے اپنے فضل کی اتنا نہال کر
کہہ اُٹھے شوق اب مجھے کچھ بھی کمی نہیں

بہت ہوں ناتواں کہتا ہی لیکن حوصلہ دل کا
اسی حالت سے ہوگا سامنا مقتل میں قاتل کا

گرے ہیں سیکڑوں پروانے مرکر شمع گریاں پر
یہی بس مختصر سا تذکرہ ہے اپنی مشکل کا

بہت پھولا ہوا تھا اے چمن تو اپنے پھولوں پر
نہ نکلا ایک بھی اُس گُل کے گالوں کے مقابل کا

جھکائی میں نے گردن اُسنے مجھ کو قتل کر ڈالا
کس آسانی سے پورا ہو گیا یہ کام مشکل کا

یہ حالت ہے تصور میں ترے دست حنائی کے
لہو اب تھوکتا ہوں ہو گیا مجھ کو مرض سل کا

اختیار بخشش عصیاں ہی تیرے ہاتھ میں
جسکو چاہے بخشدے تو مالک و مختار ہے

عشق عیسےٰ ہو گیا جب سے یہ حالت ہے مری
مست ہوں میں بادہ عرفاں سے دل سرشار ہے

کیا ہی نام ہم نے عاشق زلف دوتا ہو کر
ہوئے مشہور دنیا میں گرفتار بلا ہو کر

گھٹا جاتا ہی دم مرتا ہوں حالت جانکنی کی ہی
خیال زلف پیچاں دل میں آتا ہے قضا ہوکر

حیا ہٹ جا کمانِ ابروے دلدار نیچی سے ہے
غضب ہوگا گریں گے تیر مژگاں گر خطا ہوکر

چھڑایا تونے پیچھا درد سے غم سے مصیبت سے
قضا ممنون ہوں تیرا کہ تو آئی دوا ہوکر

شہید ناز کا کب خون چھپتا ہی چھپائے سے
ترے ہاتھوں میں وہ ظاہر ہوا رنگ حنا ہوکر

جوشے پاس اُسکے ہو کایا پلٹ دیتی ہی انساں کی
چلے ہیں در سے ہم پیر مغاں کے کیا سے کیا ہوکر

مزار شوق پر لازم ہے سنبل کا لگا دینا
مرا ہے وہ کسی کے گیسوؤں کا مبتلا ہوکر

اس درجہ ہم کو فکر تھی اپنے مآل کی
تھی وقت نزع یاد فقط ذوالجلال کی

جس خوبرو کے حُسن سے روشن ہی کائنات
مشتاق دید چشم ہے اُسکے جمال کی

جس دن سے ہم کو دولت ایماں ہوئی نصیب
کچھ فکر دل میں زر کی رہی اور نہ مال کی

ایک ہے غیر ترے وصل سے جو شاد رہا
ایک ہم ہیں جو ترے ہجر میں ناشاد رہے

فصل گل آئی ہی پنجرے ہی چمن میں رکھدے
کچھ تو احسان اسیروں پہ بھی صیاد رہے

زندگی قید میں گذری ہوئے اب گور میں بند
نہ بس مرگ نہ ہم زیست میں آزاد رہے

ذبح کے وقت وہ لذت ہے کہ دل کہتا ہے
سر اسیطرح تہِ زانوے جلاد رہے

کرکے خوں خشک یہ اشعار کئے ہیں پیدا
تاکہ اے شوقؔ مرے بعد یہ اولاد رہے

انتخاب کلام اسبق

کہاں تک ہو بیان شانِ مسیحا
نبی تک ہیں غلامانِ مسیحا

جو مجھوکے تھے ہوے وہ ہادی دیں
بنے آقا غلامانِ مسیحا

بہایا اُس نے خوں دنیا کی خاطر
جہاں پر ہی یہ احسانِ مسیحا

فلک ہے قبضۂ قدرت میں اُسکے
زمیں ہی زیرِ فرمانِ مسیحا

خدا کا مرتبہ ہے اُسکا رُتبہ
خدا کی شان ہے شانِ مسیحا

کمر بستہ ہیں اُسکے در پہ حاضر
ملائک سب ہیں دربانِ مسیحا

تجھے اسبق بھلا کیا حشر کا ڈر
کہ ہے تو زیرِ دامانِ مسیحا

حقیقی عشق کر عشق مجازی کو مٹاتا جا
اسی دُنیا میں یکسو ہو دوئی دل سے بھلاتا جا

نہ گھبرا سُن یہی اک نسخۂ بخشش ہے اے عاصی
ہر اک زخمِ گنہ پر مرہم توبہ لگاتا جا

نہ ہو خودسر خدا جبتک تجھے رکھتا ہے دنیا میں
گھٹاتا جا خودی کو انکساری کو بڑھاتا جا

بڑھاتا جا تو سکہ نیکنامی کا زمانے میں
جو تکلیفیں بدی کے حامیوں سے ہوں اُٹھاتا جا

جو اسبق تجھ سے جلتے ہیں جہانتک ہوسکے تجھ سے
محبت ہی کے پانی سے تو آگ انکی بجھاتا جا

جب ملے دونوں تو فرہاد سے مجنوں نے کہا
تو پہاڑوں کا ہی مالک میں بیابانوں کا

جب سے اے جان کیا وصل کا وعدہ تم نے
ہاتھ بھر کا ہی کلیجہ مرے ارمانوں کا

داغِ الفت کے سوا دام و درم پاس نہیں
یہی سامان ہی ہم بے سر و سامانوں کا

وقت ہے روشنیٔ طبع دکھا دو اسبق
آج اس رات میں مجمع ہی زباندانوں کا

پھر بہار آتے ہی زخمِ دل ہرا ہو جائیگا
ہو گی پھر وحشت نئی سودا نیا ہو جائیگا

اُس بتِ بے مہر کی کیا دوستی کا اعتبار
آج میرا غیر کا کل آشنا ہو جائیگا

ہم حسینوں پر نہ ہونگے مر کے زاہد پارسا
اور تو حوروں پہ مرکر پارسا ہو جائیگا

مجھ سے سب ہو جائینگے راضی جو راضی ہوگا تو
مجھ سے سب ہونگے خفا جو تو خفا ہو جائیگا

کیا کہیں کیسے خدا والے پریشانی میں ہیں
جب سے یہ افواہ ہی وہ بت خدا ہو جائیگا

دل گیا گر عشق میں جانے دے اسبق صبر کر
ورنہ اب نقصان تیری جان کا ہو جائیگا

تصور کھینچ لایا دل میں تیری چاند سی صورت
چلی آئی گر مشکل میں تیری چاند سی صورت

تصور ہی تصور ہے یہ سب دھوکا ہی دھوکا ہے
وگرنہ یہ دل اور اس دل میں تیری چاند سی صورت

تعجب ہے زمانہ بھر کا دل اک تجھ پہ آتا ہے
تعجب ہے کہ ہے ہر دل میں تیری چاند سی صورت

نہیں ہے عذر دل دینے میں جب چاہے اسے لیلے
مگر اے جان ہے اس دل میں تیری چاند سی صورت

عزیز اسکو نہ جانے جان سے کیونکر سوا اسبق
یہ وہ دل ہے کہ ہے اس دل میں تیری چاند سی صورت

روشنی لے لیا کر اُس رُخ سے
چھوڑ سورج کا تو سہارا چاند

اُن کی صورت سے ملتا جلتا ہے
اسلئے ہے ہمیں بھی پیارا چاند

چُن رہے ہیں جبیں پہ وہ افشاں
ہو رہا ہے ہر اک ستارا چاند

عجب حسرت سے بلبل کی نگاہیں اُن پہ پڑتی ہیں
دھرے ہیں پھول جو ٹوٹے ہوئے گلچیں کے دامن میں

ہمیں لطفِ نظر بازی اُٹھانے ہی نہیں دیتیں
یہی جو تیلیاں ظالم لگی ہیں تیری چلمن میں

تری چشم و زباں سے کیسے دوں تشبیہ دونوں کو
نہ بینائی ہے نرگس میں نہ گویائی ہے سوسن میں

کسی کا رخنۂ دیوار میں یوں بند کرتا ہوں
کہ ڈھیلے اپنی آنکھوں کے لگا دیتا ہوں روزن میں

ق

تمھیں ظاہر ہو مجھ میں اور تمھیں باطن میں پنہاں ہو
مسیحا تم مرے دل ہو جگر ہو جسم ہو جاں ہو

خدا بھی ہو بشر بھی ہو بڑے بھی تم ہو چھوٹے بھی
تمھیں سے پوچھتے ہیں ہم کہو تم کیسے انساں ہو

کبھی مختار ہو آزاد ہو غالب ہو تم سب پر
کبھی تم دشمنوں کے ہاتھ میں سر در گریباں ہو

کبھی قادر ہو تم ایسے کہ مُردوں کو جِلاتے ہو
کبھی خود مر گئے تم زیر زمیں اک جسم بیجاں ہو

یہی اسبق کا ہے ایمان تم مر کر ہوئے زندہ
برابر ہو خدا کے تخت پر تم شاہ ذیشاں ہو

بچپنے ہی سے جو زلف اُنکی سنبھالی جائیگی
سر جوانی میں کسی عاشق کے ڈالی جائیگی

جب کہا میں نے قسم کھاؤ تو بولے ہنس کے وہ
گر قسم ہے چیز کھانے کی تو کھا لی جائیگی

اوکھلی میں سر دیا پھر موسلوں کا ڈر ہی کیا
جو پڑے گی ہجر میں آفت اُٹھا لی جائیگی

میں نے جانا پڑ گئی جب سر مرے اُس بُت کی لٹ
بھینٹ میری جان کی لیکر یہ کالی جائیگی

عاشقوں سے تیرے غمزے کر نہیں سکتی قضا
جب تو مقتل میں کھڑا ہو گا بُلا لی جائیگی

جانؔ

(جان رابرٹ لکھنؤ)

گر پتہ سب کو ترا کوچۂ جاناں ملتا
ایک ہی راہ میں ہر گبر و مسلماں ملتا

بے نیازی جو طبیعت سے صنم کی جاتی
عدل ہوتا عوض خون شہیداں ملتا

مہر و مہ کرتے خجل اُسکو مقابل کر کے
تھوڑی ہی دیر کو گر وہ مہ کنعاں ملتا

زلفیں رُخ گلگوں پہ تو لانا نہیں اچھا
کفار کا جنت میں بُلانا نہیں اچھا

اسلام میں آنے کی یہی شرط ہے اول
کعبے کو تو اے جانؔ نہ جانا نہیں اچھا

کیا بیاں میں کروں جدائی کا
ہو بُرا ایسی آشنائی کا

خاک پروانہ ہو گیا جل کر
کیا مزہ پایا آشنائی کا

کیوں نہیں مار کر جلاتے بُت
کیسا دعوے ہے یہ خدائی کا

قدرت خدا کی جلوۂ جانانہ ہو گیا
روشن زیادہ طور سے کاشانہ ہو گیا

اُس زلف کی درازی کے قصہ کو کیا کہوں
اتنا ہوا ہے طول کہ افسانہ ہو گیا

محراب ابرواں میں نہیں ہے نشیلی آنکھ
مسجد میں عین دیکھئے میخانہ ہو گیا

مایوس اس سے ہو گئے مرغانِ بوستاں
جس جا ہجوم گل تھا وہ ویرانہ ہو گیا

اچھا بھلا تھا کچھ نہ شکایت تھی جانؔ کو
دل پھنس کے اُسکی زلف میں دیوانہ ہو گیا

جب تصور میں ترے مجھ کو عذار آئے نظر — پھر تو سب پھول جہاں کے مجھے خار آئے نظر
ایک جام اور بھی دے ہاتھ سے اپنے ساقی — کہ ذرا آنکھوں میں اپنے بھی خمار آئے نظر
جوش دکھلاؤں اگر نالوں کا اپنے صیاد — پھر نہ باغوں میں کبھی بلبل زار آئے نظر
تپ فرقت سے تو ہے جان بلب آ پہونچی — کیا کریں کس سے کہیں جس سے کہ یار آئے نظر
صدقے سے حضرت حسنین کے مجھکو اے جان — آخری وقت لحد میں نہ فشار آئے نظر

اب مزا باقی جہاں میں کوئی الفت کا نہیں — حال پرساں کوئی بیمار محبت کا نہیں
مثل پروانہ کے جلنا ہو تو جا محفل میں — قاعدہ یار کی مجلس میں مروت کا نہیں
شکر و شہد کو چکھا تو ہے ہم نے لیکن — ذائقہ اُس لب شیریں کی حلاوت کا نہیں
میں نے گھبرا کے اُسے خط جو لکھا ہے قاصد — طول ایسا ہے کہ کچھ ٹھیک طوالت کا نہیں
ماہ کنعاں میں صباحت کا تکلف ہے ضرور — یار کی طرح مگر رنگ ملاحت کا نہیں
حشر کے شور سے تو کاہے کو ڈرتا ہے جان — کیا تولّی تجھے اُس شاہ ولایت کا نہیں
لطف و ضو ہی جو روئے خنداں میں — وہ کہاں ہیگی ماہ تاباں میں
مشکلیں ہونگی تیری سب آساں — عرض کر چل کے شاہِ مرداں میں
دن کٹا ہجر کا اور ہونے کو ہے شام تمام — اب بھی آ جاؤ وگرنہ ہے یہاں کام تمام
ناوک تیر مژہ نے تو جگر چھیدا تھا — تیغ ابرو کے اشارہ نے کیا کام تمام
تپ فرقت کے سبب جلنے لگا وہ اے جان — لکھنے پایا تھا نہ کاغذ پہ مرا نام تمام

ایک مدت سے تپ فرقت کے ہیں بیمار ہم — درد دل کیا آپ سے اپنا کریں اظہار ہم
پھر نہ محشر میں جہنم سے ڈرینگے جان ہم — کربلا کے اور نجف کے گر بنے زوار ہم

سلام

خبراب جاآن کی جلدی شہید کربلا لینا | اُسے نار جہنم سے قیامت میں بچا لینا
لعیں راکب ہوا ہے راکب دوش پیمبر کا | تزلزل فرش سے تا عرش آئے ارض و سما لینا
کہا حرُ نے یہ بیٹے اور برادر سے شب عشرہ | سحر کو باغ جنت کی سند شہ سے لکھا لینا
دم رخصت کہا عباس نے رو کر سکینہ سے | علی اکبر سے میرے بعد تم پانی منگا لینا
حبیب ابن مظاہر سے امام عصر یوں بولے | نماز ظہر میں تیروں سے ہم کو تم بچا لینا
کہا یہ حرملہ سے شمر نے اصغر کو جب دیکھا | ذرا دست نجس قوس اور تیر پُر جفا لینا
کٹے عباس کے شانے تو شہ سے یہ وصیت کی | سکینہ کو مری جانب سے چھاتی تم لگا لینا
کہا زینب نے فضہ سے مرے سر کی قسم دیکھو | ذرا پھر اکبر مہ رو کو میداں سے بلا لینا
کہا سجاد نے زینب سے بلوے میں پھوپھی اماں | وقار چادر آل عبا سے مُنھ چھپا لینا

یہی ہے جاآن کی اب عرض مولا مرتضیٰ تم سے
ہر اک مشکل میں یا مشکل کشا اسکو بچا لینا

تھی علی ہی میں جو اعلیٰ کی ملا کی صورت | نظر آنے لگی بندے میں خدا کی صورت
قول ہے قوم نصیری کا برائے حیدر | نظر آنے لگی بندے میں خدا کی صورت
احمد و حیدر صفدر میں جو ہے نور خدا | نظر آنے لگی بندوں میں خدا کی صورت
غم عباس میں یہ ہے گا علم کا احوال | کہ پھریرا بھی ہے سب شال عزا کی صورت
روتے روتے شب عاشور کو سویا جو میں جاآن | خواب میں آئی نظر کرب و بلا کی صورت

نعت

ہے عرش پہ قوسیں کی جا جائے محمدؐ | رشک ید بیضا ہے کف پائے محمدؐ
عیسےٰ سے ہی بڑھ کر لب گویائے محمدؐ | یوسف سے ہی بڑھکر رُخ زیبائے محمدؐ
کوثر ہو وہ دریا جو لگے پائے محمدؐ | جنت ہو وہی باغ جو ہے جائے محمدؐ

والشمس تھے رخسار تو واللیل تھیں زلفیں | اک نور کا سورہ تھا سراپائے محمدؐ
اندھیر ہوا کفر کا سب دور جہاں سے | روشن ہوا عالم جو یہاں آئے محمدؐ
کوثر کے صدف سے ہی دیا رحمت حق سے | شبیر ہی بیشک دُر دریائے محمدؐ
عصیاں سے بری ہو کے قیامت میں اُٹھیگا | بیشک ہے بہشتی جو ہے شیدائے محمدؐ

نمونۂ تاریخ ہائیل

تاریخ وفات بی بی میڈلین

(زوجۂ میجر ماکیل صاحب در شہر اکبر آباد بروز عشرہ جمادی الثانی رحلت نمود)

سنہ سال فرخندہ حضرت مسیح | ہزار و نود ہفتصد بود و شش

تاریخ وفات ستارہ بیگم (بہ ستارہ تعمیہ)

قضا ز جام اجل چوں ستارہ بیگم را | چشاند آں وقت کل من علیہا فان
جلیل مرتبہ لفٹنٹ شارپ عالی جاہ | ازاں جمیلہ معشوقہ عشق داشت بجاں
بسے ز مرد نش افسوس خورد کز دنیا | ستارۂ کہ بود یادگار از جاناں
بگفت ہاتف عیسیٰ نفس سپے تاریخ
ستارۂ فلک حسن و ناز گشت نہاں ۱۸۰۴ء

تاریخ وفات لارڈ کارنوالس گورنر جنرل ممالک ہند

ہزار حیف شد از موج عالم فانی | حروف زندگی لارڈ کارنوالس حک
گورنر جنرل بود او بکشور ہند | اسد ز ہیبت او سگ گریخت تا بسمک
ز سال ہجرت و فوتش سوال کردو ولم | ندائے "آہ دریغ" آمد از زبان ملک
ہزار و ہفتصد و پنج بود سال مسیح | بہ پنجم اکتوبر در یں ست ریب نہ شک
بطور تعمیہ جستم چو سال و جائے درود | بہشت جنت یا خلد گفت حور و ملک
۱۸۰۵ء

(ایضاً سال عیسوی تعمیہ)

چوں لارڈ کارنوالس حیف از جہاں برفت | پرواز داد سوے فلک روح پاک را
از بہر سال عیسوی دل باسرِ ملال | گفتا بگو بخاک سپردند خاک را

(سنہ ۱۸۰۵ء)

تاریخ ولادت مسٹر جان ولیم بیل البر مولف

ہاتف ز غیب گفت سنین تولدش | فرزند خوش مراد خجستہ و نیک موی
یعنی دو لفظ اولیں از سال احمدی است | ز الفاظ باقی تو سن عیسوی بجوی

تاریخِ عیسوی و عرب زیں چہار لفظ | فرزند خوش نکو طلعت گشت آشکار
یعنی کہ از دو لفظ نخستیں سنِ عرب | وز ہر چہار لفظ سنِ عیسوی شمار

تاریخ فتح ملتان

بود قلعۂ عظیم در ملتان | مسکن مولراج بد کردار
رفت انگریز و کرد محصورش | بر سرش کرد گولہ ہاے نثار
آتشیں توپہا چو اژدرہا | بر سر او شرند آتشبار
گشتہ حیراں ز قلعہ بیروں شد | دست بستہ بجست استغفار
کف برآوردہ سال نصرت گفت | وقنا ربنا عذاب النار

تاریخ فراری نواب خان بہادر خاں متخلص بہ مصروف رئیس بریلی

خان بہادر خاں جب بھاگے | دیکھا پیچھے اور نہ آگے
سنہ عیسوی سُنا ہیں ناگاہ | بھاگے خان بہادر خاں شاہ

تاریخ وفات پرنس البرٹ شوہر ملکہ معظمہ کوئن وکٹوریہ

آہ صد حیف و صد ہزار افسوس | کشتیٔ خلق در تباہی شد

من چہ گویم زنالۂ مردم | تا سما شور مرغ و ماہی شد
شوہر ملکہ رفت از دنیا | تارک تخت و تاج شاہی شد
چوں بگفتیم سعدی شیراز | شاہ ما سوے خلد راہی شد
گفت تاریخ عیسوی بے جرم | قرص خورشید در سیاہی شد

ایضاً

شوہر ملکہ ز دنیا رفت واے | در سراے آخرت بگرفت جاے
در غم آں شاہ عالم شد جہاں | غرق در بحر الم سر تا بپاے
جست سال عیسوی پیر و جواں | ریختہ خون جگر از دیدہ ہاے
دل سر اقبال بیروں کردہ گفت | حیف شد زیر زمیں خورشید ہاے

ایضاً

چوں رفت شوہر ملکہ سوے باغ خلد | شاہی کہ تخم عدل و کرم در جہاں بکاشت
جستم بآہ و گریہ ز سعدی سن مسیح | برداشت کاغذ و قلم و اینچنیں نگاشت
سر خصم ز طمع و عیش شکن خواں ز ہر سال | نوشیرواں نمرد کہ نام نکو گذاشت

ایضاً

ز رفتن شہ البرٹ شد جہاں بے نور | شدہ ز ہجرت او ملکۂ جہاں رنجور
نماند ہیچ نشانی ز شاہ آہ دریغ | نماند شاد کسے نے گدا و نے دستور
بگفت سعدی شیراز باندا تاریخ | بماند نام بلندش بہ نیکوئی مشہور

ایضاً

چو شمع مقبلاں آں پرنس البرٹ | ز دنیا رفت تا جنت پذیرد
مسیحی سال شد چوں رفت آقا | چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد
کنی آب شرف گر کم ازاں سال | سن ہجرت ز باقی جلوہ گیرد

ایضاً

اے فلک ایں آہ و غم بہر چہ و بہر کیست — خورد و کلاں آہ زد ملکۂ دوراں گریست
گفت شہے نامور نیک خو البرٹ نام — کرد سفر آنکہ بود نور جہاں تا بزیست
سعدیٔ شیراز را گفت دل اے مہرباں — رفت شہ ما بگو عیسوی تاریخ چیست
گفت سر آہ ما طامس گو یا بکا — دولت جاوید یافت ہر کہ نکو نام زیست
باز چو گفتم باد اے سر شیرازیاں — سال عرب نیز گو ایں ہمہ ابہام چیست
ہاے بر آوردہ گفت ہاے چراغ دلم — ہاے چراغ جمال ہر دو سن احمد نیست

ایضاً

پرنس البرٹ آہ واویلا چو شد سوئے بہشت — سال ہجری بُد ہزار و دو صد و ہفتاد و ہشت
گر ز سال عیسوی پرسی ز من اے دل بگو — یک ہزار و ہشت صد افزوں بر آں یک بود و شصت

تاریخ وفات نواب افضل الدولہ نظام حیدر آباد

کرد رحلت نظام حیدر آباد — گفت تاریخ طامس الدولہ
آخریں حرف دور کردہ بگو — مرد نواب افضل الدولہ

تاریخ کشتہ شدن لارڈ میو

افسر دوراں جہاں ہاے غضب واویلا — لارڈ میو آہ فغاں ہاے غضب واویلا
کشتہ شد و شد بجناں ہاے غضب واویلا — سال مسیحی تو بخواں ہاے غضب واویلا

ایضاً

افسر دوراں جہاں لارڈ میو آہ فغاں — کشتہ شد افسوس و الم کرد سفر سوے جناں
سال مسیحی چو دلم جست بصد آہ و بکا — ہاتف ایں کرد ندا ہاے غضب واویلا

ایضاً

حاکم ہندوستاں آہ و فغاں لارڈ میو — آنکہ چو او در جہاں بود نہ شاہ و خدیو

رفت ز دنیائے دوں ہائے سلیمان عصر | بود نہ بر حکم او جملہ چہ انسان و دیو
بہر سن احمدی چوں سر دشمن برید | ہاتفے آواز داد کشتہ شد افسوس میو

ایضاً

سعدی بنوشت چوں گو رنر جنرل | در دست حقیر قیدی جاں بسپرد
سہ حرف کش از حقیر و گو سال مسیح | دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد

(سنہ ۱۸۷۱ء)

فلاطوں حیدرآباد

کیوں خزاں میں سر پٹک کر مر نہ جائے عندلیب | ہے بقائے گل سے وابستہ بقائے عندلیب
جوشِ گل سے کم نہیں کچھ بلبلوں کا بھی ہجوم | ٹہنی ٹہنی پر نظر آتی ہے جائے عندلیب
کیا کرے گلشن سے اسکا آب و دانہ اُٹھ گیا | دام میں خود پھنس گئی بیٹھے بٹھائے عندلیب
شاہدِ گل صاحبِ زر ہی چلے گا کچھ نہ زور | اسکی آنکھوں میں ہر کیا مرگ نوائے عندلیب
جان دیکر عشقِ گل میں سو گئی آرام سے | دردِ بے درماں ہوا آخر دوائے عندلیب

قطعہ فارسی

پر درد دل ز عالم خاکی صفا طلب | ایں آئینہ ز صورت آئین ما طلب
پرس از صبا ز حالِ دلِ چاک چاک من | اے گل ز آشنا خبرِ آشنا طلب

انتخاب کلامِ مضطر

(دیوان اول)

تمھیں دل دیکے ہم بندے خدا کے اور مجرم ہوں | بتو دعویٰ بدیہی ہو امانت میں خیانت کا
ہمیں ملے زاہد و یہ بت پرستی حق پرستی ہو | اگر رخنہ نہ ڈالو بتکدہ میں زہد طاعت کا

شراب ناب میں دُھو کر کہا رندوں نے واعظ سے — بڑی مدت میں آیا میکدہ میں پاؤں حضرت ک[illegible]

دل کی جگر کی جان کی کس کس کی لوں خبر — آنے کا آوا بگڑا ہے گویا کمہار کا
دل تو قمار عشق میں بت سے لگا چکے — سمجھے نہ کھیل خاک بھی ہم جیت ہار کا

دشمن جاں نہ کوئی تجھ سا ستمگر نکلا — تیغ نکلی نہ چھری نکلی نہ خنجر نکلا

بتوں کے عشق میں اے دل یہی انجام ہونا تھا — تجھے ناکام ہونا تھا مجھے بدنام ہونا تھا
تمھارے دام گیسو سے رہائی کس طرح ہوتی — کہ ہم کو ابتدا ہی سے اسیر دام ہونا تھا

ہنسے وہ میری نادانی پہ دانائی کا کیا کہنا — کہ میں نے گھر عدو کا جان کر اپنا مکاں پھونکا
جلادے آہ سوزاں سے زمین شعر ہی مضطر — ترے استاد نے اک داغ سے ہندوستاں پھونکا

بہت ڈھونڈھا نشان یار لیکن بے نشاں نکلا — یہ کیسا لامکاں اک اور زیر لامکاں نکلا
تری مہر و وفا سے کیوں نہ ہمکو بدگمانی ہو — کہ تو نامہرباں ہو کر ہمارا مہرباں نکلا
ہوئی خضر بیاباں سے بھلا کب رہبری میری — کہ وہ تو آپ ہی گم گشتگی میں بے نشاں نکلا

مرا ناقوس دل مصروف اوصاف بتاں میں ہے — کہ مجھ سے نعرۂ اللہ اکبر ہو نہیں سکتا
نگاہ شوق رہتی ہے صف مژگاں سے کیوں باہر — کہ لشکر سے جدا اک لحظہ افسر ہو نہیں سکتا

سایہ کی طرح عمر بھر اے شوخ خوشخرام — ہم ساتھ ساتھ تیرے چلے تو جدھر چلا

مضطر ہماری آمد و شد دم کی یوں ہی — جھونکا ہوا کا جوں ادھر آیا اُدھر چلا

جانتے ہو حال جو میرا ہوا — بھولے بنکر پوچھتے ہو کیا ہوا

حال فرقت کا اگر وہ پوچھتے — بھول جاتا یاد بھی آیا ہوا

بیش و کم اک حرف ہو سکتا نہیں — وہ ہی ہوتا ہے جو ہے لکھا ہوا

دل میں آجاتے تو تم سے پوچھتے — یہ خراب آباد گھر کس کا ہوا

ابتدا و انتہا مضطر نہ پوچھ — بحر ہستی میں حباب آسا ہوا

مانا کہ تمھیں لیگئے دل میرا اُچرا کر — کس منھ سے کہوں تم پہ گماں ہو نہیں سکتا

بیٹھا ہو کہیں تاک میں وہ شام سے میری — کیا شیخ ہے یہ پیر مغاں ہو نہیں سکتا

تو اپنے ساتھ ساتھ میں پردہ نشیں کو بھی — رسوا کرے گا اے دل خانہ خراب کیا

بار الفت کا بھلا کون اُٹھاتا سر پر — دل ناداں کے سوا دوسرا مزدور نہ تھا

کیا ملا غیروں سے تجھکو اے مرے پردہ نشیں — ہو گیا بدنام تو عالم میں رسوا ہو گیا

وہ نگاہ مہر ہے کیا رشک صد دارالشفا — اک نظر بھر کر جسے دیکھا وہ اچھا ہو گیا

کیا کہوں کس کی نظر تجھ کو دل شیدا لگی — تھا ابھی کیا بھلا چنگا ابھی کیا ہو گیا

کیا کریگا اور اب تاثیر صحبت کا اثر — اُن بتوں سے میرا پتھر کا کلیجا ہو گیا

کافر ہو کہ دیندار خریدار ہے اُسکا — اللہ رے تری گرمی بازار محبت

جز دید رُخ یار انھیں کچھ نہیں آتا — آئینۂ حیرت ہیں یہ بیکار محبت

ہوتی نہ اگر یاد انا الحق کی حقیقت — چڑھتا نہ کبھی بھول کے وہ دار محبت

دل صاف ہے تو صوفیو سب کچھ ہی جان لو — جتنی بحث ہیں سب میں ہی یہ مختصر بحث

نادم ہوا ہوں ہجر میں نالے نکال کے — جو کچھ رہا سہا تھا گیا اعتبار آج

واعظ کا ایک جام میں ساقی یہ حال ہے — بیٹھا ہے بنکے دیکھنا یاروں کا یار آج

مضطر تجھے تو ایک طرح پر قرار ہے ۔ انجام بے طرح ہے نہ آغاز بے طرح

سنوں زاہد سے ذکر حور کیونکر ۔ کروں آنکھوں سے اُنکو دور کیونکر

ترے سنگ جفا سے اے ستمگر ۔ ہوا ہے شیشۂ دل چور کیونکر

کیا ہے وعدۂ دیدار اُس نے ۔ کروں گا سیر کوہ طور کیونکر

بتوں کے عشق کا اللہ اکبر ۔ کریں گے شیخ جی مقدور کیونکر

چہ نسبت خاک را با عالم پاک ۔ کہوں اُس حور وش کو حور کیونکر

یہ کس کے نور کی جلوہ گری ہے ۔ در و دیوار ہے پُر نور کیونکر

نہ ہوتا گر اُسے منصور کرنا ۔ انانیت نہ ہوتی دور کیونکر

عدو نیش زن ہے گھر تمہارا ۔ نہ ہوگا خانۂ زنبور کیونکر

فراق یار میں دن رات مضطر ۔ گذارے ہی دل رنجور کیونکر

پردہ رُخ انور سے اُٹھایا نہ کسی روز ۔ موسےٰ کی طرح ہم کو گرایا نہ کسی روز

بیکس کی طرح صفحہ ہستی میں پڑا ہوں ۔ جوں حرف غلط اُس نے اٹھایا نہ کسی روز

دل میں بھی تو رہکر وہ رہا شکل تصور ۔ آنکھوں میں بھی رہ کر نظر آیا نہ کسی روز

تو تو ہے دل میں ولیکن بدگمان ہیں اسقدر ۔ ڈھونڈھتے پھرتے ہیں تجھ کو غیر کے مسکن کے پاس

زاہد ہمارے بت سے نہ منکر ہو تو کبھی ۔ نکلے کہیں نہ حشر میں بیٹھا خدا کے پاس

اے دل میں خاک عشق بت سیم تن کروں ۔ کوڑی بھی ہے کفن کو کہیں بینوا کے پاس

رہتے ہی نہیں سامنے اُس ہوش ربا کے ۔ دل میرا کجا عقل کجا اور کجا ہوش

لایا تھا اُسے جذبۂ دل کھینچ کے مضطر ۔ قسمت تو مری دیکھنا کس وقت چلا ہوش

آگے ملتے تھے کب وے پُرے شخص — اب تو ملتے ہیں پیسے پیسے شخص

بھول جاتے ہو کبریائی کو — زاہد و بُت ہیں ایسے ویسے شخص

دیکے دل تجھ سے مانگ لیتے ہیں — رہ گئے اب تو ایسے ایسے شخص

چل کے آئینہ خانہ میں دیکھو — سیکڑوں ہی ہیں تم سے جیسے شخص

حال مضطر کا پوچھ کر بولے — مجھ کو بتلاؤ ہیں وہ کیسے شخص

درد دل کے ساتھ ہجر میں کیا کیا کیا نہ تھا — اب میرے ساتھ دیکھئے کیا رنگ لائے عشق

کیونکر بتوں سے جا کے کہیں ماجرا اے دل — جب تک ہمارے قابو میں یارب آئے دل

تجھ کو دل دیکے ہم ارمان لئے بیٹھے ہیں — گھر میں مہمان سے مہمان لئے بیٹھے ہیں

قیس دیوانہ تھا جاتا تھا جو صحرا کی طرف — گھر ہی وحشت سے بیابان لئے بیٹھے ہیں

خاک اب لیں گے ترے ناز و کرشمے مجھ سے — وہ تو پہلے ہی مری جان لئے بیٹھے ہیں

ان بتوں کا کبھی ایمان ٹھکانے نہ لگا — اک خدائی کا تو ایمان لئے بیٹھے ہیں

میری سنتے ہیں نہ وہ کہتے ہیں اپنی مجھ سے — گویا تصویر کے مُنھ کان لئے بیٹھے ہیں

آج کل حضرت مضطر کو کہاں فرصت ہے — جب اُنھیں دیکھئے دیوان لئے بیٹھے ہیں

نہیں معلوم کس رشک مسیحا کی محبت میں — نہ نکلی اور نہ ٹھہری میری جان واپسیں برسوں

نہ ٹھہرا اضطراب دل کہیں بھی اپنا اے مضطر — بشکل زلزلہ پھرتا رہا زیر زمیں برسوں

خدا سے بتوں کو جدا جانتے ہیں — جو یہ جانتے ہیں تو کیا جانتے ہیں

وہی عشق کا کچھ مزا جانتے ہیں — اجل کو جو اپنی دوا جانتے ہیں

تمھاری نظر کو کوئی کچھ ہی جانے — مگر ہم تو تیر قضا جانتے ہیں

قیامت جسے جانتی ہے خدائی — اُسے ہم کسی کی ادا جانتے ہیں
کیا اُن سے غیروں کے شکوے کا شکوہ — تو فرمایا ہنسکر کے جا جانتے ہیں
کریں رند کیونکر نہ تعظیم واعظ — اُسے اپنا سب پیشوا جانتے ہیں
غرض کس کو ہے شعر خوانی سے مضطر — اُسے ہم تو اپنی دعا جانتے ہیں

کبھی یہ زاہد و کچھ منحصر نہیں لیکن — ملے جو مفت تو قاضی کو کیا حلال نہیں
بُرا کہیں تمھیں عاشق یہ ہو نہیں سکتا — تمھارے چاہنے والوں کی یہ مجال نہیں
خدا ہی جانے کسے دیکھتی ہے خلق خدا — وگرنہ ابروے جاناں تو کچھ ہلال نہیں
زوال حضرت مضطر کا سُن کے فرمایا — کمال حیف کہ وہ صاحب کمال نہیں

یا تو ہم تھے محفل دلدار میں — یا وہی محفل ہے چشم زار میں
جو مزہ ہے حسرت دیدار میں — وہ کہاں ہے دل وصال یار میں
مرگیا مضطر اُسے جنت نصیب — آدمی کیا خوب تھا گفتار میں

بعد فنا بھی دیدۂ حسرت کھلے رہے — جھپکی نہ آنکھ اپنی کبھی انتظار میں
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں — وہ اختیار میں ہیں نہ دل اختیار میں
میں روسیاہ نکلا ہوں ایسا کہ روز حشر — ڈھونڈھا ملا نہ ایک بھی مجھ سا ہزار میں
فرمایا دیکھ بھال کے مجھ کو شب فراق — رکھا ہے خاک زندگی مستعار میں
مضطر بڑے بڑوں کا بھی ہوتا نہیں شمار — روز شمار تو ہے بھلا کس شمار میں

تم سا جہاں میں دوسرا پیدا نہیں نہو — آئینہ لے کے دیکھ لو گر یقیں نہو
دل میں تو دیکھ بھال لو شاید یہیں نہو — گر وہ یہاں نہیں تو سمجھ لو کہیں نہو
کیونکر کہیں کہ دل میں وہ پردہ نشیں نہو — ممکن نہیں مکاں ہو لیکن مکیں نہو
آئینہ ہو نہ جائے کہیں راز عشق کا — دل میرا لے کے دیکھ لے جسکو یقیں نہو

بندگی کرتا ہے انساں دل کے ساتھ — گو لگا رہتا ہے شیطاں دل کے ساتھ
دل میں ارمانوں کی حسرت ہے یہی — کاش وہ ہو جائیں مہماں دل کے ساتھ
راہ الفت میں قدم بڑھتا رہے — منزل مشکل ہو آساں دل کے ساتھ
حسرت و یاس و غم و درد و الم — دیکھئے کیا کیا ہیں ساماں دل کے ساتھ
تجھ کو مضطر ہو گیا کیا عشق میں — کیوں ہوا جاتا ہی ناداں دل کے ساتھ

کبھی تو ترا وصل ہو ہی رہے گا — کہ تیری عنایت رہے گی ہمیشہ
گر لگے پیاس ترے عشق کے متوالوں کو — آب بن بن کے مئے ناب زمزم میں رہے

گھر میں آتے کہ نہ آتے وہ بلا سے لیکن — بھولے بھٹکے وہ مرے دل میں گذر تو کرتے
گوہر اشک پہ بھولے سے نہ کی اُس نے نظر — ورنہ جوہر پہ نظر اہل نظر تو کرتے

جور و جفائے یار کو سہ کے دم بدم — ہم آپ اپنے حق میں ستمگار ہو گئے
کیا کہہ کے بخشوائیں بھلا اُس سے روز حشر — ہم جس کے بال بال گنہگار ہو گئے
مضطر ہم اپنی جان سے بیزار کیوں نہوں — اپنے پرائے درپے آزار ہو گئے

قیامت آ چکی اب نہ اہد قیامت ہے — وہ آنے جانے کا وعدہ وفا نہیں کرتے
علاج درد محبت جو ہو تو کیونکر ہو — وہ اپنے ہاتھوں سے میری دوا نہیں کرتے
کریگا حشر میں زاہد سے بات بھی کوئی — بڑی خطا ہے جو بندے خطا نہیں کرتے
جبھی تلک ہے یہ دعویٰ سخن کا اے مضطر — ہم اہل بزم میں فکر رسا نہیں کرتے

دل کو تسکیں مگر نہیں آتی ۔۔۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی
مرنے جینے کی اے شبِ فرقت ۔۔۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی
دین و ایماں کی صورت عنقا ۔۔۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی
زاہدو کیا دھرا ہے کعبہ میں ۔۔۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی
ماسوا تیرے اے بُتِ کافر ۔۔۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی
بزم میں حال دل سُنائیں کیا ۔۔۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی
قاصد آئے جواب خط لے کر ۔۔۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی
آئینہ میں اُس آئینہ رو کو ۔۔۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی
بعد رنجش کے صلح کی ہم کو ۔۔۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی
تیری سی مہ لقا حسینوں میں ۔۔۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی
وصل جاناں کی ہم کو اے مضطر ۔۔۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی

بستے ہیں اس میں غم و درد و الم ۔۔۔ دل کی بستی بھی عظیم آباد ہے
فرق ہے مضطر امیر و داغ میں ۔۔۔ ایک شاعر ہے تو اک اُستاد ہے
مختصر کر کے میں ہر چند سناؤں لیکن ۔۔۔ حال دل میرا اُنھیں رام کہانی ہو جائے
گر نہ چھلا ہو ترا داغ محبت ہی سہی ۔۔۔ کچھ نہ کچھ پاس تو یاروں کے نشانی ہو جائے

پڑا ہوں بیکسی میں اے ستمگر سخت بیکس ہوں ۔۔۔ وطن کی یاد آتی ہی تو غربت کھائے جاتی ہے

فراق یار میں گذرے جو بے آہ و فغاں میری ۔۔۔ مری عمر رواں ہو کشتی بے بادباں میری
اُڑائے لاکھ فصلِ گل میں وہ طرز فغاں میری ۔۔۔ کہاں سے لائیگی بلبل دہن میرا زباں میری

تجھے معلوم ہی کچھ آتشِ سوزِ نہاں میری — قیامت ہے غضب ہے ایک اُف اے آسماں میری

جو میں بھولے سے بھی تیرا تصور بھول جاتا ہوں — تو کیا کیا یاد دلواتی ہیں تیری ہچکیاں میری

عجب کیا رنج دے مجھ کو یہ اندازِ سخن مضطرؔ — زمینِ شعر بنجائے زمین آسماں میری

جو میں پیتا ہوں زاہد آشکارا بادہ خواری ہے — جو تو چھپ چھپ کے پیتا ہو وہ اک پرہیزگاری ہے

لب پہ فریاد ہے نہ نالا ہے — ضبط نے اپنا بول بالا ہے

تو نے پردے سے مُنھ نکالا ہے — یا کہ عالم پہ پردہ ڈالا ہے

بوریا ہے نہ مرگ چھالا ہے — خاک پر بیٹھا اللہ والا ہے

دال میں کچھ تو کالا کالا ہے — آج وہ مست ڈھیلا ڈھالا ہے

سرد مہری سے یہ پڑا پالا — قطرۂ اشک میرا ژالا ہے

آگ اُلفت کی کیوں نہ جل اُٹھے — دل میں بیٹھا پرا گ والا ہے

کس سے اے چرخ میں کروں فریاد — کون اب میری سُننے والا ہے

ایک دم تھا جو میرے سینہ میں — ہمدم وہ بھی جانے والا ہے

ہجرِ جاناں میں حضرتِ ناصح — غم بھی مُنھ کا کوئی نوالا ہے

کوئی مشتاق ہے کوئی بیزار — عشق کا قصہ ہی نرالا ہے

رُخِ تاباں کہاں کہاں مہتاب — یہ اندھیرا ہے وہ اُجالا ہے

گر کے اُٹھ جانا اُٹھ کے گر جانا — وہ سنبھلنا ہے یہ سنبھالا ہے

داغؔ سے لطف ذوق تھا مضطرؔ — کون اب کہنے سُننے والا ہے

وہ کافر زمانے میں کیا کر نہ بیٹھے — خدائی کا دعوٰی اُٹھا کر نہ بیٹھے

مرے چاہنے کا سبب ہے تو یہ ہی — کہ تو فرض میرا ادا کر نہ بیٹھے

بتوں کی محبت کو اے حضرت دل | نصیبوں میں اپنے لکھا کر نہ بیٹھے
جو دل میں نہ آئے نظر کیطرح سے | مری آنکھ میں کیوں سما کر نہ بیٹھے

زمیں تھی اور نہ قائم آسماں تھے | ہمارے یار کے نام و نشاں تھے
نہ پایا مدعا دل کا کسی نے | کہ وہ نا مہرباں کیوں مہرباں تھے
کہیں کیا ہم کہاں تھے تم کہاں تھے | تمھیں ہم نے جہاں دیکھا وہاں تھے
کیا ہی کام لسانوں کا جا کر | مرے نالے اگرچہ بے زباں تھے

رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں | چھپا مثل نظر میری نظر سے
تری فرقت میں چھپکے ہو رہیں گے | ملے گا کیا دعا بے اثر سے

عدم کو ہستی سے ہم با وقار ہو کے چلے | پیادہ آئے تھے جب اب سوار ہو کے چلے
ہمارے حضرت دل سے تو پوچھے آ کر | یہ کس کے وصل کے امیدوار ہو کے چلے
ٹھکانا خاک ملے پیری و جوانی کا | سُرور ہو کے جو آئے خمار ہو کے چلے

(دیوان دوم)

اک نظر تو نے ستمگار اگر دیکھ لیا | پھر نہ دیکھے گا اُدھر کوئی جدھر دیکھ لیا
دیر سے کعبے کو تو جاتے ہوا حضرت دل | کیا بُرا حال ہو یاروں نے اگر دیکھ لیا
شاگرد سے ہوتا نہ وہ اُستاد سے ہوتا | جو کچھ کہ خدائی میں خدا داد سے ہوتا
تجویز سے ہوتا نہ وہ تدبیر سے ہوتا | ہوتا بھی جو کچھ وہ مری تقدیر سے ہوتا
جو کام ہوا حضرت مضطر سے ولیکن | وہ کام نہ سودا سے نہ وہ میر سے ہوتا
کسے معلوم تھا اے دل اُدھر ساری خدائی تھی | وگرنہ فیصلہ گھر میں بتوں سے میں نہ کر لیتا

بازیٔ عشق میں کس کس کو نہ کھوتے دیکھا
جان کو مال کو ایمان کو روتے دیکھا

اُن کے دو جسم بلا سے ہوں مگر اے مضطر
ایک دل عاشق و معشوق کے ہوتے دیکھا

اک تماشا سا تماشا تھا کرشمہ اُسکا
حور و غلماں نے ستمگر کی ادا کا دیکھا

توبہ کرتے ہی پھری نیت توبہ میری
اور عالم جو ابھی ابر و ہوا کا دیکھا

ہم نے اُس بُت میں جو دیکھا ہی کہیں کیا زاہد
گویا سر تا بقدم نور خدا کا دیکھا

اپنے عصیاں کے نہ صدقے ہوں نہ قرباں جائیں
ہم نے دن ورنہ کہاں روز جزا کا دیکھا

بحر ہستی میں بسر ہو گئی اپنی مضطر
بلبلا ورنہ کہاں آب فنا کا دیکھا

جان شیریں گنوا کے اے مضطر
کوہکن کو کہنی نہ کر جاتا

لاکھ پردوں میں چھپایا اُسے دل میں لیکر
راز پنہاں کی طرح اُسکو نکلنے نہ دیا

میری تسکین و تشفی نہ ابھی ہو جاتی
دل بیتاب کو یاروں نے مچلنے نہ دیا

بندہ خدا کا یوں ہی گنہگار تھا بتو
دل کو لگا کے اور گنہگار ہو گیا

کس کو طلب کروں میں شہادت کے واسطے
جب وہ ہی آکے میرا طلبگار ہو گیا

مضطر ہماری گور سے آئے گی یہ صدا
آئے یہاں وہی جو خبردار ہو گیا

اُڑتے کے پہونچی تا بہ فرش آسماں
نام خاکستر کا گردوں رکھدیا

کب بچا کوئی قضا و قدر سے
گرچہ مٹکے میں فلاطوں رکھدیا

ایک سُو تجھ کو یار ہونا تھا
یا ادھر ہوتا یا اُدھر ہوتا

یوں اُٹھاتا نہ در سے اے مضطر
ہم غریبوں کا گھر اگر ہوتا

نقد سخن تو داغ سخنور سے لٹ گیا
باقی تھا ملک و مال سو شش کے سے لٹ گیا

ایمان و دین و جان و جگر لے کے دل لیا
کیسا خراب ہو گیا جب گھر سے لٹ گیا

دارا کہاں ہے اور سکندر کہاں ہے اب
ان مرہٹوں کے نام کا باقی نشاں ہے اب

دیکھو نہ انقلاب سے کیا حال ہو گیا
وہ جو مکان پر تھا سو وہ بے مکاں ہے اب

گم گشتگی میں داغ کا اک نام رہ گیا
یہ تو کوئی بتائے وہ اہل زباں ہے اب

سارے جہاں میں آجکل ایسے ہی رہ گئے
کیا جانے کیا ہوا وہ فصیح اللساں ہے اب

کیونکر کہیں کہ وہ نظر آتا نہیں ہمیں
پردہ غبار دل کا یہاں درمیاں ہے اب

آئیں جو یاد مجھ کو یہ بندہ نوازیاں
میری جبین عجز ترا آستاں ہے اب

کہکر غزل جو لاؤں بھی مضطر تو کیا کروں
ہندوستاں میں بلبل ہندوستاں ہے اب

مضطر میں آپ الجھا ہوں زلفوں میں یار کی
سودا نہیں کہ آن کے دوں میر کا جواب

ہے مآل کار بد کا نام بد
میرے ہاں آکے دھر جاتے ہیں آپ

کعبہ والے دیکھکر کہنے لگے
خیر ہے مضطر کدھر جاتے ہیں آپ

ہیں از محبت تیرے اسرار محبت
سرشار محبت ہوئے غمخوار محبت

جور کی تیرے انتہا بھی ہے
ابتدا ہی ہے ابتدا کے بعد

میں طبیبوں سے ڈرتا رہتا ہوں
کیا کریں اے خدا دوا کے بعد

جیتے جی کی یہ بات ہے ورنہ
کون کس کا ہوا فنا کے بعد

کیا کہیں تجھ سے آہ اے مضطر
اب رہا کون میرزا کے بعد

میر کی طرز سخن یاد جو آئی مضطر
بحر غربت میں ہوا غرق غزل کا کاغذ

(مرزا نواب مرزا داغ دہلوی)

تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر
اپنے نالوں میں تو اتنا تو اثر پیدا کر

داغ سینے پہ مرے کیوں نہ کھلیں اے مضطر
پھول کھلتے ہیں تو ہوتی ہے گلستاں کی بہار

غنچے کہتے ہیں یہ منھ کو پھوڑ کر
ہم کو بھی تو سر چڑھا لو توڑ کر

دکھلا رہا ہے سینے میں کیا کیا بہار داغ
لالہ میں ایک داغ ہے دل میں ہزار داغ

بت یہ کہتے ہیں اگر خدا ہوں ہم
اک خدائی کے آشنا ہوں ہم

ابتدا ہوں کہ انتہا ہوں ہم
ہم نہیں جانتے کہ کیا ہوں ہم

دل کو دیکھوں کہ دلربا دیکھوں
یہ تو بتلائے کوئی کیا دیکھوں

ابتدا دیکھوں انتہا دیکھوں
اور کیا چیز اے خدا دیکھوں

حال میرا رقیب سے کہنا
کیا وفا ہے تری وفا دیکھوں

آخر وصال یار بھی ہو جائے گا مگر
فرقت تو چند روزہ ہے کچھ دائمی نہیں

صیاد سے یہ کہتا ہوں رو رو کے بار بار
بجلی گری ہو جس پہ مرا آشیاں نہ ہو

میرے دل میں جو کبھی اس کی سمائی ہوتی
بخدا ساری خدائی میں خدائی ہوتی

آتش عشق میں جلتا نہ پتنگے کی طرح
میرے یاروں نے اگر دل میں لگائی ہوتی

دل کا کھٹکا تو نکل جاتا مرے سارے مضطر
کل جو آنی تھی بلا آج ہی آئی ہوتی

مانگتے ہیں دل مرا مجھ سے اُدھار
کیوں نہ قرباں جاؤں قرض و دام کے

کام کوئی عشق میں بنتے نہیں
ہو گئے کیسے نکمتے کام کے

خط نستعلیق لام زلف ہے
کیوں نہ گرویدہ ہوں ہم اس لام کے

جو بلا آئے ہمارے سر ہی ہو
اور بھی تو ہیں ہمارے نام کے

داغ دل کے ماسوا کیا کیا بلا
گو نہ تھے طالب کبھی انعام کے

یہ سخن کی نال کب مضطر اُٹھے
کیوں نہ چھلکے چھوٹیں زال و سام کے

روکے نابینا کے آگے اپنے دیدے کھوئیے
وہ مثل ہی شام کے مُردے کو کبتک روئیے

جان شیریں کو گنوایا عشق میں تو کیا ہوا
کوہکنی کو چھوڑ کر فرہاد پتھر ڈھوئیے

دیکھئے کیا برگ و بار اس نخل الفت میں لگیں
تخم الفت کا زمین شور میں تو بوئیے

جو کچھ ہوتی تھی وہ سب بیزار سانی ہو چکی
قبر میں آرام سے اب پڑ کے مضطر سوئیے

دھر سے ابر اُٹھ کر جو گیا ہے
ہماری خاک پر وہ رو گیا ہے

خدا جانے وہ آئے یا نہ آئے
نہیں معلوم پر کہہ تو گیا ہے

ہمارے داغ عصیاں کو تو کافر
ابھی سے ابرِ رحمت دُھو گیا ہے

انتخاب مثنوی ختم الطعام موسوم بہ "راز حقیقت"

گھڑی جب چھٹی آن پہونچی وہاں
تو تاریک ہونے لگا سب جہاں

یہ تاریکی روئے زمیں پر ہوئی
کہ یلدا نہ اُس کے برابر ہوئی

کہ یہ نور تھی وہ شب تار تھی
وہ جوں خالِ زنگی نمودار تھی

نشاں نور کا واں نہ تھا زینہار
کہ ہو لیل سے امتیازِ نہار

گھڑی جب نویں آن پہونچی مگر
مسیحا لگے کہنے اک نعرہ کر

الٰہی الٰہی بھلا کس لیئے
کیا تو نے مجھ کو جدا کس لیئے

میں راضی تھا جس میں تھی تیری رضا
جو تیری رضا تھی وہ میری رضا

مگر پھر مسیحا نے اک نعرہ کر
جدا جسم سے جان کی لے خبر

بلند اُس نے ایسا یہ نعرہ کیا
زمیں ہل گئی آسماں ہل گیا

حقیقت کا پردہ میاں سے وہیں
ہوا شق بحکم جہاں آفریں

زمیں مضطرب ہو کے بیتاب تھی
زمیں تھی الٰہی کہ سیماب تھی

اُسے تاب اصلا نہ تھی زینہار
کہ گاو زمیں تھی زبس بیقرار

جگر سے پھٹے کوہسار بلند ۔ ۔ ۔ پڑے جانکنی رشتہ ارجمند
ہوئے چشمۂ کوہ بھی اشکبار ۔ ۔ ۔ کہ نالوں نے فرصت نہ دی زینہار

انتخاب از غیاث المضطر نوحۂ داغ

صبر و شکیب و طاقت ضبط فغاں نہیں ۔ ۔ ۔ کہنا پڑا کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں
غمخوار و یار و مونس و ہمدم یہاں نہیں ۔ ۔ ۔ کس کو سنائیں حال کوئی مہرباں نہیں
اک داغ تھا سو وہ بھی تہ آسماں نہیں

ملک سخن میں داغ تو ہر دلعزیز تھا ۔ ۔ ۔ مانے حریف اسکو نہ مانے تو اس سے کیا
جو کچھ کہیں گے اُسکے لئے ہو وہ سب بجا ۔ ۔ ۔ مضطر زبان خلق ہے نقارۂ خدا
باقی اگرچہ ہند میں اسکا نشاں نہیں

آغاز ہاے نالۂ شور و فغاں سنو ۔ ۔ ۔ بیٹھو جگر کو تھام کے دردِ نہاں سنو
یہ شور الغیاث تہ آسماں سنو ۔ ۔ ۔ دو تین نالے ہم سے بھی پیر و جواں سنو
تلمیذ داغ دہلوی ہیں نوحہ خواں نہیں

دنیا سے ہاے روح فصیح البیاں گئی ۔ ۔ ۔ وہ کیا گئی فصاحت ہندوستاں گئی
بزم جہاں سے رونقِ اہل زباں گئی ۔ ۔ ۔ گویا کہ جسم خلق سے روحِ رواں گئی
جسم سخن میں ہاے وہ اب لطف جاں نہیں

دلّی میں مرمٹوں کا یہی غمگسار تھا ۔ ۔ ۔ اچھا تھا یا برا تھا مگر یادگار تھا
اے چرخ نابکار تجھے جس سے خار تھا ۔ ۔ ۔ وہ تو غریب آپ ہی یاروں کا یار تھا
پامال تجھ کو کرنا تھا اے بدگماں نہیں

طفلی جوانی اُسکی تھی پیری شباب تھی ۔ ۔ ۔ جو بات داغ کی تھی وہی لاجواب تھی
ہم کیا کہیں طبیعت عالی جناب تھی ۔ ۔ ۔ صد انتخاب میں سے کہیں انتخاب تھی
کلک زباں میں طاقت شرح و بیاں نہیں

ہے ہے سر جنازہ "وفا" نوحہ خواں ہوئی　　باصد نگاہ یاس سوے آسماں ہوئی
سرگرم آہ و نالۂ و شور و فغاں ہوئی　　کہہ کہہ کے ہاے داغ وہ نالہ کناں ہوئی
ہنگامہ نعش پر تھا "وفا" نوحہ خواں نہیں

بے داغ بزم اہل سخن میں یتیم ہوں　　میں کس کے پاس بیٹھ کے جانوں ندیم ہوں
غیروں کے پاس رہ کے میں کیونکر مقیم ہوں　　میں آشناے داغ سخنور قدیم ہوں
کس طرح بیٹھ جاؤں وہاں وہ جہاں نہیں

میری دعاے خیر پہ اب اختتام ہو　　جبتک کہ دور چرخ بریں صبح و شام ہو
جبتک کہ آسمان و زمیں کو قیام ہو　　جبتک کہ آفتاب سر چرخ بام ہو
ہو بندگان عالی سے خالی جہاں نہیں

تاریخ مرگ داغ سخنور بہ نالہا　　پوچھا جو شاعری سے وہیں ہم نے برملا
چشم پُر آب ہو کے بصد یاس یوں کہا　　مضطر ہمیں تو غیب سے آتی ہے یہ صدا
لو باغ میں وہ بلبل ہندوستاں نہیں

نمونہ کلام جیمیس کارکرن

ماخوذ از تاریخ ممالک چین مطبوعہ ۱۸۶۴ء

ہنر پر نہ بھول اپنے اے پُر ہنر　　کہ تو ہی ہنر سے نہیں بہرہ ور
گلستاں میں ہیں پھول اقسام کے　　مگر ایک سے ایک ہیں کام کے
ہے مہتاب ہر چند عالم فروز　　و لے بے حقیقت ہے ہنگام روز
چہ خوش گفت گویندۂ نیک مرد　　خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

دلا ملک دنیا پہ مت جی لگا　　کہ پل بھر میں سب کچھ یہ ہوگا فنا

اگر آسماں کینہ جوئی پہ آئے | تو دم بھر میں کچھ اور ہی کر دکھائے

ہے منارہ کہ اک عمارت نور | جسکی ہر سمت نور کا ہے ظہور
اُسکے نقشوں کو گر کرینگے یاد | چین بانیں گے مانی و بہزاد
گر کریں فکر سے وہ دامن چاک | کھچے اُن سے نہ اُسکا خاکہ خاک
کہیں اسکو تو عقل سے ہے قریں | فی الحقیقت نگار خانہ چیں

جنگلوں میں بہار گلشن ہے | رشک گلشن وہاں کا گلخن ہے
گل و سنبل کے ڈھیر ہیں ہر جا | بلبلوں کی بھیر ہیں ہر جا
عیش بازار ہر طرف ہیں لگے | ہیں خریدار شوق سے پھرتے
عشرت آرام ہر جگہ موجود | شہر کیا بلکہ خانۂ بہبود

مال و محنت سے کوسوں دُور ہیں | محنتی اس مرض میں رنجور ہیں
سنگ غم سے روز و شب صبح و مسا | مثل شیشہ پتھروں سے چور ہیں
عالم فانی کی یارو چال دیکھی ہے عجب | اس جہاں سے جو گیا ویسا نہ آیا پھر کوئی
بازیٔ دنیا کے ہر ہر دانہ میں اے ہمنشیں | کھو رہا ہاتھوں سے جو ویسا نہ پایا پھر کوئی

باغ میں بلبل یہی کہتی تھی کل صیاد سے | کب قفس کو چھوڑ کر ظالم قفس میں جا دیں ہم
رہیں سب لوگ عیش و راحت سے | رنج پہونچے نہ دست آفت سے

رتبہ بلند کیوں نہو اس سرزمین کا | مسکن یہاں تھا مدتوں فغفور چین کا

جس سے انسانیت عبارت ہے، وہاں ہر ایک کی وہ عادت ہے
پاک نیت خجستہ خصلت ہیں ہر طرح سے وہ سب غنیمت ہیں

کلام فارسی

چو سرطاں برون آید از قعر آب هوا چوں خورد سنگ گردد شتاب
کہ چوں سنگ خارا شود گوشت او همان استخوان و همان پوست او
کہ آگاه بدزان بهندوستان نہ حالش نوشتہ کس از پاستان
مورخ بسے زیر گل خفتہ اند بملک عدم بے خبر رفتہ اند
کنوں کاکرن گفت حالش تمام خدایا وراکن بسے نیک نام

منقّش یکے مرمر آمد پدید بہ نقشے کہ بر نقش چیں خط کشید
درو نقشۂ باغ و فصل بہار شگفتہ گلاں ہر طرف صد قطار
درختان خوش قامت و سربلند بدیدن همانا بسے ارجمند
درو نقشۂ کوه و بحر دراز منقش شد از قدرت بے نیاز

اگر کیمیا گویم ایں خاک را زناپاک تشبیہ دہم پاک را
همی یاد دارم من ایں داستاں همانا کہ از گفتۂ پاستاں
یکے کور در رہ نشستے مدام کہ در دور عیسےٰ علیہ السّلام
چو بگذشت یک روز روح اللہ بنزد همان کور حالت تباه
بدو گفت عیسےٰ علیہ السّلام چہ خواہی بیان کن بشرح تمام
بگفتا کہ من چشم خواہم همی مراد خود از تو بجویم ہمے
چو بشنید عیسےٰ فرح سیر بسے مہرباں شد براں بے بصر

زلب کرد خاک کے ہماں وقت تر | بمالید در چشم آں بے بصر
ہماں وقت آں کور بینندہ شد | ستایش کنِ آفرینندہ شد
بباوے کہ شاید درانجا وزید | ازاں خاک بہرے درینجا رسید
زمین ہماں خاک پر مکرمت | شد ایں خاک چیں کیمیا خاصیت

کلام اُردو

دُکانیں قطع دار ہر سو بنیں | قرینے سے انواع چیزیں چنیں
کسی سمت میووں کا بازار ہے | کسی جا پہ پھولوں کا انبار ہے
مٹھائی کی دوکاں پہ یکسر ہجوم | مگس شہد پر جیسے گرتی ہی جھوم
مٹھائی جو نسرہا لب پہ دھرے | تو شیریں سے دل اپنا کھٹا کرے
کوئی سُرجنر وپان سے ہے بیچتا | رگ تان سے جان ہے اینچتا
جہاں عطر والوں کی دوکان ہی | تو پھر واں معطر دل و جان ہے
کھلونے عجائب دھرے یک طرف | غم دل جسے دیکھ ہو برطرف
جواہر کی دوکاں پہ ایسی چمک | کہ خود جوہروں میں نہیں وہ دمک
کہیں اطلس چیں کی پوشاک ہے | کہ شائق کا دل اس پہ صد چاک ہے
ہوئی شب تو پھر ہے عجائب سماں | کہ یکسر منور زمیں آسماں
غرض خوبیاں ایسی سارے دور ہیں | نہوں کیونکہ آخر ہے بازار چیں

نمونہ انشر مقفیٰ

خلق کا جمگھٹا لب آب پر۔ سب کی نگاہیں روئے آب پر۔ اہل شوق ہزار در ہزار۔ کوئی کسی سے بغلگیر کوئی کسی سے ہمکنار۔ کہیں خوشی کا جلسہ ہو رہا ہے کہیں سخن کا چرچا ہو رہا ہے۔ کہیں نوشا نوش ہے۔ کوئی سرخوش ہے کوئی مدہوش ہے۔ کوئی کسی کی تاک جھانک میں مشغول ہے۔ کسی کا داغ جگر پھول ہی۔ کوئی اپنی پوشاک کی

پھبن پر مغرور ہے۔ کوئی اپنی بے تو شگی پر مسرور ہے۔ کہیں واہ واہ کا شور مچ رہا ہے کہیں صلِّ علیٰ کا غل پڑا ہے۔ کہیں ناز ہے کہیں نیاز ہے۔ غرض اُن مجموعوں کا عجب انداز ہے۔

کلام مظلوم دہلوی

اگر ہے یہی ناتوانی ہماری — تو بس ہو چکی زندگانی ہماری
کہاں ہے تو اے نوجوانی ہماری — کہ بے لطف ہے زندگانی ہماری
عدو کے برابر سمجھتے ہو ہم کو — بہت خوب کی قدردانی ہماری
نشانی کو چھلا جو مانگا تو بولے — ترا داغ دل ہے نشانی ہماری
وہ پیری میں مظلوم اب کے دیکھے — جسے یاد ہو نوجوانی ہماری

کیا کہا تم نے کہ تیرا دل گیا — گو گیا مجھ سے تمھیں تو مل گیا
دیکھنا یہ کھیلی کس کے سر پہ موت — کس طرف خنجر بکف قاتل گیا
شکوہ کیا بوسہ نہیں گالی سہی — جو مری تقدیر میں حاصل گیا
مجھ سے جب بگڑی ملا وہ غیر سے — غیر سے بگڑی تو مجھ سے مل گیا
اس طرح مظلوم نے نالے کئے — وہ تو وہ اغیار کا دل ہل گیا

ٹھہری جو آج وصل کی اے مہ جبیں نہیں — تو جان لے کہ جسم میں جانِ حزیں نہیں
مرنے کے بعد بھی ہمیں راحت کہیں نہیں — پھیلاؤں پاؤں اتنی میسّر زمیں نہیں
دنیا سے کچھ غرض ہے نہ عقبےٰ سے کام ہے — میں تیرے در سے جاؤں گا اُٹھکر کہیں نہیں
توبہ کروں گناہوں سے ہوں شرمسار میں — اتنی بھی مہلت اب تو دمِ واپسیں نہیں

عالم کی سیر کرتے ہیں گردن کو ڈال کے
ہیں بادہ کش فریفتہ بزم خیال کے

ساقی شراب کہنہ کے پیاسے ہیں رندمست
دیدے کوئی گڑی ہوئی بوتل نکال کے

جو دیکھتے تھے پہلے نگاہوں سے پیار کی
اب ہم کو دیکھتے ہیں وہ آنکھیں نکال کے

تم رنج دو تو موجب آرام ہے ہمیں
روز ازل سے ہم تو ہیں خوگر ملال کے

واعظ کبھی نہ تیری اطاعت کریں گے یہ
رندان مست پیر مغاں کے ہیں بالکے

چھری گو کہ گردن پہ چلتی رہی
دعا تجھ کو منھ سے نکلتی رہی

اُڑا دے گی اک دن فلک کے دھوئیں
یونہی آہ گر اپنی چلتی رہی

دم ذبح تڑپا بڑی دیر میں
طبیعت جو اُن کی بہلتی رہی

رکاوٹ نہ تھی تیرے دل میں تو کیوں
چھری تیری رک رک کے چلتی رہی

طبیعت مری آتش ہجر سے
ہمیشہ ہی مظلوم جلتی رہی

کلام نظم لکھنوی

جو درد ہے دل میں وہ نہاں ہو نہیں سکتا
مجبور ہیں ہم ضبط فغاں ہو نہیں سکتا

کیا جانیے کیا اس پہ ترے ہجر میں گذری
جو حال ہے دل کا وہ بیاں ہو نہیں سکتا

اے دیدۂ تر دیکھنے آئے ہیں وہ رونا
اک اشک بھی اب تجھ سے رواں ہو نہیں سکتا

صورت کہے دیتی ہے جو کچھ حال ہے دل کا
الفت کا مرض نظم نہاں ہو نہیں سکتا

جاہتے ہیں سبب رنج کوئی جان بھی لے
اور جو حال ہے وہ صاف بتاتے بھی نہیں

ہاتھ رندوں کے جو پڑ جاتے کہیں اے واعظ
سر پہ دستار تم اپنے کبھی پاتے بھی نہیں

خوشامد ہی کرتے شب وصل گذری
انھوں نے نہ اک بات مانی ہماری

اُدھر سے رکھائی ادھر سے لگاوٹ
لڑکپن ہے اُنکا جوانی ہماری

جب کبھی تم سنگار کرتے ہو
دل مرا بیقرار کرتے ہو

تم جو دشمن کو پیار کرتے ہو
یہ بڑا ظلم یار کرتے ہو

ایک بوسہ لیا بتاتے ہو دس
تم غلط یہ شمار کرتے ہو

ابر اُٹھا میکدے چلو رندو
کس کا اب انتظار کرتے ہو

تاک کر پھینکتے ہو تیرِ نظر
خوب دل کا شکار کرتے ہو

ہم بھی ہیں غیر بھی ہیں سچ کہدو
دل سے تم کس کو پیار کرتے ہو

اُسکو پروا نہیں تمھاری نظمؔ
جس پہ تم جاں نثار کرتے ہو

اُسکی جانب ہائے کیوں اے دل گیا
ہم ہوے رُسوا تجھے کیا مِل گیا

ہم نے وہ نالے شبِ فُرقت کئے
سُننے والوں کا کلیجہ ہِل گیا

قبر میں بھی چین سے سوئے نہ ہم
مر گئے پر بھی نہ دردِ دل گیا

وہ جو بیٹھے آکے پہلو میں مرے
چین آیا، اضطرابِ دل گیا

نظمؔ اس میں ہے قضا کا کیا قصور
خود میں سوئے کوچۂ قاتل گیا

انتخاب کلامِ کلاڈیس بیکسٹر نظمؔ لکھنوی)

ہوا جو کام اک جنبش میں ابروے ستمگر سے
نہ وہ تلوار سے ہوتا نہ پیکاں سے نہ خنجر سے

ذرا مضبوط رہنا سنگِ فرقت کے اُٹھانے کو
تجھے اے شیشۂ دل سامنا کرنا ہے پتھر سے

بوقت بادہ نوشی خون کی تولید ہوتی ہے
بڑھے گی زندگی ساقی شرابِ روح پرور سے

ہماری آہ یہ کہتی ہوئی جاتی ہے اُس بُت تک
الٰہی شرم رکھنا سامنا کرنا ہے پتھر سے

سُنا ہے اک نگاہِ ناز کردیتی ہے دیوانہ
الٰہی تو بچانا مجھ کو اُس چشم فسونگر سے

بہشت آخر ہوئی شداد کی نظروں سے پوشیدہ
کوئی تدبیر انساں کی نہیں چلتی مقدر سے

جب آنکھیں چار ہوتی ہیں جگر کے ٹکڑے ہوتے ہیں
نگاہیں میرے قاتل کی کہیں ہیں تیز خنجر سے

خدارا اے قضا تو ہی کہیں امداد کر میری
نکلتی ہی نہیں یہ شام فرقت اب مرے گھر سے

دکھا دے جلوۂ رخسار کچھ تسکین ہو جائے
لگی ہیں طالب دیدار کی آنکھیں ترے در سے

لب زخم انتہا کے خشک ہیں تشنہ دہانی سے
ارے قاتل بجھا دے پیاس اُنکی آب خنجر سے

خبر اُنکو ملی جب عاشق شیدا کے مرنے کی
لگے کہنے بلا سے خیر آفت تو ٹلی سر سے

ہماری آرزو کوئی نکلنے ہی نہیں دیتا
بہت عاجز ہیں ہم اے نظم اس چرخ ستمگر سے

تاثیر ہونے دو تو ذرا میری آہ میں
دیکھوں اٹک اٹک کے پھر آتے ہو راہ میں

اب تو یقیں ہے اُٹھ کے نہ بیگانوں پہ پڑے
دل چھد کے رہ گیا ہے خدنگ نگاہ میں

تعریف اُنکی خوب کرینگے شب وصال
مطلب یوں ہی نکالیں گے ہم واہ واہ میں

نظارہ ہی نہ کرنے دے جب اپنی بیخودی
پھر کیا کریں ہم آکے تری جلوہ گاہ میں

کب دیکھیں ہم کو قید محبت سے ہو نجات
اس دل نے ہائے لیکے ڈھکیلا ہی چاہ میں

جب جاؤ آستان پہ دربان کہتے ہیں
سرکار سو رہے ہیں ابھی خوابگاہ میں

کہئے کدھر وہ سنگدلی آپ کی گئی
دل کو پکڑ کے بیٹھ گئے ایک آہ میں

مژگاں ہوں کیوں نہ سایہ فگن چشم مست پر
ہے لطف میکشی کا بھی ابر سیاہ میں

پیتا نہیں ہے شیخ تو اے نظم تم چھوڑ دو
بیٹھے بٹھائے پھنستے ہو ناحق گناہ میں

واکر

رُخ شعلہ ہے تن نور ہے بلور کی ہڈی
کیوں رشک سے تیرے نہ جلے حور کی ہڈی

او طالب دنیا تجھے عبرت نہیں آتی
کھائی دہن خاک نے فغفور کی ہڈی

گر راست ہو قسمت ہو کبھی باعث دولت ۔۔۔ مشہور ہے کج پانؤں میں تیمور کی ہڈی
تاثیر دم سرد کی ظاہر ہوئی جب سے ۔۔۔ تن ہو گیا یخ بن گئی کافور کی ہڈی

صاحبؔ

(مسٹر اے ڈبلیو سنگیسٹر)

یوں تو دنیا میں کئے کام ہزاروں لیکن ۔۔۔ اک بجز عشق کے ہر کام کو آسان دیکھا

گریں بجلیاں میرے دل پر ہزاروں ۔۔۔ مزہ دے گیا مُسکرانا کسی کا

رونقؔ لکھنوی

(لیسٹر این ڈیسنی)

تم کو نہیں فرصت کہ جو تم آؤ مرے گھر ۔۔۔ کیا مجھ کو بُلانا بھی وہاں ہو نہیں سکتا

کاملؔ

(مسٹر ای۔ اے جوزف)

دل جلایا نہیں اگر تم نے ۔۔۔ شعلے اُٹھتے ہیں کیوں مرے دل سے

بیچکر دستار کو اے شیخ جی ۔۔۔ آجکل پینا پلانا چاہیے
دل مرا تلودں سے ملکر یوں کہا ۔۔۔ خاک میں اسکو ملانا چاہیے

کلام بتورسیوس کلیمنٹ آگرہ

مرثیہ

مارا عیسےٰ کو دشمن نے ہا ﺳﮯ

دشمنوں نے کہا شہ سے جانو عیسےٰ اس ہی کو کہتے ہیں مانو
خون اس کے بہاؤ بدن سے

مُنھ پہ تھوکا طمانچے بھی مارے پڑ گئے نیل کوڑوں کے سارے
اُس کی پوشاک اُتاری بدن سے

تاج کانٹوں کا اُس کو پنہایا ہائے دشمن کا دشمن بنایا
خار رُو رُو کے کہتے ہیں بن سے

ہاتھ پیروں میں کیلوں کو ٹھوکا اور اُٹھائی صلیب دے کے جھوکا
خون جاری ہوا پاک تن سے

جب صلیب پر ہوا عیسےٰ پیارا سر کہ اُس کو چٹایا کہ سانا
دم نکل جائے اُس کے بدن سے

پیارے عیسےٰ کو برچھا جو مارا دل میرا ہوگیا پارا پارا
خون دیکھا جو بہتا بدن سے

اب کہاں چھوڑ ہم کو ہو جاتے کاہے ہم کو بروگی بناتے
تم نے تو ہے لگائی وطن سے

ہائے کیا میں نے حق کی خطا کی جو جدائی کی مجھ کو سزا دی
کیا ہٹایا مجھے اپنے من سے

پرتگالی نسل کے اُردو شعرا

(۱) ایلس ڈی سلوا۔ فطرتؔ
(۲) آگسٹین ڈی سلوا۔ مفتوںؔ
(۳) حکیم جوزف ڈی سلوا۔ ڈی سلوا
(۴) حکیم جوائکن ڈی سلوا عرف گسٹین ڈی سلوا۔ فطرتؔ
(۵) حکیم الیاس پیڈرو ڈی سلوا۔ عبرتؔ
(۶) حکیم والسنس ڈی سلوا۔ فطرتؔ
(۷) حکیم ایلس ڈی سلوا۔ عاصی
(۸) والسنس فرانسس۔ لاغرؔ
(۹) نفیسؔ
(۱۰) جوزف مینول۔ جوزفؔ (پٹنہ)
(۱۱) ڈی کاسٹا (کلکتہ)
(۱۲) جان ڈی کاسٹا۔ سیفؔ (کاسگنج)

انتخاب کلام ایلس ڈی سلوا فطرت

درد فرقت سے ترے شیدا جو گرم نالہ تھا | ہر ستارہ پھر لب افلاک پر تبخالہ تھا

جو شب کو خواب میں آیا وہ چشمۂ حیواں | بہائے چشم نے رو رو کے خواب میں دریا

قاتل نے مجھ کو غوث کا کیا مرتبہ دیا | سر ہے کہیں بدن ہی کہیں دست و پا کہیں

دل کو چھیدا سینہ چیر اکاٹا سر باندھے ہاتھ | تیر نے خنجر نے تیغ و طرۂ طرار نے

حکیم مفتوں

لٹکی جو اُنکی زلف گرہگیر ہاتھ بھر | پاؤں کی بڑھ گئی مرے زنجیر ہاتھ بھر

قاتل کے دل کو آپ سے گر کر بڑھا دیا | اوچھی پڑی تھی ورنہ وہ شمشیر ہاتھ بھر

کس جا پہونچ کے آہ تھکی دیکھئے نصیب | جس وقت رہ گیا فلک پیر ہاتھ بھر

قاتل کو رحم دیکھئے آیا ہے کس گھڑی | پہلو میں جبکہ غرق ہوا تیر ہاتھ بھر

جلاد کے جو پاؤں میں کی گدگدی تو پھر | تیغہ اُگل پڑا دم تکبیر ہاتھ بھر

تیر نگاہ کس کا لگا دست زور سے | آلودہ خوں جو اُچھلے ہی نخچیر ہاتھ بھر

یکدست وصف دست نگاریں رقم کروں | کاغذ کا بند ہو چکے تحریر ہاتھ بھر

ذکر اس مژہ کا ہو جو مرقع کی سیر میں | کر جائے جست آہوے تصویر ہاتھ بھر

رنگ حنا میں بوے وفا کا نہیں ہی نام
مفتوں کے خوں میں اے بُت بے پیر ہاتھ بھر

کوچہ ترا پسند ہے تیرا مکاں پسند — آگے تری زمیں کے نہیں آسماں پسند

تل بھر سفید صفحہ نہیں وصف خال سے — کیونکر کریں نہ شعر مرا نکتہ داں پسند

پھیرو نہ بدمعاملگی سے خرید کر — دل آ گیا ہے گر یہ تمھارے میاں پسند

بل بے ترا طلسم جنوں میں تو کیا مری — تصویر کو بھی جامہ کی ہیں دھجیاں پسند

مفتوں ہیں تم اُنکے پیچھے بھلا کیوں جلاؤ دل
آتش اُنھیں پسند نہ اُنکو دھواں پسند

مطلقاً بو سے معطر نہیں تصویر کے پھول — شوخ اس رنگ میں ہیں بانیٔ تقدیر کے پھول

اے مصور نہ بنا ہنستی ہوئی میری شبیہ — کھلتے دیکھے ہیں کہیں غنچۂ تصویر کے پھول

سیکڑوں بند زباں ہیں لب خنداں لاکھوں — یہ کھلائے ہوئے ہیں آپ کی شمشیر کے پھول

قید ہونے کی خبر موسم گل میں جو سنی — دست و پا صاف گئے نام سے زنجیر کے پھول

عشق انگیز یہ صحرا وہ زمیں حسن انگیز — ہند کے خار کہاں گلشن کشمیر کے پھول

زخم دل کی مری صورت جو اُنھوں نے پوچھی — میں نے دکھلا دیے گلشن میں کئی چیر کے پھول

کانٹا کر دیں گے نہ کھا فکر و تردد تجھ کو — مت دلا ملنے سے تو منصب و جاگیر کے پھول

بعد مردن مجھے رویا نہ کوئی غیر از شمع — چڑھے تربت پہ بھی تو ہاتھ سے گلگیر کے پھول

اشک خونیں ہیں کہاں نوک مژہ پر مفتوں
پھل یہ برچھی کے نظر آتے ہیں اور تیر کے پھول

نکالوں کس طرح پہلو سے ٹکڑا اُسکے پیکاں کا — کہ مدت میں گذر دل میں ہوا ہے آج مہماں کا

عجب تیرے کشتے کا دیوانہ پن ہے — نہ ثابت لحد ہے نہ تار کفن ہے

دیکھکر مو باف زریں اُسکے مفتوں جعد میں — خلق کہتی ہے پڑی بجلی شب دیجور پر

تجھکو میری قسم اتنا دل مضطر نہ تڑپ — برق کہتی ہے یہ بیتابی سے ہر بار کہ بس

میکشو عقد ثریا سے اگر مُل نکلے کیا عجب شیشۂ گردوں سے بھی قلقل نکلے

خراب مٹی ہی تڑپے ہی ہجر یار میں روح نہ دل ہی قابو میں اپنا نہ اختیار میں روح
تم آؤ بالیں پہ تو اس عذاب سے چھوٹے لبوں تک آ نہیں سکتی ہی انتظار میں روح
موے کے بعد بھی ہم کو ملا نہ چین کبھی رہی وصال کے مصروف کاروبار میں روح
گھسے دماغ میں ہی گاہ دل میں گہ لب پر بھٹکتی پھرتی ہی گھبرائی جسم زار میں روح
بغیر حکم خدا نکلے کس طرح باہر
پری ہے شیشے میں مفتوں نہیں حصار میں روح

حکیم جوزف ڈی سلوا

کیا شے ہے وہ جس میں کہ تری شان نہیں ہے برحق تو یہ ہے بندہ کو پہچان نہیں ہے
اے جانِ جہاں جان سکے کیا کوئی تجھ کو انسان تو کیا جن کی بھی یہ جان نہیں ہے
سر رکھے ہتیلی پہ تو مطلب کرے حاصل یوں یار کا ملنا تو کچھ آسان نہیں ہے
جس کو نشۂ عشق حقیقی کا ہے سودا دنیا کے مزے کا اُسے ارمان نہیں ہے
عامل جو بشر بندگیٔ حق سے ہے غافل حیوان سے بدتر ہے وہ انسان نہیں ہے

خوش اب ہوئے گنہگار و مسیح دنیا میں آیا ہے مبارک دوستو وہ صلح کا پیغام لایا ہے
شکم سے کنواری مریم کے جنم آج اُسنے پایا ہی وہ فرزند خدا ہے یہ فرشتے نے بتایا ہے
نبوت کی نظر سے وہ عمانوال کہا یا ہے اُلوہیت ہے اُسمیں حق مجسم ہو کے آیا ہے
وہ ہے نور جہاں ظلمت کے پردے کو اُٹھایا ہے محبت اُسنے ایسی کی صلیبی دُکھ اُٹھایا ہے
پھنسوں کو دام عصیاں کے نئے سر سے چھڑایا ہی فلک سے روح کا دریا یہیں پر لا بہایا ہے

جنم کا جو کہ اندھا تھا اُسے بینا بنایا ہے
مرا مُردہ تھا لاذر جو تھے دن اُسکو جلایا ہے
مسیحی بنکے ہم سب کا ہمیں حق سے ملایا ہے
ہوا کفارہ دنیا کا لہو اپنا بہایا ہے
ہوا دن تیسرے زندہ ہمیں جلوہ دکھایا ہے
گیا جب آسمان پر ہم نے روح القدس پایا ہے
پدر کے دہنے جا بیٹھا ہمیں بھی واں بُلایا ہے
بھلا نبیوں میں کس نے ایسا اعلیٰ رتبہ پایا ہے
دل عصیاں زدہ میں اب یوسفؔ کے سمایا ہے
کہ کیجئے بندگی اُسکی ہمیں جس نے بنایا ہے

انتخاب کلام حکیم جوایکن ڈی سلوا عرف گسٹن ڈی سلوا فطرت

(چاربیت)

مجھ سے ہر وقت صنم چال تمہاری ہے نئی
کچھ لڑائی بھی نہیں اور نہ بُرا میں نے کیا
پھر یہ کیا بات ہے بیفائدہ کیوں ہے روٹھا
یہ بتا کس سے ہوئی اب تری یاری ہی نئی
کس کے گھر جاؤگے مہمان ہوگے کس کے
ہاتھ سے بادۂ گلرنگ پیوگے کس کے
آج پوشاک مری جان اُتاری ہے نئی
مجھ سے ہر وقت صنم چال تمہاری ہے نئی

عبرت حکیم الیاس پیڈرو ڈی سلوا عبرت

بعزم قتل سر پر آ ہی پہونچا ناگہاں قاتل
عجب ہے یوں ہوا کہنے سے کس کے بدگماں قاتل
شش و پنج ہو رہا ہی کیسے منزل آج طے ہوگی
الٰہی کس بلا کا لے رہا ہے امتحاں قاتل
بروز حشر مجھ کو کون بسمل تیرا سمجھے گا
سند کے طور پر مجھ کو تو دے اپنا نشاں قاتل
زکوٰۃ حسن مجھ کو اب خدارا کچھ عطا کر دے
نہیں پھر ہاتھ آ دے گا کہ ہے آب رواں قاتل
نظر آتی نہیں ہی خیر جاں کی کر مدد یا رب
کمر بستہ ہوا پھر آج بہر امتحاں قاتل
اماں کیونکر ملے عاشق کو اس دار فنا میں اب
عدو جب ہو گیا ہی خود ہی اسکا آسماں قاتل
کسی کے صندلیں رنگ پر ہماری جان جاتی ہی
ہوا ہی بے وجہ عبرت کا رنگ زعفراں قاتل

حکیم والسنس ڈی سلوا فطرت[۱]

انتخاب کلام حکیم ایلس ڈی سلوا عاصی

گل وگوہر تو کیا ہر شے میں ہی جلوا عیاں تیرا — خدا تو بے نشاں تھا پر ملا ہمکو نشاں تیرا
مسیحا کے کرم سے پرورش مخلوق پاتی ہے — مرے پیارے ہی ہر جا فیض کا دریا رواں تیرا
پکارا دیر میں ناقوس سے تجھ کو برہمن نے — حرم میں نام زاہد نے لیا وقت اذاں تیرا
تری موجودگی ہر شے کے جزو وکل سے ثابت ہے — مگر حسرت یہ ہی دل میں نہیں ملتا نشاں تیرا

میرا داغ ہجر بھی تو ہوگا آخر جلوہ گر — دیکھتا ہوں حشر میں نکلے گا کیونکر آفتاب
آفتاب نور عیسےٰ ہر طرف ہے جلوہ گر — ڈال لیوے پردہ یا اب اپنے رخ پر آفتاب
فیض ہی عاصی یہ بیشک فضل عیسےٰ کا ضرور — ہوگیا ہے جس سے ہر ذرہ بھی بڑھکر آفتاب

میں مانگتا ہوں سجدہ میں ہر روز یہ دعا — کس روز دیکھئے ہو یہ سر پائمال دوست
عشق مسیح میں ہوں میں گم اسقدر کہ بس — دیکھا جسے اسی میں ہوا احتمال دوست
تذلیل میری دل سے ہی شیطان کو پسند — ہر دم جو مجھ سے جھک کے ملے ہی مثال دوست

آنکھیں کھل جاتی ہیں عیسےٰ کا نظارہ کرتے — فخر کیوں کرتے ہیں یوسف کے خریدار عبث
دیکھکر نبض مری کہنے لگے سارے طبیب — ہے دوا عشق کے آزار کی بیکار عبث
کعبہ جاتا ہے کوئی کوئی کلیسا کی طرف — پڑے پھرتے ہیں یونہی کافر و دیندار عبث

---

[۱] ان کا کلام فی الحال دستیاب نہیں ہوا ۱۲ مولف

عیسےٰ کی زمانے سے ہی کل بات انوکھی
تعلیم انوکھی ہے ہدایت انوکھی

اللہ غنی ابن خدا ایک جواں تھا
اللہ بھی جسکے رُخ روشن سے عیاں تھا
حیران فرشتے تھے پریشان تھے انسان
جو برق تجلّی کہ یہاں تھا کہ وہاں تھا
بھیجا تھا اُسے حق نے ہدایت کو جہاں کی
تھا فرش پہ گو عرش معلّےٰ پہ مکاں تھا

جو غیر یہودی ہو نجات اُسکی نہیں ہے
جو بات ہماری ہو وہ بات اُسکی نہیں ہے

عاصی کو ریاکار سنبھلنے نہیں دیتے
بندوں کو ترے پھولنے پھلنے نہیں دیتے
مذہب پہ کسی غیر کو چلنے نہیں دیتے
کوچے سے بھی اپنے تو نکلنے نہیں دیتے

اب موقع امداد ہے یا قادر مطلق
شیطاں ستم ایجاد ہے یا قادر مطلق
مظلوموں پہ بیداد ہے یا قادر مطلق
فریاد ہے فریاد ہے یا قادر مطلق

دنیا میں غریبوں کا ٹھکانا نہیں کوئی
ہاں تیرے سوا اپنا یگانا نہیں کوئی

میں گلشن ہستی میں گرفتار بلا ہوں
ہمصورت مرغان قفس رشتہ بپا ہوں

گرویدہ مجھے اپنی محبت کا بنا دے
جلوہ مجھے اپنے رُخ اقدس کا دکھا دے

کُل جہاں امروز خوش ہو ذوق سے مخمور ہے
گویا ہر چہرہ پہ باراں آج آب نور ہے

جاتی ہیں گھر گھر دُکانیں میوے پھل پکوان کی | مفت ملتا اسطرف انجیر اُدھر انگور ہے
دل پھٹا جاتا ہی عاصی بہجبت موفور سے | کیا محبت کا کروں اظہار یہ مقدور ہے

کل جہاں کو ہو مبارک بر تھڈے عیسے کا ہے | جھوم کر نعرہ لگا دُبر تھڈے عیسے کا ہے
بس اداسے آج بلبل ہی چمن میں نعرہ زن | کہتی ہی یہ ہی زباں سے بر تھڈے عیسے کا ہے
چہرے ہیں بشاش سب کے رنگ برنگ پوشاک ہے | دعوتیں ہوتی ہیں گھر گھر بر تھڈے عیسے کا ہے
دل اُچھل پڑتا ہے عاصی جوش الفت سے مرا | نکلا خورشید صداقت بر تھڈے عیسے کا ہے

ہیں اد پر نظر میں جو آتے ستارے | سمندر میں صورت دکھاتے ستارے
بہت خوب شوکت سے کثرت سے ہے ان کی | یہ خوش رو ہیں کیسے پیارے ستارے

خیال ہر دم ہے میرے دل کا کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
یہ نقش ہرگز نہ مٹ سکے گا کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
نہ ڈھونڈھ دیر و حرم میں اُسکو ملے گا ہرگز وہاں نہ تجھ کو
جُھکائی گردن تو میں نے دیکھا کہ یار مجھ میں ہیں یار میں ہوں
کہا جو منصور نے انا الحق یہ اسکی غلطی بجا و بر حق
تھا اُسکو لازم فقط یہ کہنا کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
ہے ہیچ دنیا کا کارخانہ پھنسا ہے اس میں عبث زمانہ
الگ جب اس سے ہوا تو جانا کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
مٹا جب آنکھوں سے خواب غفلت تو آگے آیا وہ نقش وحدت
جو دیکھی کثرت تو دل پکارا کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

نہیں ہے عاصی کا کچھ ٹھکانا تو اپنے در کا گدا بنانا

یہ بکتا ہر دم پھرے دِوانہ کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

اے عزیزو محفل مولد میں آنا چاہیئے
دفتر عیسے میں نام اپنا لکھانا چاہیئے

آئیں گے اس بزم میں سارے ملایک عرش سے
عطر ملنا چاہیئے خوشبو لگانا چاہیئے

نور کی قندیلیں روشن ہونگی سارے عرش پر
تم کو بھی یاں شمع کافوری جلانا چاہیئے

بادۂ الفت کا ساغر ہیں پلاتے کل ملک
وہ نہیں تو تم کو بھی شربت پلانا چاہیئے

بھائیو الفت میں اُسکی خرچ کرکے مال و زر
باغ میں جنت کے گھر اپنا بنانا چاہیئے

جمع کیا تم نے کیا توشہ عدم کی راہ کا
یہ سفر بھاری ہے کچھ سامان لانا چاہیئے

ہر لمحہ ہر جگہ پر موجود ہے تو تو ہے
شاہد ہے دل یہ میرا مشہود ہے تو تو ہے

بیتاب ہو رہے ہیں ہم تیری ہی طلب میں
مطلوب ہے تو تو ہے مقصود ہے تو تو ہے

کرتے ہیں تیری طاعت جو تجھ کو جانتے ہیں
ہاں قابل پرستش معبود ہے تو تو ہے

فرقت میں ہیں تڑپتے ہم نیمجان والے
صورت ہمیں دکھا دے او آسمان والے

حاضر ہے دل یہ میرا گو جنس ہے نکمی
اسکا بھی سودا کر لے اونچی دکان والے

مت کر خیال اسکا آلودہ ہے گنہ میں
کر رحم کی نظر تو او دو جہان والے

مخلوق کو بنایا کلمے سے اپنے تو نے
جو کچھ کہا ہوا وہ سچی زبان والے

عاصی کو کون بخشے تیرے سوا خدایا
خالق ہے تو ہی سب کا دونوں جہان والے

ہر گھڑی ہے لب پہ تیرا نام اُٹھتے بیٹھتے
ہیں دیے بیحد مجھے انعام اُٹھتے بیٹھتے

حور و غلمان جن ملایک در بشر خورشید و ماہ
سب ثنا کرتے ہیں صبح و شام اُٹھتے بیٹھتے

اک امید دید پر یہ عمر گذری یا خدا
سوز و بیتابی سے صبح و شام اُٹھتے بیٹھتے

او دل ناداں قدم رکھ زندگی میں پھونک کر
ہیں کھڑے سر پر ترے الزام اُٹھتے بیٹھتے

گو گنہ بیحد ہیں میرے پر مجھے بخشے گا تو
ورد رکھتا ہوں میں تیرا نام اُٹھتے بیٹھتے

بخشنا بندہ سے عاصی کا نہیں مشکل تجھے
ہے خداوندا ترا یہ کام اُٹھتے بیٹھتے

ہو حاصل دم میں لطف زندگانی
میسر ہو اگر دیدار عیسےٰ

ہوا روح القدس فوراً ہی نازل
ہوئے دریا سے جبدم پار عیسےٰ

نہیں محروم پھرتا کوئی واں سے
عجب پر فضل ہے دربار عیسےٰ

چار آنکھیں جب ہوئیں عیسیٰ کی اور مریم کی تب
وہ نشانہ اسکا وہ اس کا نشانا ہو گیا

الفت عیسےٰ میں میرے دیکھکر اس حال کو
جو کہ بیگانہ تھا وہ بھی اب یگانا ہو گیا

شکل دکھلا دو مسیحا میں نپٹ بیچین ہوں
ترک فرقت میں تمہارے آب دانا ہو گیا

ہر بزم میں ہم سنتے ہیں افسانۂ عرفاں
دو چند ہوئی رونق کاشانۂ عرفاں

رحمت نے کیا وا درِ میخانۂ عرفاں
پُر بادۂ الفت سے ہے میخانۂ عرفاں

ملتا ہے ہر اک شخص کو انعام محبت
اے بادہ کشو مفت میں لو جام محبت

مُناجات

خوف عقبےٰ کا دل پہ طاری ہے
اپنے فعلوں سے شرمساری ہے

ہر گھڑی لب پہ آہ و زاری ہے
تیری رحمت کی انتظاری ہے

بیکسی پہ مری کرم کیجے
عفو تقصیر بیش و کم کیجے

کر تو عصیاں کی مجھ سے ظلمت دور — نور اپنا تو مجھ میں کر بھرپور

نام تیرا سدا سے ہے غیور — گر ذریعہ مسیح کا منظور

اے خداوند مخزن افضال — تو گناہوں پہ میرے کر نہ خیال

خود پشیماں ہوں دیکھ اپنا حال — کہ سیہ ہے یہ نامۂ اعمال

سامنے تیرے کیسے آؤں گا — پاس کیا ہے جو منھ دکھاؤں گا

ڈالنا حشر کی نہ آفت میں — تیرے بیٹے کی ہوں میں امت میں

رکھ سدا اپنی تو حمایت میں — کر قبول اپنی ہی تو خدمت میں

آزمایش میں تو نہ ڈال مجھے — بحر عصیاں سے اب نکال مجھے

واہ کیا شان کبریائی ہے — تیری قدرت یہ کس نے پائی ہے

شکل انسان جو بنائی ہے — اسمیں بھی بھید اک خدائی ہے

نور کو اپنے آشکار کیا — شکل آدم کو پردہ دار کیا

پھر جدا کر کے اپنے نور سے نور — نام عیسے رکھا یا اے غیور

اپنا بیٹا اُسے کیا مشہور — ہر طرح اُسکی کی مدد منظور

داور حشر کا قرار دیا — ساری خلقت پہ اختیار دیا

تو نے ایسا کیا مسیح کو پیار — حشر کا رکھا اُس پہ دار و مدار

ساری رحمت کا کر دیا مختار — دونوں عالم کا بخشا جاہ و وقار

دیکھ عیسے کی ہے یہ امت خوار — نشہ میں ہے گناہ کے سرشار

تو ہے آمرزگار اور غفار — بحر عصیاں سے کر دے بیڑا پار

پھنس گئے سارے منجدھار میں ہیں — تیری رحمت کے انتظار میں ہیں

انتخاب کلام والسنس فرانسس لاؔغر

ہم اُنکے ہیجوں میں آ چکے ہیں جدائی اُنکی اُٹھا چکے ہیں
نہیں ہیں دل کے لگانے قابل کہ خوب غم وہ کھلا چکے ہیں
نہیں لگانے کے دل کسی سے سبھی سے دل کو ہٹا چکے ہیں
نہیں ہے دنیا سے کام لاغر خدا سے لَو اب لگا چکے ہیں

ظُلم بر خلق ز حکام اثر می بینم | دفتر عدل ہمہ زیر و زبر می بینم
این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

مۓ غفلت میں رہیں میر عسس مست مدام | رات کو چوری کا ڈر ڈاکہ زنی ہو سر شام
بیوقوفوں کے یہ بازار عدالت کا ہے نام | ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام
مشکل این ست کہ ہر روز بتر می بینم

ایسے مشاق ستم ہو گئے حکام زماں | ساری مخلوق خدا مثل جرس ہے نالاں
کون سُنتا ہے غریبوں کی میاں آہ و فغاں | اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں
طوق زرّیں ہمہ در گردن خر می بینم

زن ہو ناراض جو شوہر سے پڑے غیر کے گھر | مدعی کمپنی کے حکم سے ہو شہر بدر
راج تریوں کا جو غالب ہوا ہے مردوں پر | دختراں را ہمہ جنگ ست و جدل با مادر
پسراں را ہمہ بد خواہ پدر می بینم

خیر خواہوں کے ہوئے جان کے افسر دشمن | حشر میں اسکی جزا پائینگے لاغر اک دن
مرضئ حق میں کسی کو نہیں یارائے سخن | پند حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کن
زانکہ ین پند بہ از گنج دُگہر می بینم

پوچھا یہ شعر و نے جو آیا ہمارے پاس لاغر تو کس کی چاہ میں دیوانہ بن گیا

انتخاب کلامِ نفیس

بکمال شرف و رفعت و شان حسبی پہونچے افلاک پہ جبدم شب معراج نبی
ہر نبی نے یہ کہا بڑھ کے بامی و ابی مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

چوں براقت ز فلک چابک و چالاک گذشت نظری بود کہ از آئینہ بیباک گذشت
درج جاہت ز قیاس اے شہ لولاک گذشت شب معراج عروج تو ز افلاک گذشت
بمقامے کہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

فیض پاتے ہیں پہلو سے جو خواص و رعوام برکت کا ترے قدموں کی یہ ثمرہ ہی تمام
خوش نصیب ایسے ہیں ہر وقت یہاں شیریں کام نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

منھ لگائے سگِ در تیرا جو اے شاہ اُمم ناز سے جامے میں پھولا نہ سماؤں اکدم
دل سے طالب ہوں معافی کا بچشم پُر نم نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگ کوے تو شد بے ادبی

غیرت مہر مبیں ہی تری ذات پُر نور کردیا نور ہدایت سے جہاں کو معمور
شرف افزائی عرب کی بھی خدا کو منظور ذات پاک تو کہ در ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

اے امام رسل اے سرور ذی جاہ و حشم میں بھروں کیوں نہ ترے حسن خداداد کا دم
مہ کنعاں کے حبت دیکھ لے تجھ کو باہم من بے دل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال ست بدیں بو العجبی

العطش سب کی زبانوں پہ ہی شاہا دن رات　　پیش ہر دم ہی یہاں مسئلۂ موت وحیات
یہ تامل یہ تامل یہ تامل ہیہات　　ما ہمہ تشنہ لبانیم تو ئی آب حیات
لطف فرما کہ زحد می گذرد تشنہ لبی

لیکے آدم سے ہوئے جتنے نبی تا عیسےٰ　　ایک بھی رتبۂ عالی کو نہ تیرے پہونچا
نسل آدم سے تو عالم میں ہے لیکن بخدا　　نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

خواب ہی میں رخ انور اگر آجائے نظر　　پھر نہ مرنے کی تمنا ہو نہ جینا دو بھر
اُمّتی ہوں میں ترا مجھ تو توجہ ہو ادھر　　چشم رحمت بکشا سوے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

بیٹھا جاتا ہے نفیس جگر افگار کا جی　　درد فرقت سے ترے جان ہی لب پر اُسکی
لایق چارہ گری میری طرح ہے وہ بھی　　سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوے تو قدسی پئے درماں طلبی

خمسہ بر غزل مرزا داغ

تقلید شیخ و برہمن بید خوان کی ہے　　تصدیق اسکے قول کی اسکے بیاں کی ہے
حالت بُری دو عملی میں مجھ خستہ جاں کی ہے　　کعبے کی ہی ہوس کبھی کوے بتاں کی ہے
مجھ کو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے

کہتا ہے تو ہماری ملاقات کے لئے　　جب چاہے آکہ عام ہے پروانگی تجھے
دل مطمئن نہیں ترے قول و قرار سے　　فرصت کہاں کہ ہم سے کسی وقت تو ملے
دن غیر کا ہے رات ترے پاسباں کی ہے

انساں سے دور جوہر ذاتی ہو کس طرح　　کیا خوش ہوں میں شگفتہ مزاجی ہو کس طرح
کیا جانے اُس نے بات بنائی ہو کس طرح　　قاصد کی گفتگو سے تسلی ہو کس طرح

چھپتی نہیں وہ بات جو تیری زباں کی ہے

اپنی طرح سے مجھ کو بھی شاید سمجھ لیا
مکار و حیلہ ساز فریبی و پُر دغا
مر جانے کا مقام ہے سر پھوڑنے کی جا
سُنکر مرا فسانۂ غم اُس نے یوں کہا
ہو جائے جھوٹ سچ بھی یہ خوبی زباں کی ہے

ہر وقت دیکھ دیکھ کے میرا خراب حال
ناصح طرح طرح کا ہے لوگوں کو احتمال
برگشتگیِ بخت نہیں باعثِ ملال
جور رقیب و ظلم فلک کا نہیں خیال
تشویش ایک خاطرِ نامہرباں کی ہے

ہر وقت زایروں کا ہے مجمع ادھر اُدھر
تھامے ہوے ہے دل کوئی اپنا کوئی جگر
تم بھی تو آ کے دیکھو کسی دن بچشم تر
حسرت برس رہی ہے ہمارے مزار پر
کہتے ہیں سب یہ قبر کسی نوجواں کی ہے

تم نے بُرا کیا تھا نہ میں نے کیا گلا
قاصد نے اپنے دل سے جو چاہا وہ کہدیا
دشمن تمہارے روٹھیں خفا ہو مری بلا
پیغامبر کی بات پہ آپسمیں رنج کیا
میری زباں کی ہے نہ تمہاری زباں کی ہے

نخوت سے عرش پر ہے دماغ آسمان کا
عالم میں حشر کا بھی قیامت سے غلغلہ
آخر تمھیں تو یاد ہیں چالیں ہزار ہا
وقت خرام ناز دکھا دو جدا جدا
یہ چال حشر کی یہ روش آسماں کی ہے

اب عذر کی جگہ نہیں اے بانیٔ جفا
گردن جھکائے ہوں ترے آگے کھڑا ہوا
ہے کس کا انتظار کھڑا سوچتا ہے کیا
دامن سنبھال باندھ کمر آستیں چڑھا
خنجر نکال دل میں اگر امتحاں کی ہے

شاعر ہیں جتنے ہم کو وہ سب جانتے ہیں داغ
نذرانہ واہ واہ کا گذرانتے ہیں داغ
ہم ہیں نفیس آپ بھی پہچانتے ہیں داغ
اُردو ہے جسکا نام ہمیں جانتے ہیں داغ

ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

دیگر۔ خمسہ بر غزل امیر مینائی

دے وہ شے زیبا ہو جو جن کے لئے
تو نے رکھ چھوڑی ہے کس دن کے لئے
خیر لایا ہے کیا کن کے لئے
تُند مے اور ایسے کمسن کے لئے
ساقیا ہلکی سی لا ان کے لئے

حسن کے گلشن میں آتی ہے بہار
گل رُخ رنگیں پہ ہوتے ہیں نثار
دل اُڑا لیتا ہے جوبن کا اُبھار
ہے جوانی خود جوانی کا سنگھار
سادگی گہنا ہے اس سن کے لئے

طبع نازک میں ہے اتنی نازکی
ناپسند اُسکو ہے رنگ شوخ بھی
دے نہ دینا پھول سوسن کے کبھی
باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنا ہیں ایک کمسن کے لئے

میرے پاس آکر وہ گل بیٹھا ادھر
ہو گئے آثار شب ظاہر اُدھر
شام کیا ہمراہ لائی ہے سحر
وصل کا دن اور اتنا مختصر
دن گنے جاتے تھے اس دن کے لئے

بیوفا ہیں بیوفا
پر جفا ہیں پر جفا
کوئی کیا ایسوں سے رکھے آسرا
ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے

دیکھ پچھتائے گا اے خانہ خراب
دن گذر جائیں گے لے خانہ خراب
پھر کہاں تو اور کہاں عہد شباب
پی بھی لے زاہد جوانی میں شراب
عمر بھر ترسے گا اس دن کے لئے

جو نفیس اپنی نہ رکھتے تھے نظیر
مر گئے اور ہیں کفن کو بھی فقیر

کیا ہوا وہ مال و سامانِ کثیر ۔۔۔ لاش پر عبرت یہ کہتی ہے امیر
آئے تھے دنیا میں اس دن کے لئے

رُباعی

سوچ تو نفیس یاں اقامت کبتک ۔۔۔ اس کہنہ سرا میں استراحت کبتک
آخر ہوئی رات در سفر ہے درپیش ۔۔۔ اُٹھو جاگو یہ خواب غفلت کبتک
نفیس طینت بدکی محال ہے اصلاح ۔۔۔ یہ وہ مرض ہے کہ جس کی دوا نہیں معلوم

نوٹ :- مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد ان کا نام محمد سلیمان خاں اور عرفیت جس نام سے پکارے جاتے اچھے میاں صاحب۔

انتخاب کلام جوزف مینول جوزف پٹنہ

رقم میں نے کیا ہی وصف کس کے رخِ تاباں کا ۔۔۔ بنا ہی آفتاب حشر مطلع میرے دیواں کا

اُسکو ہمائے اوج سعادت کہیں گے ہم ۔۔۔ جو تیرے دام زلف میں پھنسکر نکل گیا
رخسار رشک مہر تہِ زلف مُشک فام ۔۔۔ اک چاند تھا کہ ابر میں آکر نکل گیا

بظاہر عشق ہے اُس سرو قد کا اور اکڑتا ہوں ۔۔۔ تو کرلے جذبۂ باطن تسلیم خم میرا

اے بیوفا بھلا تجھے دل دیکے کیا کیا ۔۔۔ فرقت میں تیری خون دل اپنا پیا گیا
دن رات میں نے دل سے کیا عجز و انکسار ۔۔۔ بدلے میں اُسکے گالیاں تجھ سے سُنا کیا
آب و طعام ہجر میں جوزف کہاں نصیب ۔۔۔ غم کھایا اور خون جگر کو پیا کیا

بھول جاتا تو صنم اپنی یہ یکتائی کو — میں نے آئینہ اگر تجھ کو دکھایا ہوتا

جب ہوا جوش جنوں صحرا کا دھیان آیا مجھے — گرتے گرتے خار و خارا پر سنبھل کر رہ گیا

اک ذرا بھی تو نے اے ظالم نہ دیکھا اسطرف — انتظاری میں تری میں ہاتھ مل کر رہ گیا

کیا پریشانی ہوئی کاکل کو دیکھا خواب میں — خوف سے اُسکے ہمارا دل دہل کر رہ گیا

سوزش ہجراں سے اے جوزف دل نالاں مرا — موم کا شاید فتیلہ تھا کہ جل کر رہ گیا

آرزو دل کی یہی ہے دلربا آجائے اب — کون ساری عمر اُسکے ہجر کا غم کھائے اب

پانی برس رہا تھا کہ بجلی چمک پڑی — میں زار زار رونے لگا مسکرائے آپ

شفق پھولی ہتھیلی پر تمہاری — حنا تو نے لگائی آج کی رات

سکتہ تھا مجھ کو شیش محل میں جو آیا یار — آئینہ بھی تھا ششدر و حیراں تمام رات

شکوہ نہ فلک کا نہ گلہ یار سے کچھ ہے — ہوتا ہے جو کچھ ہوتا ہی تقدیر کے باعث

تمہارے عشق کے سودے میں سر بصحرا ہوں — ہمارے دوست گلہ کرتے ہیں وطن میں آج

کبھی دکھاتے ہو مُنھ اور کبھی چھپاتے ہو — سہے گا کون تمہارا یہ ظلم اور بیداد

شفا میں فرق زمین آسماں کا ہوتا ہے — علیل صحن میں ہے اور بام پر تعویذ

چاند بادل میں چھپا ہی اور چمکتی برق ہے — رنگ بوقلموں کا اپنے ساتھ لائی ہے بہار

بے برگی جوزؔف کا خیال اُسکو جو آیا — بیڑا بھی مرے ہاتھو نسے کھایا نہیں ہرگز

ہے سامنا تو جان کا جوزؔف خدا بچائے — اٹکی ہے اپنی آکے جو خونخوار سے غرض

شبنم کی نیستی کے لئے مہر چاہیئے — ہستی ابر کیلئے ہر دم دھواں ہی شرط

فرقت میں رات دن تری گھُل گھُل کے اے صنم — لاغر کوئی دنوں میں میں ہوتا ہوں مثل شمع
روشن ہی دل پہ میرے ترے عشق کا چراغ — جل بجھ کے اپنی جان کو کھوتا ہوں مثل شمع
چار آنکھیں جس نے کیں وہ مر گیا — کیا تری تیغ نگہ ہے بے غلاف
آتی ہے بوے شوق مری پوستین سے — دامن میں آستین میں ہر تار میں ہی شوق

ایسی کھنچی ہے ابرو کہ کٹ جاتی ہے نظر — نظارہ گر پہونچ گیا ابروے یار تک

ہر اک طرف کو شفق سُرخ سُرخ پھولی ہے — کہو تو تختۂ لالہ ہے یا چمن میں آگ

جو داغ ہی سینے میں وہ جلتا ہے شب و روز — اور گھاؤ کے مانند ٹپکتا ہے مرا دل
جور و ستم عاشق پہ کیا کرتے ہیں معشوق — مجبور ہے کچھ کہہ نہیں سکتا ہے مرا دل

بجز درد و غم کے مجھ کو نہ راحت کبھو ملی — دنیا ہمارے واسطے عشرت سرا نہیں
دن رات جستجو میں ہے جوزؔف خراب حال — پر اُس ہمائے اوج کا ملتا پتا نہیں

ہمیشہ مثل بوقلموں نیا وہ رنگ لاتے ہیں ۔ یہ رنگینی ہی اُنکی روز اک جوڑا بدلتے ہیں

مرجایئے فراق میں پر دل نہ دیجئے ۔ دل دیکے میں نے صدمے بہت سے اُٹھائے ہیں

شب فرقت میں تیری ہچکیاں لیتا ہوں اے پیارے ۔ ہوا معلوم مجھ کو آجکل تم یاد کرتے ہو

جو قدر عشق کی دریافت تجھ کو ہووے اے جو زفت ۔ تو کر خدمت فقیروں کی جہاں میں ڈھونڈھ کامل کو

پھنسا ہی دل فرشتوں کا بھی دیکھو حسن آدم پر ۔ مرے خالق نے بخشا ہی یہ رتبہ صرف انساں کو

حنا ہاتھوں میں تیرے دیکھکر دل سے صدا نکلی ۔ شفق سے پنجہ مرجاں ملائے جسکا جی چاہے
کسی کی آتش ہجراں میں سینہ میرا جلتا ہے ۔ اب اس جلتے ہوئے دلکو بجھائے جسکا جی چاہے

جو جو ستم کرے گا وہ سب ہم اُٹھائیں گے ۔ ہرگز زباں پہ جور کا شکوہ نہ لائیں گے
ناحق کی مت کیا کرو جو زفت بتوں سے چھیڑ ۔ تم ایک بھی کہو گے تو وہ دس سُنائیں گے

بلا سے کور ہوئے مہر تاباں تیرے تکنے سے ۔ جمال یار سے کب عاشقوں کو آنکھ پیاری ہے

آنکھوں نے اسکی دن کو دکھایا مجھے طلسم ۔ بل لائی رات کاکل پیچاں تمام رات

ہجر میں یار کے میں اڑیاں رگڑوں کبتک ۔ نہ تو میں مرتا ہوں نے میری قضا آتی ہے

بھولا یکتائی کو ہے وہ اپنی — آئینہ کو دکھا دیا کس نے
عشق کی تپ چڑھی نہیں مجھ پر — جسم میرا جلا دیا کس نے
تو تو بیزار مجھ سے تھا ساقی — مُنھ سے ساغر لگا دیا کس نے
دھیان اپنا فلک پہ رہتا تھا — خاک میں اب ملا دیا کس نے
گاہ شیریں کام رہتا ہوں گہے میں تلخ کام — کیا مزہ دیتی ہے دل کو آشنائی آپ کی

رحم آیا نہ بے رحم کو نالے پہ ہمارے — اک آہ تھی جو سینے سے سو بار نکالی

مجھے منظور تھا منصور کے مانند مرجانا — کہو تو سرکشی ہم دار سے کرتے تو کیا کرتے

تری تیغ نگہ کو دیکھکر بے موت مرتا ہوں — نگاہ یار جادو ہے کہ بوندی کی کٹاری ہے
نہ تو جسم میں زور رہا ہاتھ میں زر نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
توہی کہہ دے فلک کہ میں جاؤں کدھر نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
تری شکل و شمائل کو کہاں یوسف پہونچتا ہے — کہ ہے تو اک طرف اور اک طرف ساری خدائی ہے

متفرقات

کھلی خواب عدم سے آنکھ تو سارا جہاں دیکھا — یہ دنیا کے مکیں ہیں جسکو دیکھا لامکاں دیکھا

چہرے سے نقاب آج اُٹھایا نہیں جاتا — مشتاق کو رخسار دکھایا نہیں جاتا

قطعہ

ان دنوں غیر پہ جو لطف و کرم دیکھتے ہیں — ہے جو شیدائی تمہارا اُسے کم دیکھتے ہیں
ہم سے رہتا ہی بگاڑ اور رقیبوں سے ملاپ — یہ تو دشمن بھی نہ دیکھے گا جو ہم دیکھتے ہیں

مخمس بر غزل سید محمد اکبر شاگرد مولانا وحید

پرغبار اُسکا رہا ہے میری جانب سے جو دل — خود بھی چھپتا ہوں کیوں اُسپہ ہوا میں مائل
اُس پہ مرتا ہوں جو ہی حال سے اپنے غافل — زندگی سے جو ہوئی گرد کدورت حاصل
مل گئے خاک میں ہم خاک سے پیدا ہو کر

کیا کہوں حُسن میں کامل ہی جو وہ غیرت ماہ — پرتوِ حسن ہی عاشق کیلئے مشعلِ راہ
جمع واں رہتے ہیں عشاق سبھی شام و پگاہ — جان لیتی ہے اگر تیر قضا بنکے نگاہ
زندہ کرتے ہیں لب یار مسیحا ہو کر

مسدس

کبھی گلزار میں جاتا ہوں کہ بہلے مرا دل — کبھی کوچے میں ترے پھرتا ہوں اے قاتل
یہی کرتا ہوں دعا ہووے تمنا حاصل — وصل ممکن ہی نہیں ہی جو رہے تو غافل
پھینک دونگا میں اُسے چیر کے پہلو اپنا
تجھ پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا

ترے فراق میں جوزف ہوا ہے آوارہ — صبا بلطف بگو آں غزال رعنا را
تڑپ کے رات گذاری کٹا ہے دن سارا — کہ سر بکوہ و بیابان تو دادۂ ما را
پسند آئے ہیں اے گل تجھے مرے نالے — کہ پرسشی نہ کنی عندلیب شیدا را
مجھے اسیر کیا زلف و خال دکھلا کر — بدام و دانہ نگیرند مرغ دانا را
چلے شراب جو ساقی بہار میں اب کی — بیاد آر محبان بادہ پیما را
نہیں ہی خاک نشینوں پہ لطف و رحم اصلا — سہی قدان سیہ چشم ماہ سیما را
ہے اُنکے نغمہ سے جوزف کو وجد اے حافظ
سماع زہرہ برقص آورد مسیحا را

سدا ہے آنکھ سے عاشق کے اشک یاں جاری
ترا کہ ہر چہ مراد است در جہاں داری

تجھے بناؤ سے زلفوں کے ہے کہاں فرصت
چہ غم ز حال پریشان عاشقاں داری

پلا شراب اب اُس نازنیں کو اے ساقی
علے الخصوص در آندم کہ سرگراں داری

ہم اپنے ملت و مذہب کو تجھ پہ چھوڑ دیا
مکن ہر آنچہ توانی کہ جائے آں داری

ہزاروں تیر کی صف تیری ایک مژگاں ہے
بقصدِ جانِ من خستہ در کماں داری

ستم ہمیشہ اُٹھاتے رہو حسینوں کا
کہ سہل باشد اگر یار مہرباں داری

جو اُن سے مانگئے بوسہ تو ہنسکے کہتے ہیں
برو کہ ہر چہ مراد است در جہاں داری

ملا ہے پھول یہ حافظ کے باغ سے جوزف
چہ غم ز نالۂ و فریاد باغباں داری

ڈکاسٹہ (کلکتہ)

کل ہم تمھارے کوچے میں آئے چلے گئے
ہے ہے ہزار اشک بہائے چلے گئے

کیوں دل سے شاد ہو ویں ہم دوستو سنو
وے جاتے جاتے ہمکو بلائے چلے گئے

کچھ رنج و غم کا حال نہ پوچھو کہ کیا ہوا
الفت کو ہم تو یارو نبھائے چلے گئے

وہ باغبانِ حسن جو آئے تو کل ادھر
تخمِ وداد دل میں جمائے چلے گئے

ٹک طرف میرے دیکھ کے جھٹ چتونوں کو پھیر
وہ آپ ہنس کے ہمکو رلائے چلے گئے

ہم ہی فقط ہیں دل جو گنواتے ہیں ورنہ سب
آکر جہاں میں کچھ تو کمائے چلے گئے

کل اُس پری کی بزم میں سب مل کے برملا
تیری غزل ڈکاسٹہ گائے چلے گئے

ہو رسائی مجھے گر تا بہ کنارِ دامن
صفحۂ دل پہ کروں ثبت بہارِ دامن

جس طرح صید ہو فتراک میں صیاد کے بند
مرغِ دل اپنا ہے اسطرح شکارِ دامن

ہے نزاکت یہ کمر میں کہ کروں کیا تشریح
ہو دو تا گر پڑے اُس پر کہیں بارِ دامن
کمر دل کے اُپر رشتۂ زنار کی طرح
باندھوں اُس بُت کا ملے گر کوئی تارِ دامن
کیوں نہ ڈپٹی کا ستاہوں مانی و بہزاد حیران
اُس نگاریں کا اگر دیکھیں نگارِ دامن

حال شیشے سے جو واقف کبھی خارا ہوتا
سنگدل نرم صنم تب یہ تمہارا ہوتا
جسقدر زخم دل زار پہ ہیں مژگاں سے
اسقدر ریشس نہ ہوتا کبھی آرا ہوتا
رنج و غم قہر و محن ہم نہیں سہتے یارو
عصمتِ شوخ اگر یار ہمارا ہوتا
دام کاکل میں گرفتار نہ ہوتا جو یہ دل
کنج الفت سے میں کبتک کا سدھارا ہوتا
موج زن زورق دل اپنا نہ ہوتا دایم
بحر الفت کا کہیں آہ کنارا ہوتا
مانگتے تجھ سے دوا ہم نہ کبھی اے پیارے
مرضِ ہجر کا جر وصل جو چارا ہوتا
قصۂ غم تو فلک اُسکو سُناتے جا کر
کوچۂ یار تک اپنا جو گذارا ہوتا
دجلۂ قہر میں ہم غرق بھلا ہوتے کیوں
ساحلِ مہر کا گر ہم کو سہارا ہوتا
پھر بھی ہم کھیلتے تم سے یہ قمارِ الفت
نقدِ دل پہلے ہی ہم نے جو نہ ہارا ہوتا
مرغِ دل اپنا تو پروانہ ہوا پر کرتا
پھندا الفت کا جگر پر جو نہ مارا ہوتا
گریۂ و آہ و فغاں کیوں بھلا کرتا تو دِلا
دشمنِ جان اگر اپنا نہ پیارا ہوتا
کلبۂ تار میں جا لس تو بھلا ہوتے کیوں
بخت تیرہ کا جو روشن یہ ستارا ہوتا
دل پراگندہ غمِ ہجر سے ہوتا نہ کبھی
بر میں ڈپٹی کا سدا کے گروہ دل آرا ہوتا

انتخاب کلام جان ڈکاسٹہ سیف کاسگنج

ہوا شیدا ہوں جب سے مصحفِ رخسارِ جاناں کا — کیا کرتا ہوں میں دن رات اب تو ورد قرآں کا

تڑپتی رات دن ہی برق جو ابرِ ندامت میں — اثر کچھ پڑ گیا ہے اس پہ میری آہ سوزاں کا

کیا ہے قتل تونے ایسی بیرحمی سے اے قاتل — چھُٹے گا حشر میں بھی یہ نہ دھبا تیرے داماں کا

میں ہوں وہ سیف آئے سامنے کس کا یہ زہرہ ہے
پتہ ملتا نہیں ہے اب کہیں سام و نریماں کا

کہیں کا میں نہ رہا جب سے تو شباب آیا — خراب کرنے مجھے خانماں خراب آیا

گیا وہ پردہ نشیں سیر کو جو دریا پر — تو خیمہ بننے کو اُس کا ہر اک حباب آیا

جب آیا منہ کو کلیجہ جلا بھُنا میرا — زباں نے چکھ کے کہا واہ کیا کباب آیا

سمندِ ناز پہ وہ شوخ جب سوار ہوا — ہلال عید نکلکر پئے رکاب آیا

قیامت اور قیامت میں ہو گئی برپا — وہ شوخ عرصۂ محشر میں بے نقاب آیا

خجل سا ہو کے لگا ماہ اُس سے کترانے — سنور کے سامنے جب میرا آفتاب آیا

خوشی سے سیف جھکائے ہی سر کو مقتل میں
سمجھ کے یہ کہ دعا کا مری جواب آیا

تاریک ہے جہاں مری آنکھوں کے سامنے — اے دل خیالِ زلف کی تاثیر دیکھنا

کیا سجدہ گاہ خلق خدا نے بنائے بُت — ان پتھروں کی کتنی ہے توقیر دیکھنا

رکھا سر اُنکے پاؤں پہ در پر جبیں گھسی — پھوٹی کہاں کہاں مری تقدیر دیکھنا

زلفوں کے پیچ و تاب میں آیا قرار آج — اس جال میں پھنسا کوئی تازہ شکار آج

اللہ رے سوزِ آتشِ سینہ کہ وقت فصد — خوں کی جگہ نکلتے ہیں دل سے شرار آج

چمکائی برقِ تیغ رقیبوں پہ سیفؔ نے
ان بزدلوں کو آئے گا بیشک بخار آج

اب تو نہ تڑپ بہر خدا اے دلِ ناشاد
بیتابی میں گذرے ہیں مرے آٹھ پہر آج

دکھلاؤ جو تم بام پہ آکر رُخ روشن
دنیا کی نگاہوں سے گریں شمس و قمر آج

صحرا میں نہ ٹھہرا نہ ترے کوچے میں ٹھہرا
بھکا ہوا دل میرا یہ جاتا ہے کدھر آج

اپنے جامہ سے تو ہو عاشقِ مضطر باہر
آپ غرفہ سے نکالیں نہ کبھی سر باہر

وحشتِ دل نے ٹھہرنے نہ دیا ایک جگہ
تا سحر شام سے پھرتا رہا اندر باہر

میں وہ سر گشتۂ صحرائے جنوں ہوں پس مرگ
خاک اُڑا کی مری مرقد سے نکل کر باہر

کب کوئی رہ کے وطن میں ہوا اپنے ممتاز
قدر کیا جب کہ صدف سے نہو گوہر باہر

ہے ہر اک شعر ترا کانِ لطافت اے سیفؔ
اُسکے جامہ سے نہ کیونکر ہو سخنور باہر

کیا ہے قتل کن بیدردیوں سے تو نے ای قاتل
پڑیگا ہاتھ میرا روزِ محشر تیرے داماں پر

الٰہی خیر ہو اب دیکھئے کس کس کو ڈستے ہیں
یہ کالے کھیلتے رہتے ہیں ہر دم دوش جاناں پر

نہائیں بدھیاں زخموں کی جبدم تیغ قاتل نے
خوشی سے تنگ جامے ہو گئے جسمِ شہیداں پر

بہار آئی تو کپڑے پھاڑنے کا شغل پھر سوجھا
کبھی ہے ہاتھ دامن پر کبھی چاکِ گریباں پر

ہمیں اس معرکے میں دیکھ لینا سرخرو ہونگے
کرینگے سیفؔ قبضہ ایک دن ملکِ صفاہاں پر

جان دی ہجر میں کس شوق سے شیدا ہو کر
اب تو اعجاز کو دکھلاؤ مسیحا ہو کر

تنِ عریاں بھی عجب حق نے عطا فرمایا
جسم سے کس کے یہ اُترا کبھی میلا ہو کر

سیفؔ وہ تیز زباں ہے کہ جہاں میں اُسکا
سامنا کر نہیں سکتا کوئی گویا ہو کر

رواں ہے کشتیٔ عمر اپنی بحرِ ہستی میں
یہ دیکھنا ہے کہ ٹھہرے کہاں کے بندر پر

بنا ہے آئینہ ہر نقش پا بوقت خرام
وہ شاہِ حسن ہی فوق اُسکو ہے سکندر پر

کسی کے عشق میں ہوں ناتوان و زار ایسا
نظر بھی میں نہیں آتا کسی کو بستر پر

خدا کی شان کہ اُس نے بھی دل کسی کو دیا
خدا کی شان ستم اب ہوئے ستمگر پر

دل لیکے پھر بھی مانگتی ہے بار بار دل
اب دوسرا بتا ہے کہاں چشمِ یار دل

ان گلرخوں کے ہجر میں گُل کھائے اسقدر
رشکِ چمن ہوا ہی مرا پُر بہار دل

آئے ہیں دیکھنے وہ دمِ نزع دیکھنا
شُکر خدا کہ میرا ہوا کامگار دل

اک دل کو بھی عزیز نہ رکھتا بتوں سے میں
ملتے اگر خدا کی طرف سے ہزار دل

اے سیفؔ یادِ ابروے جاناں کے فیض سے
شمشیر آبدار ہے یا ذوالفقار دل

کیونکر چھٹیں گے یار کی زلفِ دوتا سے ہم
تنگ آگئے ہیں اب تو ہجومِ بلا سے ہم

ان سنگدل بتوں پہ ذرا بھی اثر نہیں
عرشِ بریں ہلاتے ہیں آہِ رسا سے ہم

ہنستے کبھی نہ باغِ جہاں میں بسانِ گل
واقف جو ہوتے کچھ بھی یہاں کی ہوا سے ہم

دن رات ہجرِ یار میں رہتے ہیں بیقرار
کچھ کم نہیں ہیں طائرِ قبلہ نما سے ہم

قاتل کے آب تیغ نے سیراب کر دیا
اے سیفؔ اب نفور ہیں آبِ بقا سے ہم

ابتک اُڑا رہے جو دھوئیں آسماں کے ہیں
نالوں کے دیکھیں وارا رے کہاں کے ہیں

بے منت شراب جو رکھے مدام مست
خدمت گذار ہم اُسی پیر مغاں کے ہیں

دل میرا چاک چاک ہے اُس مہ کے عشق میں
انجم بھی جس کے سامنے ٹکڑے کتاں کے ہیں

یہ سب غلط زمیں پہ ہی افلاک کا گماں
چھائے ہوئے دھوئیں مری آہ و فغاں کے ہیں

بوسے کے بدلے جس سے ہمیں گالیاں ملیں
مشکور ہم جو ہیں تو اُسی بدزباں کے ہیں

جسطرح کہ مہتاب کو خورشید سے ہی نور
خورشید کو بھی عارض تاباں سے ضیا ہی

گلشن میں عجب کیا جو نیا گل کوئی کھل جائے
بوئے گل رخسار اُڑا لائی صبا ہی

اے شہ خوباں نگاہِ لطف سے دیکھے جو تو
بادشاہ وقت سب تیرے گدا ہو جائیں گے

ہستیٔ موہوم کا میری بھلا کیا ذکر ہے
ایک تو باقی رہے گا سب فنا ہو جائیں گے

نگاہِ قیس سے لیلےٰ کا ہے لطف
تمھیں دیکھے کوئی میری نظر سے

لگاتے کیوں نہیں ہو تم اُسی کو
نہیں کچھ سیفؔ کم تیغ کمر سے

دیوانۂ ازل ہوں تو کرتا ہے پند کیا
ناصح خبر نہیں ہے تجھے میرے حال سے

اُلٹی نقاب چہرے سے آکر جو بام پر
آئے مجھے نظر ترے ابرو ہلال سے

رحمت کو اپنی دیکھ نہ میرے گناہ کو
یہ روز و شب دعا ہے مری ذوالجلال سے

دشمن کریگا کیا جو رہا فیض حق یہی
ڈرتا نہیں ہی سیفؔ تریانِ زال سے

سگِ کوئے صنم کے شور کو بھی گر سُنا میں نے
بڑھی ہیں بہر استقبال تن سے ہڈیاں میری

نہ رکھا تار بھی باقی لباس جسم عریاں کا
اُڑائیں خوب ہی جوش جنوں نے دھجیاں میری

وہ جودت ذہن میں اے سیفؔ خالق نے عطا کی ہی
طبیعت دیکھکر ہیں دنگ سارے نکتہ داں میری

عیاں ہوگی ہماری بیگناہی تیرے خنجر سے
گرینگے اشک خوں قاتل مقرر چشم جوہر سے

بتو اس خودنمائی کی ملی آخر سزا تم کو
کہو کیسے نکلوائے گئے اللہ کے گھر سے

گہن کے دھوکے میں آکر نمازیں پڑھ لیں زاہد نے
ہٹا لو زلف شبگوں کو تم اپنے روئے انور سے

الٰہی خیر ہو دیکھیں یہ ہم کو بھی نہ لے ڈوبے ۔ اٹھا ہے اسطرح طوفان اپنے دیدۂ تر سے

میں ہوں اے سیفؔ تیغ ابروے دلدار کا کشتہ
مناسب ہے تجھے دیں غسل احباب آب خنجر سے

زاہد کی ہے یا شیخ کی معلوم نہیں ہے ۔ ہاں رند لیئے پھرتے ہیں دستار کسی کی
ہر گام پہ فتنے ہیں کہ اُٹھتے ہیں برابر ۔ اللہ قیامت ہے کہ رفتار کسی کی

بنکے وہ نیلم پری اک دن چڑھے تھے بام پر ۔ جب سے رنگت آسماں کی آسمانی ہوگئی
موت جب شاہوں کے پاس آتی ہے کہتی ہے یہی ۔ آئیے بس آپ کی اب حکمرانی ہوگئی
ہر حسیں پر مرتا پھرتا ہوں جواں ہونے کے بعد ۔ باولی کیا میرے پاس آکر جوانی ہوگئی

فرانسیسی نسل کے شعراء

شعراء خاندان فانتوم :-

(۱) جارج فانتوم - جرجیس وصاحب

(۲) جان فانتوم - شائق

(۳) الفریڈ فانتوم - صوفی

(۴) جوزف لائنیل فانتوم عرف بنّے صاحب

(۵) بلتارزبرہان عرف شہزادمسیح فطرت

(۶) بلتارز اسیر دہلوی

(۷) ڈوئس لیزوا - توقیر

(۸) جوزف لیزوا - ذرّہ

(۹) لوئس پیٹرک لیزوا - توقیر

(۱۰) جارج پیش - شور

(۱۱) ولیم جوزف بروپٹ - ولیم

(۱۲) ولیم بروپٹ - ولیم

(۱۳) یوسف صاحب - عاشق بھوپال

انتخاب دیوان صاحب

(جارج فانتوم)

جب تغافل کو وہ کافر کام فرمانے لگا ‎ ‎ دمبدم تن سے مرے جی سا نکل جانے لگا

مقدم جاناں کی سُنکر واہ ری دل کی تپش ‎ ‎ پائے بوسی کے لئے بر سے نکل جانے لگا

ہم جو کہتے تھے کہ صاحب وہ بڑا عیار ہے ‎ ‎ آخرش دیکھا نہ کیا کیا ظلم دکھلانے لگا

نہیں آشفتہ رنگ اور بُو کا ‎ ‎ میں تو دیوانہ ہوں تیری خو کا

بسکہ ہے محوِ دیدِ یار یہ دل ‎ ‎ آئینہ بن گیا ہے زانو کا

ایک غمزے میں کر دیا بیہوش ‎ ‎ سیکھا آنکھوں نے کار جادو کا

تیری کس کس ادا کا کشتہ ہوں ‎ ‎ دلربائی کا ناز کا خُو کا

ہے یہ درویش تشنۂ دیدار ‎ ‎ کام درماں کا ہے نہ دارو کا

جب دوئی درمیاں سے دور ہوئی ‎ ‎ مختصر قصہ ہے من و تو کا

دستبردِ شوق سے پردا دوئی کا جب اُٹھا ‎ ‎ راز سربستہ سے سینہ صاف محرم ہو گیا

سر سے لے پاؤں تلک اک نور کا بکّا سا ہے ‎ ‎ جسم تیرا میری جاں نور مجسم ہو گیا

اب اُٹھاتا ہو نہیں اس پاؤں پڑی لفت سے ہاتھ ‎ ‎ تیری خود بینی سے اپنا ناک میں دم ہو گیا

چشم کیفی نے کر دیا مدہوش ‎ ‎ نشہ تھا یا سرور تھا کیا تھا

تجھ کو یوسف سے دوں جو میں تشبیہ ‎ ‎ وہ پری تھا کہ حور تھا کیا تھا

حسن تھا یار کا کہ اے صاحب ‎ ‎ نور حق کا ظہور تھا کیا تھا

دمن کو جیب سے تیری تو کیا عجب سے اے گل ‎ ‎ کہ ہم نے پہلی ہی بازی میں اُس سے دل ہارا

ہوا ہے دل متحمل کسی کی چاہت کا ‎ ‎ کیا ہی ہم نے بھی قائم ٹھوِ شو پارا

دل اُسکی بھولی سی صورت کو دیکھکر مت بھول ‎ ‎ اسی فریب سے لاکھوں کو اُس نے ہے مارا

نہ دل رہا نہ صبر رہا اور نہ دیں رہا
عشقِ بتاں میں کچھ بھی تو باقی نہیں رہا

لو داغِ معصیت جو جبیں دھو اشکِ ندامت سے
پےِ گوشِ قبول اُس نے نہ اب بہتر گھر پایا

کشش آہ سے کہنے لگا اللہ اللہ
قامتِ سروِ رواں جس نے ترا دیکھ لیا
نکہت گیسوے دلدار نہ لائی مجھ تک
چلتی پھرتی ہو تجھے بادِ صبا دیکھ لیا
عبرت افزا ہے دورِ رنگیٔ زمانہ صاحب
آن کی آن میں کیا حال ہوا دیکھ لیا

میں بھی فرزند سپاہی ہوں نہیں ڈرنے کا
تیغ ابرو نہ بہت اے بُتِ رعنا چمکا
عشق میں اُس آفتابی حُسن کے
رازِ پنہاں آفتابی ہو گیا
لگ گئی کس تیرہ باطن کی نظر
چاند سا مُنہ آفتابی ہو گیا
سنگدل پر کچھ نہ کی تاثیرِ آہ
گریہ اپنا نقش آبی ہو گیا
وہ دلربا جو آپ سے مائل ادھر ہوا
میرے ہی جذبِ دل کا یہ شاید اثر ہوا

طلسم ہو گیا گھونگھٹ کے مُنہ سے ہٹتے ہی
جو نصف ماہ تھا دم میں مہ تمام ہوا

کیوں میکشوں کو الفت بارش سے ہو نہ ساقی
بارش ہی صاف جس دم لفظ شراب اُلٹا

میرے دامن سے ہو کیونکر یہ تنِ زار جدا
میری جاں گل سے بھی ہوتا ہی کہیں خار جدا
تفرقہ ڈالا ہے کیا چرخ جفا پیشہ نے
میں جدا یار سے ہوں مجھ سے دلِ زار جدا

برنگِ بوئے گلِ شگفتہ نہیں گرانی شعار اپنا
نسیم آسا کبھی نہ ڈالا کسی کے کاندھے پہ بار اپنا

نہیں ہو افسوس اس ستمگر کے دل پہ کچھ اختیار اپنا
کہ جس نے تاراج اک نگہ میں کیا ہو صبر و قرار اپنا

نگاہ کس گل کی مجھ سے بدلی جو پھر گئی ہو ہوا چمن کی
نہ غنچہ اپنا ہو آج کوئی نہ گل ہے اپنا نہ خار اپنا

ہوائے گلشن کسے بھلا ہو سرشکِ خوں سے چمن کھلا ہو
بہار لالہ دکھا رہا ہو یہاں دل داغدار اپنا

ہو جہل اپنا ضلالت اپنی نتیجہ اسکا ملالت اپنی
ہو عقل اپنی کفالت اپنی شعور اپنا شعار اپنا

کہاں مفر اور کہاں ہو مامن نہ کیوں پریشان ہوں جان او تن
ہوا ہو وہ شخص اپنا دشمن جسے سمجھتے تھے یار اپنا

اگر وہ رہتا ہو ہم سے غافل لگائیں کیوں اس سے اپنا ہم دل
کرے وہ کیوں کار مرد عاقل کہ جس سے ہو کم وقار اپنا

وہ شوخ ہم سے اگر خفا ہو نہیں ہمیں اسکا کچھ گلہ ہے
شعار اسکا اگر جفا ہو وفا ہو صاحب شعار اپنا

اگرچہ دشمن ہو چرخ گرداں نہیں ہوں صاحب مگر ہراساں
کریگا مشکل کو میری آساں یقیں ہے پروردگار اپنا

فدا گو کہ تجھ پر میں ہر دم رہا
ترا لطف مجھ پر و لے کم رہا

نہیں چھوڑنے کا قدم آپ کے
مرے دم میں جبتک کہ یہ دم رہا

تبسم نہ کر اپنی ہستی پہ گل
جہاں میں جو آیا بہت کم رہا

جیئے جب تلک یاس و امید کا ق
خلش جان محزوں پہ ہر دم رہا

مرے پر خوشا کوئے خوابیدگاں
نہ یہ غم رہا اور نہ وہ غم رہا

دل و جاں سے گو تیرا عاشق ہوں میں ق
ترے دل میں شک مجھ سے ہر دم رہا

کری اپنے صاحب کی تو نے نہ قدر
ہمیشہ سے مجھ کو یہی غم رہا

خواب و خیال ہو گئے پیری میں سب مزے
اے عمر رفتہ یاد جوانی کی مت دلا

میں بھی سمجھوں ہوں تری دم بازیاں اے حیلہ جو
تو جو دل رکھنے کو میرے پاس دم بھر ہو گیا

مقدر میں جو کچھ تھا پیش آیا اور آوے گا | نہیں مٹتا ہے اے جرجیس یہ تقدیر کا لکھا

ق

دل کسی سے لگا یوں نہ کبھی | تھا نہ جرجیس یہ کلام مرا
اس کا انجام آپ نے دیکھا | لیجیے حضرت اب سلام مرا

غم سے ترے کبھی نہ افاقہ ہوا مجھے | دل تیرے دردِ عشق میں بیمار ہی رہا
موجود ہے خیال میں ہر دم تو رشکِ گل | دل میرا تیری یاد میں گلزار ہی رہا
جرجیس تجھ سے جلتا رہا جو کوئی عدو | اللہ کے کرم سے وہ فی النار ہی رہا

ملتا چوری چھپے سے وہ بیشک | گر کوئی اس طرح کا ڈھب ہوتا
ایک مجھ سے جدا نہ ہوتا وہ | اور ستم دل پہ میرے سب ہوتا

خدا کرے نہ ہو مجھ سے وہ خود پسند جدا | کسی کا ہووے کسی سے نہ دردمند جدا

عشق میں اور تو کیا خاک تھا حاصل ہوتا | ایک بدنامی تھی قسمت میں سو بدنام رہا

سو گئے پانوں مرے جبکہ بُلایا اُس نے | بخت جاگا تو مجھے لغزشِ پا نے مارا

صبح وہ رُخ تھا نور تھا کیا تھا | جلوۂ کوہ طور تھا کیا تھا
جذبۂ دل نے دم میں کھینچ لیا | مجھ سے وہ گو کہ دور تھا کیا تھا

الٰہی کیسا یہ نیل بگڑا ہی گردشِ چرخ نیلگوں کا | جو بخت اُلٹا دوں کسطرح اسمیں ابھی تلک انقلاب پایا

ق

عبث ہے نقش و نگار دنیا یہ مثلِ اطفال دل لگانا | کہ جسکے ہر نقش کا العدم کو برنگ تحریر آب پایا
شمارِ عمرِ رواں جو دیکھا تو ہمدم رنگ کا رواں ہے | جو زندگانی پہ آنکھیں کھولیں تو صاف مثلِ حباب پایا
دو چند ہوتی ہی عمر پیری میں حرص اُسکی یہ بات سچ ہے | نہیں جوانی میں جس نے صاحب ہے لطفِ عمرِ شباب پایا

دیدۂ عاشق ہی حیران حیرتِ پابوس میں | گرم رفتاری سے تیری یہ نہیں بتخالِ پا

ازل میں حسن و محبت کو جبکہ ساز دیا — مجھے نیاز دیا اور تم کو ناز دیا
نیاز مند در بے نیاز ہوں صاحب — کہ جس کسی کو دیا اُس نے بے نیاز دیا
پوچھا جو مجھ سے یار نے تیرا صنم ہے کون — دل آکے اُس کے روبرو آئینہ بن گیا

ہے ترقی اداے دلبری میں یار کو — دل میں آکر جاں ہوا اور جاں سے جاناں ہوگیا
گر تو اندر کے اکھاڑے کی پری ہے میری جان — میں بھی اب تسخیر کو تیری سلیماں ہوگیا

خیر و شر میں بحث عبث ہے جب ہے عدل خدا کے ہاتھ — جیسا جو کچھ کیا کسی نے ویسا ہی وہ پاوے گا

کیا دل کو دیکھتا ہے اے بیوفا ہمارے — تجھ سے نباہی ابتک ایسا ہے دل ہمارا
کیوں عارفانہ تجھ کو مجھ سے ہے یہ تجاہل — تو خوب جانتا ہے جیسا ہے دل ہمارا

دوری مسافت سے مجبور ہوے تو کیا — نزدیک رہو دل سے گو دور ہوے تو کیا
مطلب تو نہیں حاصل ہوتا ہے کسی کا کچھ — خوبی میں اگر یوں تم مشہور ہوے تو کیا
دل سے تو نہیں میرے پوشیدہ رہو گے تم — سو پردوں میں تم جاناں مستور ہوے تو کیا
باہم دلوں میں رابطۂ اتحاد ہے — قاصد کا کام ہے نہ یہاں کچھ برید کا

تمہیں واللہ دل نہ دینا تھا — جُرم صاحب سے ہو گیا صاحب
ہے بسکہ نسبت لفظی شراب و بارش میں — تو فصل بارش ہی موزوں ہوئی براے شراب
وہاں شراب طہورا یہاں مے انگور — ہے بادہ نوشوں کو دونوں جہاں میں جاے شراب
ع
مہ صیام ہوا تھا یہ حکم قاضی دیں — کہ اس مہینے میں رندوں کے گھر نہ جاے شراب

ہلالِ عید ہوا مژدہ بادِ پیرِ مغاں — کہ میکشوں کے یہاں پھر ہوئی ہے جائے شراب
شراب پینے کو بھی ظرف چاہیئے صاحب — ہر اک شرابی تو ہوتا نہیں سزائے شراب

ہشت گنج خسروی جبر جبیں کو گویا ملی — رہتا ہے آٹھوں پہر وہ شوخ میرے پاس اب
تم میں ہے جور اور جفا صاحب — یاں ہے تسلیم اور رضا صاحب
وہ زرد پوش تیرے نہ آئے گا دام میں — ناحق نہ تو ہتھیلی پہ سرسوں جما بسنت
سرسوں کے پھول بھیجے ہیں اُس نے مزار پر — لائی ہے اب کی سال شگوفہ نیا بسنت

ایک یوسف ہو واں قید یہاں خلق اسیر — چاہِ کنعاں کو ہے کیا چاہِ ذقن سے نسبت
میرے خالق نے رکھا مجھ کو زباں داں صاحب — اور کے شعر کو کیا اپنے سخن سے نسبت

تیرا وہ مُنھ ہے جس کی بلائیں لیا کرے — مل کر ہتھیلیاں مہِ انور تمام رات
کیوں چشمِ انتظار میں آنسو نہ ڈبڈبائیں — اے رشکِ ماہ صورتِ اختر تمام رات
مصروفِ سیرِ ماہ ہو منزل میں اپنی تم — اور ہالہ وار کاٹوں میں چکر تمام رات

ہوئی چمن میں جو رونق فزا بہارِ بسنت — کیا صبا نے خزاں کو وہیں نثارِ بسنت
جہاں میں عشرتِ عیش و خوشی ہوئی ہر سو — بہارِ عمر جو کہیئے تو ہے بہارِ بسنت
ہوا جہان میں اُردی بہشت کا دورہ — ہوئی ہے رشکِ بہارِ ارم بہارِ بسنت

تارِ گیسوئے دلآویز ہوا تارِ نظر — یہ وہ رشتہ ہے رہے ہے جو رگِ جاں سے لپٹ
ایک دن زیبِ گلو ہو نہ یہ تیری دستار — محتسب مست تو بہت فرقۂ رنداں سے لپٹ

خود بخود وہم سے خفا یار ہوا کیا باعث / بے خطا درپئے آزار ہوا کیا باعث
لطفِ جاناں تو رہا کرتا تھا مجھ پر ہر دم / اب وہ دلدار دل آزار ہوا کیا باعث
صحبتِ عاقل و دانا میں ہمیشہ رہ کر / اے دل اب تو ہی نہ ہشیار ہوا کیا باعث

سمجھ کے شیفتہ مجھ پر کرے ہے کیا کیا ناز / طرح طرح کا بنا گر وہ خود پسند مزاج
بجا ہے ناز تمھیں مجھ کو ناز برداری / نہ کیجے مجھ سے رکاوٹ میں آکے بند مزاج
بلند نیّر اقبال جن کا ہے صاحب / خدا کے فضل سے وہ کیوں نہ ہوں بلند مزاج

فراق یار میں شبنم صفت رُلایا ہے / نصیب کاشکے ہوتا تجھے نہ ہنسنا صبح

زبسکہ عکس رُخ یار سے منوّر ہے / حریم دل کو نہیں اپنے حاجت مصباح

دفورِ قتل شہیداں سے اُسکے کوچہ میں / زمیں ہوئی صفت مشہدِ شہیداں سُرخ
دمک رہا ہے وہ تن شبنمی دوپٹے سے / کہ عکس گل کا ہے شبنم میں یہ نمایاں سُرخ

پردہ چرخ سے ہی جھانک رہا عید کا چاند / ہی گر تجھ پہ مری جان فدا عید کا چاند
برسوں میں ہم کو نظر آتے ہو گاہے ماہے / ماہرو تم کو تو کہنا ہے بجا عید کا چاند
کیا ترے ابروے پرخم سے ہو روکش مہ نو / مہرباں ناخنِ پا بھی ہے ترا عید کا چاند

جدا تجھی سے رہا میں تو مجھ کو اے جاناں / کہاں کا عیش کہاں کی خوشی کہاں کی عید

جھڑکی و طعن و لعنت و دشنام و سرزنش　　سب کچھ ہی دل کو تیرے لئے میری جاں لذیذ
صحبت میں اُنکی رہ کے ہوا ہوں میں خوش کلام　　ہو کیوں نہ مجھ کو مدحِ شیریں لباں لذیذ

دل سا رفیق توڑ لیا ایک بات میں　　قربان میں تو ہوتا ہوں حضرت کے جوڑ پر

غم میں تیرے ہو گئے ہیں خانماں برباد ہم　　اب تو گھر آباد کر اے بُت خدا کو مان کر
امتحانِ عاشقِ صادق اگر محوِ جفا　　ق　　ہے تجھے منظور اُسکو عاجز اور حیران کر
ہم وہ ہیں گر ایک سے سو آفتیں ہوں سب سہیں　　آزماتا کیا ہے ہمکو جان اور پہچان کر

بہار عمر سے ہوں کامیاب میں صاحب　　ملیں ہم جو مجھے آکے یار اور نوروز
نہیں مجھ کو خواہش حور عیں مری دلبری کو اب اے حسیں
تو ہی ایک بس تو ہی ایک بس تو ہی ایک بس تو ہی ایک بس
صاحب نہ وقت بد میں کسی سے ہو ملتجی　　میری مدد کو صفدر خیبر شکن ہے بس

ارزو دل کی ہوئی ایک نہ پوری افسوس　　دل کی دل ہی میں ہی یونہی ادھوری افسوس
نسخۂ دل کی نہ تحصیل میں مصروف ہوا　　عمر ضائع کری پڑھ کنز و قدوری افسوس
پیرِ نفس رہا وادیٔ الفت میں یہ دل　　معنوی چھوڑ ہوا مائل صوری افسوس

پھراتی ہی ہیں چشم بت بے پیر کی گردش　　نہ کچھ طالع کی ہے تقصیر نے تقدیر کی گردش

کس طرح بنے دیکھئے اُس شوخ سے صاحب　　میں تند مزاج اور وہ پرکالۂ آتش

آپسمیں کس طرح سے کہیں ہو کے ایک دل — اب مجھ سے تم کو یا تمھیں مجھ سے نہیں غرض
تیری خوشی کا بندہ ہوں اے حضرت کریم — دوزخ سے یا بہشت سے رکھتا نہیں غرض

تل تک نہیں ہی غیر محل اُسکے چہرے پر — اس مصحف شریف میں نقطہ نہیں غلط

کوئی نہ بحر محبت میں غرق مجھ سا ہو — کسی پہ گذرے نہ یہ ماجرا خدا حافظ
خرام ناز پہ ہے عزم یار بسم اللہ — قدم قدم پہ ہے سو صدا خدا حافظ

سوز پروانہ پہ کیا کیا دل جلا کر روئی ہے — چاہیئے تجھ کو صلہ میں موتیوں کا ہار شمع
عشق کامل ہو تو ہو معشوق بھی عاشق صفت — سوز میں ہی کار پروانہ سے مشکل کار شمع
عمر پیری میں فرو کر آتش شوق شباب — صبح کو دستور ہے کرتے ہیں گل ہشیار شمع

عیش کی تکمیل کو لازم پڑا ہے جزو رنج — تا نہ سوز دل ہو حاصل ہو نہ روشن روے شمع
پر تو نور تجلّی شمع ہے صاحب تو بس — شکل انگشت شہادت سے ہے یہ دود روے شمع

کس سرگیں نگاہ کا دل پہ لگا ہے داغ — مردم کی شکل خال سویدا بنا ہے داغ
قید فرنگ، ہجر صنم، اضطراب دل — کیا کیا فلک نے داغ پہ مجھ کو دیا ہے داغ
اس حسن عارضی پہ نہ کیجیے بہت گھمنڈ — خورشید و ماہ کو بھی فلک پہ لگا ہے داغ

ہر سرو تیرے ہجر میں مجھ کو ہے شکل آہ — مانند اژدہا ہی ہر اک مجھ کو جوئے باغ

باغ جسکے رُخ گلگوں کے تصور سے ہی دل　　کیوں نہ صاحب کرے اُس رشک چمن کی تعریف

کھینچے ہی شوق کوچۂ دلدار کی طرف　　بلبل کو جانا چاہیئے گلزار کی طرف
تسبیح کی طرف ہوں نہ زنار کی طرف　　مذہب ہے عشق میرا میں ہوں یار کی طرف
صراف حُسن ہوتے ہیں بازار کے حسیں　　ڈھلتے ہیں آپ صاحب زر دار کی طرف
دل خوش غریب کا نہ کیا اک نگاہ سے　　دیکھا کبھی نہ عاشق لاچار کی طرف
ہو گا کبھی تو اُسکا بھی ہاں قلب انقلاب　　دیکھوں ہوں میں بھی گنبدِ دوّار کی طرف

صاحب یہ اشک گوہر گوشِ قبول ہو
اللہ دیکھے چشم گہر بار کی طرف

کس طرح جائے سر سے مرے اب ہوائے عشق　　ملک عدم سے آیا ہوں ناصح برائے عشق
پیدا کیا ہے عشق تو نا پید کر سبھے　　میرے کریم اُٹھ نہیں سکتی جفائے عشق
ہاروت بھی اسیر ہے زہرہ کی چاہ میں　　آتی نہیں فرشتہ کو بھی کچھ دوائے عشق
جبتک جیوں گا عشق کروں گا میں ناصحا　　ہے عشق میرے واسطے اور میں برائے عشق
گذرے ہی جس کے دل پہ وہی جانتا ہی خوب　　ناگفتنی ہے کیفیتِ ماجرائے عشق

رتبہ بہت بلند ہے جرجیس عشق کا
عاشق جو بوالہوس ہے نہیں ہو سزائے عشق

یہ فرماؤ صنم ہم تم رہیں گے اب جدا کبتک　　رہیگا درمیاں میں پردہ ماؤ شما کبتک

کیا مال مال و زر ہی جو مانگے ہے مجھ سے تو　　حاضر ترے لیئے ہے مری جان جاں تلک
گو بیوفا ہے یار پہ شرط وفا ہے یہ　　اپنے ہی سے نبھائے ہووے جہاں تلک
جا ہوں ہوں آپ تک بھی تجھے دیکھنے نہ دوں　　ہے بدگمان دل مرا اے جاں یہاں تلک

لَاتَقْنَطُوْا کو جان کے مایوس کیوں رہوں | برباد گو فلک نے کیا خانماں تلک
بارہ برس میں پھرتے ہیں گھورے کے جاکے دن | میرے بھی دن پھرینگے نہ صاحب کہاں تلک

زرد پوشی کی پھبن دور سے دکھلا دکھلا | میری آنکھوں میں یہ سرسوں کا پھلانا کبتک

نہ مجھ سے تو متنفر ہو اے گلِ شاداب | پڑا جہان میں لازم ہے گل و خار کا سنگ
اس آرزو میں کہ حاصل کبھی ہو پابوسی | ہوا ہوں چشم براہ بن کے رہگذار کا سنگ
کہاں کمیت زمانہ سے ہمعناں ہو عمر | پیادہ کی نہیں طاقت جو دے سوار کا سنگ
وصال یار ہو صاحب سبک ہو بار فراق | ہے کوہ سے بھی گراں دل پہ انتظار کا سنگ

ہے بجا کہنا دہانِ یار کو گنجِ طلسم | وقتِ خاموشی ہے غنچہ اور وقتِ خندہ گل
بس وہی چاروں طرف اب مجھ کو آتا ہے نظر | سرمۂ چشمِ صنم ایسا گیا آنکھوں میں گھل

دے زکوٰۃ حسن اپنے عاشقِ ناشاد کو | روز افزوں اے پری پیکر رہے تیرا جمال
وقت بد میں کوئی بھی اپنا نہیں دیتا ہے ساتھ | سایہ بھی جاتا ہے چھپ پاؤں تلے وقتِ زوال
لب سے لب ملنے کی کیونکر آرزو دل کو نہ ہو | ہے سویداے دل جبر جبیں تیرے لب کا خال

کیوں نہ مجھ کو رہے اس ابروے خمدار سے کام | جو سپاہی ہو اسے رہتا ہے تلوار سے کام
کعبہ و دیر سے ہم کو نہیں مطلب صاحب | رند مشرب کو ہے کیا سبحہ و زنار سے کام

جلوت میں غیر جاتے ہیں خلوت میں اسکی ہم | باطن میں ہم زیادہ ہیں ظاہر میں سب سے کم

ن

دل کو تشبیہ ہے آئینہ سے — زنگ آیا تو صفائی معلوم
دل کبھی آئینہ رویوں کو نہ دے — صورت عہدہ برآئی معلوم
شیشہ و سنگ دل و دست صنم — کانچ کی بیش بہائی معلوم
بقا کا اور فنا کا کچھ عجب عالم یہاں دیکھا — جو مرتے ہیں وہ جیتے ہیں جو جیتے ہیں وہ مرتے ہیں
عجب ہیں سادہ دل ہم بھی طریق عشق بازی میں — وہ دم دیتے ہیں ہمکو اور ہم دم اُنکا بھرتے ہیں

ہے دلِ اسفل میں اعلےٰ سے کدورت بیشتر — بحر کی نسبت زیادہ ہے دخل تالاب میں
دیدۂ پرنم میں دی ہے جا خیال یار کو — دیکھیو کیسا بسایا ہے محل تالاب میں
ہے دل کم ظرف میں اکثر خباثت کا عبور — جونک کا دریا سے زائد ہی خلل تالاب میں
رزق جب ہووے نہ قسمت میں تو بیشک جا گرے — طشت سے بھوتی ہوئی مچھلی اُچھل تالاب میں
تو ہے خوابیدہ شب کو اور بیدار آفتاب — ڈوب مر شرمندگی سے اے کنول تالاب میں

نزدیک و دور پر نہیں الفت کا انحصار — جب دل ملے ہوے ہیں تو کچھ فاصلہ نہیں
کیونکر نیاز و ناز کا سودا قرار پائے — میں ہاں کہوں تو کہتا ہے وہ دلربا نہیں
دل خانۂ خدا ہی نہ اسکو کرو تباہ — اے کافر دِ ذرا تمھیں خوفِ خدا نہیں
صاحب گمانِ بد نہ کبھی دل میں لائیو — معشوق باوفا ہے ترا بے وفا نہیں

دلوں میں ربط نہ جبتک ہو کیا کسی سے ملیں — جو ہم سے دل سے ملے ہم بھی اُس سے جی سے ملیں

آخرش پرسش کریگا کوئی تو روزِ جزا — جاؤنگا قاتل کی میں تصویر لے کر ہاتھ میں
اہلِ صنعت اور فضیلت میں بس اتنا فرق ہے — اُسکے جوہر سینے میں اور اسکے جوہر ہاتھ میں

آنکھ بھی صاحب نہیں مجھ سے ملاتے اب وہ لوگ　　بات کہہ کے ہاتھ جو لیتے تھے ہنسکر ہاتھ میں
رفتہ رفتہ منزل مقصود کو پہونچوں گا میں　　ہے چراغ دل سے جبکہ میرا رہبر ہاتھ میں

نہیں معلوم کیا دکھلائے دیکھیں گردش طالع　　کہ راہ راست میں چلتے ہوئے سوجا بھٹکتے ہیں
قتل عاشق پہ جب مچلتے ہیں　　پھر یہ سفاک کب سنبھلتے ہیں
بحر الفت میں ہم بسانِ حباب　　ڈوبتے ہیں کبھی اُچھلتے ہیں
سبزہ رنگوں کے ظلم مت پوچھو　　میری چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں
تیرے قدموں میں گھر بسایا ہے　　ہم کوئی ٹالنے سے ٹلتے ہیں
جو کہ انسان ہیں وہ اے صاحب　　آدمیت کی چال چلتے ہیں

ہاں کبھی ہمکنار تھے اُس کے　　اب تو ہم گور کے کنارے ہیں
کیا تکلف ہے ہم سے اے پیارے　　تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں

مہرباں سب پہ ہی وہ تو ہاں مگر　　تو ہی لائق مہربانی کے نہیں
کہو تو ہم سے ملو گے کہاں یہاں کہ وہاں　　میں آؤں پاس تمہارے کہاں یہاں کہ وہاں

روشن کیا ہے بخت مرا اک نگاہ میں　　اس درجہ نور ہے نگہِ رشکِ ماہ میں

نالہ کروں کہ آہ کروں یا بکا کروں　　حیراں ہوں تیرے ہجر میں کیا کیا کروں

کیا نذر دوست کیجئے اے جانِ بے قرار　　اک دل تھا وہ بھی اپنے نہیں اختیار میں

ہو انقلاب دہر کبھی یوں بھی اے کریم — تاب شکیب مجھ میں ہو یا رحم یار میں
رو کش ہوں کیونکہ عارض جاناں سے مہر و ماہ — ہے فرق آسمان و زمیں نور و نار میں

سب غلط ہے کہ محبت میں اثر کچھ بھی نہیں — اشک کیوں آنکھوں سے جاری ہیں اگر کچھ بھی نہیں
خاطر یار سے دھوئی نہ ذرا گرد ملال — تیرے رونے سے ہوا دیدۂ تر کچھ بھی نہیں
مہ جبیں کیوں نہ ہو شکوہ تری بے مہری کا — ہر طرف ہے نگہ لطف ادھر کچھ بھی نہیں

دنیا بدل گئی یا ہم تم بدل گئے ہیں — باتیں جو تھیں پرانی کیوں وہ نئی ہوئی ہیں
کیونکر نہ آشکارا ہو اپنا حال صاحب — پوشیدہ وہ نگاہیں دل میں کبھی ہوئی ہیں
ہم پہلے سے تجھ پہ مر چکے ہیں — کب کے دل سے گذر چکے ہیں
طوفان کیا کیا نہ تیرے غم میں — میرے سر پر گذر چکے ہیں
باقی کیا اور رہ گیا ہے — بھرنا جو دکھ تھا بھر چکے ہیں
عنقا کی شکل جس کا پتہ ہی نہ پائیے — اے کاش مجھ کو اس کی کبھی جستجو نہ ہو
اہل ہمم کے دل سے مروت نہ جا سکی — سچ ہے کہ برگ گل سے جدا رنگ و بو نہ ہو
جنبش سے ہو نہ قبلہ نما کو کبھی قرار — دنیا کے حادثوں سے اگر ایک سو نہ ہو
دشمن کا کیا قصور ہے عادت کو دخل ہے — کژدم کبھی نہ کاٹے اگر اس کی خو نہ ہو

غفلت کی طرح تو بھی نہ صاحب ہو بے ادب
سودا و میر و درد سے بس دو بدو نہ ہو

دم سے کیونکر جدا کروں تم کو — میری تو تم ہی زندگانی ہو
غلام سمجھو تو اپنا سمجھو جو سمجھو عاشق تو اپنا سمجھو — غرضکہ جو ہیں سو ہیں تمہارے ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو
جو مہرباں ہو وہ یار اپنا درست ہو سارا کارا اپنا — جلا کریں گو حسود سارے ادھری دنیا اگر ادھر ہو

بیوفائی کا گلہ کیوں نہ ہو تجھ سے اے شوخ
مجھ کو ہو یاد تری تجھ کو مری یاد نہ ہو

شعلہ رو آگ ہی لینے کو تم آئے تھے کیا
دل جلانے کو مرا مائل بیداد نہ ہو

پھر وہی دور کلا رٹ ساقی ق
منقلب گردش دوراں تو ہو

پھر وہی حاصل سرمایۂ عیش
آمد فصل زمستاں تو ہو

جز آہ و فغاں ہر دم کچھ کام نہیں دل کو
دوری میں تری پیارے آرام نہیں دل کو

دیکھنے والے قدِ بالا کے ہیں
کیوں نہ ہمچشموں میں ہو اونچی نگاہ

قربان جان خلق میں رُسوا نہ کر مجھے
یارب یہ التجا ہے کہ شیدا نہ کر مجھے

آپ مری عید کے ہو چاند تم
دید تمھاری ہی مجھے عید ہے

بڑھا نہ کشتیِ مے کو ابھی سے اے ساقی
کہ دل میں ابر کے کچھ کچھ غبار باقی ہے

یہ آرزو ہے ترے آنے کی مجھے اے شوخ
کہ جھوٹے وعدوں پہ بھی انتظار باقی ہے

آجا صنم کہ جاتی ہے فصلِ بہارِ عُمر
اس چلتی پھرتی چھاؤں کا کیا اعتبار ہے

اُس چشم نیم باز کا اللہ رے اثر
جس کی طرف کو دیکھ لیا جاں نثار ہے

دیکھنے کو ترے اے غیرت لیلے میں نے
طے کیے قیس نمط کتنے ہی صحرا میں نے

دل محو خیال ہو گیا ہے
دیکھو کیا حال ہو گیا ہے

دل تنگ ہے ان دنوں کچھ ایسا
جینا بھی محال ہو گیا ہے

کس بات پہ تیری پھولے یہ دل
کیا تجھ سے نہال ہو گیا ہے

آنکھیں میچیں تو جلوہ دیکھا
حیرت میں جمال ہو گیا ہے

کیا مرغِ دل اُس پری تلک جاے — بے پر بے بال ہو گیا ہے

ق

دیکھو تو تبدّلِ زمانہ — کیا تھا کیا حال ہو گیا ہے

جرجیس کدھر گئے وہ چرچے — سب خواب و خیال ہو گیا ہے

گدا ہوں کوچۂ جاناں کا میں تو اے زاہد — رہا ہے کام مجھے کیا بھلا زمانے سے

اپنی بھی یہ طبیعت کچھ موم سے نہیں کم — جس شعلہ رو کو دیکھا اُس پر پگھل گئی ہے

سب کار دنیوی کا موسم ہے اک مُعیّن — کیا لطف عشقبازی جب عُمر ڈھل گئی ہے

اُس بیوفا سے تجھ کو اُمید ہے وفا کی — جرجیس عقل تیری شاید کہ چل گئی ہے

مجھے ایک بوسہ میں زندہ کیا ہے — مسیحا تری اس کرامت کے صدقے

نمک ریزی سبز رنگی کے قرباں — صباحت کے صدقے ملاحت کے صدقے

وحشت دل نہیں کم ہونے کی — گھر سے صحرا کو اگر جائیں گے

کیا وہ نگاہ ناز کرشمہ دکھا گئی — بجلی سی ایک خرمنِ دل پر گرا گئی

برنگ بوے گل پردے میں پوشیدہ ہے تیری جا — تری کس طرح اے غنچہ دہن کوئی خبر پاے

کچھ قدرِ وقت ہم نے اک عمر تک نہ جانی — افسوس یونہی کھوئی غفلت میں زندگانی

صید زبوں سمجھتا ہے تیرِ قضا مجھے — ایسا شکستہ بال فلک نے کیا مجھے

جرجیس میں بُرا ہی سہی وہ تو نیک ہیں — پھر نیک ہو کے کہتے ہیں وہ کیوں بُرا مجھے

اندھے کے آگے رونا ہی آنکھوں کا پھوڑنا
کیا بحث علم کیجیے جاہل کے سامنے
جو اہل دل ہیں فرط مروت سے وہ کبھی
کرتے نہیں ہیں آنکھ کو سائل کے سامنے

کوئی اس ہستیِ فانی میں نہیں رہنے کا
خوب یہ اہلِ فنا تم کو صدا یاد رہے

خود بخود ریشِ جگر پر ہے نمک ریزیٔ شوق
واہ اے کانِ ملاحت کیا ہی تیرا شور رہے
ظلمت عمرِ جوانی خواب غفلت میں کٹی
صبح پیری کھلتے ہی آنکھیں جو دیکھا بھور ہے
تجھ کو قدرت ہے ضعیفوں کو نوازے کردگار
تو سلیماں اور صاحب تیرا بندہ مور ہے
وہی جانتا ہے گذرتی ہے جس پر
کسی کی بھلا کوئی کیا جانتا ہے

عجب وہ صنم صاحبِ شان ہے
ہر اک آن میں اک نئی آن ہے
رہے مجھ سے راضی خداوند صاحب
یہی اپنا بس دین و ایمان ہے
نگاہ پاک سے اُس بت کو دیکھا دل کیا راضی
ہے قولِ پاکبازاں دیدہ بازی در خدا راضی
الفت جتائیے نہ ہمیں دیکھ دیکھ کے
باتیں بنائیے نہ ہمیں دیکھ دیکھ کے

بیمار ترا یہ نیم جاں ہے
اے رشکِ مسیح تو کہاں ہے
ق
جو دم ہے اُسے تو مغتنم جان
دم کا ہی دمامہ میری جاں ہے
ہے قطرۂ اشک زندگانی
گرتے ہی زمیں پہ پھر کہاں ہے
لاؤ نہ غبار دل پہ صاحب
بے مہر اگرچہ اک جہاں ہے
مقدر ہو اگر سیدھا تو الٹا کام سیدھا ہو
وہ مہ رو خود بخود اے طالع بیدار آتا ہے

دیکھ کر ہاتھی پہ مجھ کو ساتھ اُسکے بولے لوگ — یہ تجلی ہے یہ موسے ہے یہ کوہِ طور ہے

کیونکہ رد کش ماہ کامل تجھ سے ہوئے مہروش — وہ سراسر نار ہے اور تو سراسر نور ہے

تجھے سکھلائی کس نے بے وفائی — جو مجھ سے اسقدر تو بے خبر ہے

میں اُس مکھڑے کا دیوانہ ہوں صاحب — پشیماں روبرو جس کے قمر ہے

دکھاتا ہے قیافہ کا صواب عیب ظاہر میں — جلائے باطنی سے بس ہی یہ تنویر شیشے کی

جو ایک دم کو وہ عیسٰے نفس ادھر آجائے — یہ جان رفتہ وہیں تن میں لوٹ کر آجائے

ہزار جور ہوں دل پر بھروں گا دم تیرا — یہ جاں بھی تن سے نکل لب تلک اگر آجائے

طلب میں یار کے اب تو ہی قصد کرائے دل — ترے ہی جذبہ سے شاید وہ بے خبر آجائے

نہ کیونکر صورتِ انساں میں ہو توقیر مٹی کی — ہوئی ہی نور سے ممزوج یہ تصویر مٹی کی

طفیل نور سے علوی نے سفلی کو کیا سجدہ — زہے تشریف آدم کی زہے توقیر مٹی کی

چھڑا کر عالم علوی سے سفلی میں اُسے پھینکا — خراب اسطرح کیوں آدم کی اے تقدیر مٹی کی

جبیں کو اہل زر کی قشقۂ زریں مبارک ہو — ہے کافی خاکساروں کیلئے تحریر مٹی کی

مشت خاک اپنی سے کیا ہاتھ میں آویگا ترے — اے فلک کس لیئے کرتا ہے تو برباد مجھے

سعی آدم پہ ہے تعمیرِ امید — کیا ہی بے اصل ہے بنیاد مری

خاکساری میں بھی پائی نہ مُراد — یوں ہی مٹی ہوئی برباد مری

لطف سے کیوں مجھے رکھا محروم — کیا خطا دیکھی ہے صیاد مری

جز خدا کوئی نہیں صاحب کا — ہاں سنیگا وہی فریاد مری

کون کرے پھر دعوی تجھ سے ہمچشمی کا کہہ تو بھلا — چوکڑی بھولا دنگ ہوا دیکھ آنکھوں کو آہو تیری

داغ جو دوری کا تھا تیری ہوا دل سے نہ دور
عمر بھر جوں ابر ہم روتے رہے دھوتے رہے

آنا ہے آپ کو تو بس اب جلد آئیے
حد ہو چکی ہے جان مرے انتظار کی

تم چھیڑو مجھ کو میں بھی سمجھ لونگا ایک دن
کہتے ہیں سو سنار کی اور اک لوہار کی

راز سربستہ کے وا کرنے سے کچھ بھی حاصل
بات وہ کیا کہ پڑے کان میں جا کر دس کے

کب نظر کرتے ہیں تقویٰ کیطرف وہ صاحب
رندی اور مستی کے جنکو کہ پڑے ہیں چسکے

آتے نہیں تو اپنے تصور ہی کو بھیجو
میرے دلِ ویراں کو بھی آباد تو کیجے

درد عشق یار نے گھیرا ہے دل کو بے طرح
کس طرح اے رب العزت دل بچانا چاہیے

سیکڑوں میں نے جفائیں سہیں حسن دلبر کی
نہ کبھی اُس نے تسلیِ دلِ مضطر کی

بے واسطہ دنیا میں نہیں رہتا ہے کوئی
ہر ایک کا ہر کوئی ہو صاحب ترا رب ہے

زلف و رُخ دونوں ہیں آمادہ پئے تسخیرِ دل
ہاتھ دھو کر میرے پیچھے گورے کالے پڑ گئے

ہو گئے ہجرِ صنم میں موے سر یکسر سفید
انتظارِ دید سے آنکھوں میں جالے پڑ گئے

عشق صاحب اسکو کہتے ہیں کہ ہم تا وقت مرگ
شکوہ تیرے ظلم کا لب پر نہ لائے مر چلے

نقشہ تیرا نہیں جاتا دل سے
میں نے شیشہ میں پری ہے گھیری

میں تو دل تجھ سے نہ پھیروں گا کبھی
آنکھ گو تو نے ہے مجھ سے پھیری

کر چکا صدقے نام پر تیرے
اپنا نام و نشاں تلک کوئی

لے گیا ایک نازنیں مجھ سے
صبر و تاب و تواں تلک کوئی

تجھ سے بے مہر سے لگایا دل ‏ ہے یہ اپنا قصور کیا کیجے
چار دن کی ہے چاندنی یہ حسن ‏ اس پہ اے مہ غرور کیا کیجے
تیری سنگیں دلی سے اے جاناں ‏ شیشۂ دل ہے چور کیا کیجے
زر ہے کف میں نہ زور بازو میں ‏ سر دلِ پُر غرور کیا کیجے
کس کی ہمت پہ ہو جیئے نازاں ‏ جز ترے یا غفور کیا کیجے
تھک گئے راہِ غم میں اور صاحب ‏ ابھی دلی ہے دور کیا کیجے
تمیز نہیں بچ میں اور چوب میں اُن کو ‏ سمجھے ہیں جلاپے کو جو جلّاب کی لکڑی

تجھ کو دیکھوں تو مری زیست کی صورت ہو جائے ‏ جلد بیماریِ غم سے مجھے صحت ہو جائے

تخمیس بر غزل ناسخ

عجب اک مخمصہ میں مبتلا یہ دل ہمارا ہے ‏ چھپے چوری کی الفت کا کہیں کیا پاس سارا ہے
نہ ضبط گریہ کی طاقت نہ بے گریہ کے چارا ہے ‏ کسی نے تیر دزدیدہ نگہ سے دل پہ مارا ہے
لہو روتی ہیں آنکھیں رازِ پنہاں آشکارا ہے
ہمنشیں نامۂ دلدار جو پایا میں سنے ‏ کبھی چوما کبھی آنکھوں سے لگایا میں نے

در بحثِ مذاہب

اگر بچشمِ ارادت نظر کنی صاحب ‏ برائے صدق عقیدت ہمیں بس ست دلیل
فروغ داد جہاں را دو نیّر اعظم ‏ ز نورِ پاک کہ شد بخش آں بر آلِ خلیل
یکے مسیح مطہر دگر محمدؐ پاک ‏ ضیائے دیدۂ اسحٰقؑ و نورِ اسماعیلؑ
بوعدہ ہائے مبارک کہ شد بہ ابراہیمؑ ‏ ز بارگاہ علی حضرت خدائے جلیل

شود شفیع یکے بہر آل اسماعیل — رسد نجات ز دیگر بآل اسرائیل

غرضکہ بہر نجات نبی ابراہیم — ہمیں دو نیر کونین مقبل اند و کفیل

ز موسوی نہ بود مطلبم جدا ازیں بحث — کہ ہست موسی و عیسے زیک گروہ و قبیل

ظہور مہدی و عیسے بآخر دنیا — بریں کہ گفتہ شدہ ہست ایں است دلیل

رہ سلوک ہمیں است طبق تنزیلات
اگر بچشم عداوت نظر کند تجہیل

قصیدہ در مدح نواب کلب علی خاں بہادر والی رام پور

خلاقِ وجودِ مہربانی — در خلق و وفا و مہربانی

تقریرِ زبان او چو بلبل — بلبل بہ ثنائے اوست بلبل

یکتاست بہ فن علم شعرے — ہر شعر بلند تر ز شعرے[1]

رنگیں رقمش چو لعل و یاقوت — یاقوت خجل غلام یاقوت[2]

کلکِ قلمش چو نیشکر ہست — نے نے غلطم نہ نیشکر ہست

پیش رقمش خطِ عطارد — خام است کہ چوں خطِ خطارد

در مملکت کلام خسرو — در فن سخن امیر خسرو

یکتا ناثر یگانہ ناظم[3] — در ملک سخن یگانہ ناظم

در باب سخا وجود کان ست — حاتم بہ کرم نہ بُد کہ آن ست

طومار سخائے حاتم سطرے — از جود و سخاوتش بشد سطرے

آن حاتم را نہ دیدہ دیدہ — ایں حاتم را بچشم دیدہ

مانند سحاب فیض دربار — از جود و سخاش ہست دُربار

---

[1] یعنی ستارہ۔ [3] نام خوشنویس

سائل بہ درش اگر نوازد | قنطار زرش وہد نوازد
خرمن گرمی نظر درو کن | صد کشت امید خود درو کن
اشجع اشجع جری بہادر | در تاج شہانہ بے بہا دُر
بہمن نہ شود باد تہمتن | چوں مور بہ پیش او تہمتن
رستم یلِ سیستاں بنِ زال | پیش بازوش کمتر از زال
در خیلِ دلاوراں دلاور | در دست بہ خلق خوش دل آور
در حسن و جمال رشکِ یوسف | صد ہا چنیں لبستہ پیش او صف
یوسف بجمال یوسفی کرد | کے تاجوری و یوسفی کرد
آنگہ کہ کشد بعدلِ شمشیر | ضیغم نہ غنم دہد بہ شم[۵۱] شیر
از جورِ خزاں شود زہتاب | مہرش نہ دہد دگر بہ مہتاب
مہ از مہ نو رکاب داری | زیبد کہ کنی رکابداری
صاحب تو حدید اوست پارس | زیر قدمش بہ دست و پارس
جز جبیں ز ذات اوست مطلب | تو مطلب خود ز غیر مطلب

گردش کہ ز ہفت آسماں باد
بر فرق عدوش آس[۵۲] ماں باد

تاریخ وفات کپتان برنارڈ فانتوم والد خود

(در بریلی بتاریخ ۱۵ نومبر ۱۸۳۵ء)

کپتان فانتوم بریلی میں اک رئیس | تھا وہ شریف زادۂ قوم فرانسیس
اُن کو نسب میں دعوے پارسیں تھا | کہتے حسب کو فخر سے تھے مارسلوا
پونڈچری[۵۳] ہے اک مقام لبِ بحرِ ہند پر | ہے ہند میں فرانس کا وہ دارِ مستقر

---

۵۱ شم بمعنی ناخن۔ ۵۲ مانند آسیا۔ ۵۳ پانڈیچری۔

مرنے سے اُسکے بند جو بابِ مطب ہوا　　خورد و کلاں نے رو کے کہا کیا غضب ہوا

انتخاب کلام فارسی

کجا ماندی کہ کشتی از تغافل نیم جانے را　　بچشمِ انتظارِ او سیہ کردی جہانے را
ندانستم کہ جاے تست در جان و دلِ عاشق　　عبث در جستجوے تو تلاشیدم جہانے را
سوے من آ بتِ کافر خندا را　　ادا ہاے تو کشتہ کردہ ما را
بخونم پنجۂ خود را بدہ رنگ　　رسد در ہند اگر خواہی حنا را
بلاے عاشقی از من مپرسید　　پناہ اے دوستان جانِ شما را
چہ امید وفا زاں دوست دشمن　　کہ نشناسد حقوقِ آشنا را

امید صبحِ وصالِ صنم نماند مرا　　شب فراق بروزِ سیہ نشاند مرا

کسیکہ دردِ محبت بہ دل نہاں دارد　　اگر ہزار بپوشد رخش عیاں دارد

شیرینی کامیم بیارید بیارید　　از مے دو سہ جامیم بیارید بیارید
عید ہست دو سہ جام کجا میکندم سیر　　میخانہ تمامیم بیارید بیارید
پیغام میارید ازاں شوخ ہم او را　　مشتاق کلامیم بیارید بیارید
بیمار و ضعیفیم از آں طرۂ مشکیں　　بوے بہ مشامیم بیارید بیارید
گلگشت چمن بے رخِ او لطف ندارد　　آں ناز خرامیم بیارید بیارید
کدامی دل است آنکہ الفت نہ ورزید　　بجان و دلِ خویش آفت نہ ورزید
نہ برداشت بر سر جفا ہاے اغیار　　ز خویش و اقارب عذابت نہ ورزید

چو رو بگرفتی سوے اورہ سوے دگر کم گیر | درے بکشا برُوے خویش ویک رہ گیر و محکم گیر
اگر خوش اعتقادی دینُ دنیا زانِ خود انگار | کلاہے در ہوا انداز و ایں ہم گیر و آں ہم گیر
دریں بستاں سرا جُز بے ثباتی نیست ترسیحے | ز اوراقِ گل ایں آیات و تفسیرش ز شبنم گیر
شتابان سیر وی اے عمر پاس ہمرکابی کن | ز پا افتادہ ام اے بیوفا بہرِ خدا دم گیر
ترا بر خندۂ ناپائدارت گریہ می باید | اگر چشمت ندارد آب وام از گل ز شبنم گیر

تو اے جبرجبیں خوش گذراں بآزادی دریں عالم
اطاعت کن خداوندِ دو عالم را و عالم گیر

کام دل می طلبم از بتِ خود کام ہنوز | می پزم در سرِ خود ایں ہوسِ خام ہنوز

زگرمجوشیِ دلدار با منِ مسکیں ؛ | چہ زخمہا کہ نخورند دشمناں بردل

کجا مثال کہ گویم ترا بداں مانے | چنانکہ نقش تو در خاطرِ من است آنے
منم بہ حلقۂ زلفِ تو ام شدہ چو گاں | تو مشتغل بفراغت بہ گوے و چوگانے
تو آں گلے کہ بخارت نمی توانم دید | خوش آنکہ از خسُ و خاشاک دامن افشانے

رُباعی

گر دوست مرا دوست ندارد چہ کنم | بر حالِ من ار رحم نیارد چہ کنم
راضی بر ضاے دوست باش اے جبرجبیں | تحریرِ ازل نمی شود رد چہ کنم

قطعہ

بسا جواہر خوش آب در تہِ دریا | فتادہ است کہ کس ہیچ ازاں ندارد یاد
بسا گلے کہ دمیدہ ست وکس ندید آنرا | کہ بوے خویش بہ ویرانہ میدہد برباد

کہہ مکرنی

(آئینہ)

موہی دیکھے اور آپ دکھاوے ہاتھ لگاوے ہاتھ نہ آوے
جا سو من لاگا تڑپن نَین اے سکھی ساجن، نا سکھی درپن

(وطن)

چال چلن موے من کو بھاوے رنگ ڈھنگ وا کا ادھک سہاوے
اُس بن دل کو رہے کلیس اے سکھی ساجن، نا سکھی دیس

(چاند)

سانجھ بھئی تو لیا اوتارا وا سوں ہوا سب گھر اُجیارا
اُس بن مجھ کو سب گھر ماند اے سکھی ساجن، نا سکھی چاند

(بارش)

آنا وا کا من کو بھائے اُنگ اُمگ جیرا للچائے
اُن کو دیکھ بھر آوے نینھ اے سکھی ساجن، نا سکھی مینھ

(بادل)

بھر آئے اور سر پر کھڑے ہاتھ باندھے پیچھے پڑے
واکے ات مچی ہل ہل نَین اے سکھی ساجن، نا سکھی بدّل

چیستان

(روپیہ)

کھانے کا نہیں پینے کا نہیں چھوئے ہاتھ کالا ہو پاس رہے کام آوے اور مُنھ اُجیالا ہو

(بھٹا)

ایک نار ہری بھری کھڑی دوشالہ پوش نوچ کھسوٹ ننگا کیا رہی دانت نبوس

(کسوم)

آدھا رکس سارا سوم ‏ بوجھ بوجھ نہیں ٹھینگا چُوم

(باجرہ)

بابا گھر سوں جاے کے مٹک مٹک کرلائیں ‏ دھرادی کر سانج سویرے جرا جرا کر کھائیں

(جماہی)

آنکھ میچ مُنھ پھیلائے ‏ دیکھا دیکھی سب کو آئے

GRAYS ELEGY ON A COUNTRY CHURCHYARD

Full many a gem of purest ray serene
The dark unfathomed caves of oecan bear
Full many a blossom is born to blush unseen
And waste its sweetness on the desert air!!

شایق (جان فانتوم)

ہم نے دل سو جگہ لگا دیکھا ‏ کوئی تجھ سا نہ دلربا دیکھا
کان رکھ کر سُنا نہ اُس گُل نے ‏ حال دل بارہا سُنا دیکھا
نصف شب اُسکی گلی میں چھپ کے جانا چاہیے ‏ قول جو اُس نے کیئے ہیں آزمانا چاہیے
گر نہ پہنو ماتمِ عاشق میں پوشاکِ سیاہ ‏ سرگیں آنکھوں سے دو آنسو بہانا چاہیے
شمع کی پروا نگی پروانہ کو کب ہے ضرور ‏ بن بلائے محفلِ جاناں میں جانا چاہیے

اسقدر رنجش نہ تجھ کو مجھ سے جانی چاہیئے ‏ ‏ ہر گھڑی ہر لحظہ مجھ پر مہربانی چاہیئے
کہنے سے اغیار کے گر تم ہوے ہم پر خفا ‏ ‏ سخت بیجا ہے نہ ایسی بدگمانی چاہیئے

کھوتے ہیں عقل و دانش و دیں تیرے واسطے ‏ ‏ مجنوں بنے ہیں پردہ نشیں تیرے واسطے
جور و جفا و منتِ دربان و طنزِ غیر ‏ ‏ کیا کیا جفائیں ہم نے سہیں تیرے واسطے

صوفی (الفریڈ فانتوم)

بارہ ماسہ

جدا ہوا ہے تو جس دن سے اے صنم مجھ سے ‏ ‏ خدا علیم ہی کیا کیا ہیں غم بہم مجھ سے
خوشی بعید ہے اور ہی قریب الم مجھ سے ‏ ‏ غرضکہ ہو گئے بہت کم نصیب کم مجھ سے

ترے فراق میں ہے بسکہ زار زار یہ دل
برنگ گلبنِ بستاں ہے خار خار یہ دل

ترے فراق میں یہ نوبت اب ہماری ہے ‏ ‏ لبوں پہ آٹھ پہر شورِ آہ و زاری ہے
جو دن گذرتا ہی جوں توں تو رات بھاری ہے ‏ ‏ جو رات گذری تو پھر وہ ہی بیقراری ہے

رہے ہے آٹھ پہر غم رفیق تنہائی
جسے کہے ہیں الم ہے شفیق تنہائی

غمِ فراق میں جو کچھ کہ مجھ پہ گذرے ہے ‏ ‏ سوائے اس دلِ ناداں کے کون جانے ہے
مصیبتوں کو محبت کی وہ ہی سمجھے ہے ‏ ‏ جو اپنے سر پہ یہ کوہِ بلا اُٹھاوے ہے

غمِ نہاں سے بظاہر کوئی ہو کیا واقف
دلوں کے حال سے ہوتا ہی بس خدا واقف

نہیں حصول جو فی الحال دولتِ دیدار ۔ کہ صعب ہجر کا ہو بالمشافہہ اظہار
غمِ فراق سے ہو کر کے عاجز و لاچار ۔ سمجھ کے نامہ کو نصف الوصال اے غمخوار

لکھوں ہوں شمۂ احوالِ ہجر تجھ کو اب
کہ کیونکہ بارہ مہینے کٹے ہیں مجھ کو اب

شبِ فراق جو کاتک میں ہو گئی بھاری (کاتک) تمام رات لگی رہتی مجھ کو بیداری
ہے دل میں آگ لگی نم ہے چشم پر جاری ۔ بسانِ شمع میں کاٹوں ہوں وے شب ساری

نہ کیونکہ آئے شبِ ہجر میں مجھے کم خواب
جو تجھ سا دلبرِ رعنا نہ ہو مرا ہم خواب

اگہن میں شدتِ سرما سے آئے ہی جب یاد (اگہن) بہم لپٹ کے وہ سونا مرا ترا دل شاد
تو دل سے نکلے ہے بیساختہ یہی فریاد ۔ کہ وائے از غمِ ہجراں و داد از بیداد

کٹے ہے رات جو تجھ بن وہ ایک آفت ہے
جو دن گذرتا ہے بن تیرے وہ قیامت ہے

گذر چلا یہ مہینہ بھی یوں نہی افسوس (پوس) نہ پائی وصل سے کچھ لذتِ کنار و بوس
نہ کیونکہ غم سے ہو یہ جانِ غمزدہ مانوس ۔ رہے اگہن کی طرح پوس میں بھی ہم مایوس

شبِ دراز درازیِ غم دکھاتی ہے
یہ عمر کوتہ افسوس یونہی جاتی ہے

بسنت رت جو ہوئی ماہ کے مہینے میں (ماہ) گئی وہ چند بھڑک آگ غم کی سینے میں
بیان ہجر کہاں تک کروں سفینے میں ۔ غرضکہ لطف نہیں اپنے ایسے جینے میں

خزانِ یاس سے ہے چوں گلِ فسردہ یہ جی
کھلا نہ غنچۂ اُمید جب بہار میں بھی

جہاں میں ہولی کی بھاگن میں ہو رہی ہے دھوم (پھاگن) ہمارے طالعِ ناقص ہیں اسطرح کے شوم

کہ ایسے میں بھی بصد حسرتِ دلِ مغموم حصولِ دولتِ دیدار سے رہے محروم

کہاں کا پھاگ ہمیں اور کہاں کی ہے ہولی

یہاں فراق میں کیا گیا نہ جان پر ہولی

رنجمنت بسکہ نہیں ہجر میں ہے میرا جی (چیت) نہ چیت ہی مجھے خوش آئے ہے نہ اب اُردی

ہزار ماہ جلالی ہوں لاکھ فروردی ہمارا غنچۂ دل اس طرح کھلے نہ کبھی

یہ لالہ زار یہ گلزار اور یہ فصل بہار

فراق یار میں مجھ کو ہیں مثلِ آتشِ زار

کٹے گا کیونکہ یہ بیساکھ کا مہینا آہ (بیساکھ) غم فراق ہے دل کو مرے نپٹ جانکاہ

یہ خس کی ٹھنڈی ہوا دن کو اور یہ شبِ ماہ نہیں ہے دیو سفید و سموم سے کم آہ

چمک رہے ہیں ستارے جو چرخ پر نکھرے

رہ امید میں مجھ کو ہیں جوں خسک بکھرے

نہیں ہے حشر سے کچھ جیٹھ کا مہینہ کم (جیٹھ) تپ فراق و تپ آفتاب نے باہم

یہ دل کو میرے جلایا کہ کر دیا بے دم ہے جان آنکھوں میں اور لب پہ آرہا ہے دم

لوئیں جو آگ بھری گرم گرم چلتی ہیں

دل تپیدہ کی لپٹیں مگر یہ اُڑتی ہیں

لگی جو آتش غم جاں میں دل کے اخگر سے (اساڑھ) رواں مدد کو ہوے اشک دیدۂ تر سے

بہے یہ چشمے کہ پانی گذر گیا سر سے تپے تھے جیسا غرض ویسا پھوٹ کر برسے

اساڑھ میں جو رواں ہر طرف ہیں اب نالے

یہ میرے سینے کے جاری ہوئے ہیں پرنالے

زبسکہ سینے پہ اب جوش داغ ہجراں ہے (ساون) تفِ جگر سے ہر اک مثل برق رخشاں ہے

ہے ابر دود دل و آہ رعد نالاں ہے ہوئے سر و دم سرد و اشک باراں ہے

ہماری بارش غم نے کیا ہے وہ طوفاں
کہ جس کو دیکھ کے ساون پکارتا ہی اماں

ڈراتی کیا کیا ہی بھادوں کی مجھ کو اندھیاری (بھادوں) برنگ دیو سیہ تن مہیب اور بھاری
زبسکہ دل پہ ہیں اب سیکڑوں بلا طاری ہی اشک چشم میں اور لب پہ آہ اور زاری

فغان و نالہ کو سُن میرے رعد روتا ہے
زمیں سے ابر مرے آنسوؤں کو دھوتا ہے

کنوار میں جو ہوئی فصل برشگال تمام (کنوار) لگی ہیں در کیطرف آنکھیں صبح سے تا شام
پکارتا ہوں تجھے خواب میں بھی لے لے نام غرضکہ دن کو مجھے ہی نہ رات کو آرام

ہے انتظار یہاں کب ترے قدم آویں
جو بیخودی سے نکل ٹک خودی میں ہم آویں

ترے فراق میں جو کچھ ہے حال جانِ زار کہاں تلک ہو بیاں اُسکا اے مرے غمخوار
اگرچہ لکھنے کو لکھا ہی حالِ دل یکبار ہنوز باقی ہے ناگفتنی ہزار ہزار

خدا نجات دے جلد اس بلائے ہجراں سے
ہوں کامیاب میں صوفی وصالِ جاناں سے

جوزف لائنل فانتوم عرف بنّے صاحب بریلوی

عداوت کی محبت میں جفا کی ستمگر پھر محبت تو نے کیا کی
ستاروں کا وہ زیور کیوں نہ پہنے کہ صورت چاندسی ہے مہ لقا کی
گرہ وقت سخن پڑتی ہے لب پر نزاکت آپ میں ہے انتہا کی

بر وفات پسر خود

لحد میں سو رہے ہو آرام سے لخت جگر تم تو
ہماری زندگی یاں پر بڑی مشکل سے گذریگی

انتخاب کلام فطرتؔ

دل کو دے جان بھی پڑی دینی
لو یہ اس سود میں زیاں نکلا

مبتلا میں ہوا ہوں اُس گُل کا
جی ہے قربان جس پہ بلبُل کا

گرچہ دل مثل شانہ چاک ہوا
تو بھی عقدہ کھُلا نہ کاکل کا

گرمی سے اُس نگہ کی دل کسطرح نہ پگھلے
آئینہ آب ہو کر حیرت سے بہ گیا تھا

تاریک ہو گیا تھا نظروں میں اپنی عالم
پہلو سے اُٹھ کے جسدم وہ رشک مہ گیا تھا

ہرگز نہ کوئی ایسے ظلم و ستم سہے گا
یہ میں ہی تھا کہ کیا کیا کچھ جو رسہ گیا تھا

وہ صاحب کمال ملا ہم سے آج تو
ملنے کا جسکے شوق تمام و کمال تھا

بہانا اسقدر آنسو کہ بہ جاوے سبھی عالم
نہ کرنا مجھ کو بہ چشموں میں تو اے چشم تر جھوٹا

دل سنگیں میں اُسکے کچھ نہ کچھ تاثیر کر بیٹھے
الٰہی نالۂ دل کا نہ ہو جاوے اثر جھوٹا

فلک کی کجروی سے راستبازی اُٹھ گئی سچ مچ
نظر آتا ہے ہم کو ایک عالم سر بسر جھوٹا

تجھ سے جدا رہیں یہ گوارا ہمیں نہیں
اندوہ و غم اُٹھانے کا یارا ہمیں نہیں

خوبرویوں سے ہم کو کیا مطلب
بندۂ بے درم تمھارے ہیں

دام میں دل کو لے کہا فطرت
صیدیوں تو بہت سے مارے ہیں (ق)

پر یہ کالا تھا جس کو صید کیا
چھوڑ دو اور سب چکارے ہیں

اب تو جاتے ہیں ہم اُس در پہ ولیکن دیکھیں — حال سے کچھ دلِ شیدا کے خبر ہو کہ نہیں
لے چلا وادی کو بستی سے ہمیں جوشِ جنوں — واں بھی دیکھیں گے اب اوقات بسر ہو کہ نہیں

خرمن ہستی ترے قہر و غضب سے جل گیا — تو تو شاہ آتشیں ہے وہ سپاہ آتشیں

بالکل ابھی جنوں کی تو وحشت مٹی نہ تھی — لو آگیا ہے جوش پہ سودا کو کیا کریں

عار اور ننگ سے کیا کام ہے اب عاشق کو — ناصحا سونپ مگر اپنا تو ناموس ہمیں

نظر پڑے ہیں جہاں میں بہت شکیل ہمیں — ولے ملا نہ کوئی آپ سا جمیل ہمیں
جہاں کہ حضرت فطرت سا ہو معاون کار — وکیل چاہیے اُس جا پہ نے کفیل ہمیں

کس کس تڑپ کے نالہ کے مارے ہیں ہم نے آج — سینے پہ آسمان کے محبان بان بان
صنعت کو ایسے صانع کی فطرت خیال کر — گل سے بنائے جس نے یہ انسان سان سان

دل پہ اندوہ ہے خاطر پہ الم رکھتے ہیں — یہ بھی کیا طالع ہیں اے چرخ کہ ہم رکھتے ہیں
اُسکی اٹھکھیلی کا نظروں میں سمایا ہے خرام — سرو شمشاد کہاں یہ چم و خم رکھتے ہیں
شیخ جی طور پہ چمکی تھی تجلی جس کی — اپنے بت خانہ میں ہم وہ ہی صنم رکھتے ہیں
چھٹ گئے ہاتھ سے صیاد کے جو اے فطرت — زندگی اور بھی شاید کوئی دم رکھتے ہیں

کیا سیر گلستاں کو کوئی رشکِ گل آیا — ہے نغمہ سرا مرغ خوش آہنگ چمن میں

اُسکو جو اپنا کوئی ہمسر نظر آتا نہیں — اسلیئے رکھتا ہے وہ آئینہ اکثر ہاتھ میں
ایک دم میں آہ سے کرتا ہوں پانی سنگ کو — کوئی رکھتا ہے سوا میرے یہ جوہر ہاتھ میں
ہاتھ آجاوے کسی ڈھب سے اگر اُس شوخ کا — پھر قیامت تک نہ چھوڑوں ہاتھ لیکر ہاتھ میں

گو صدف آسا ہمارا دیدۂ پُر نم نہیں — اشک لیکن گوہرِ غلطاں سے ہرگز کم نہیں
مارتے ہیں اب تو ہم تختِ سکندر پر بھی لات — دل میں کچھ آرزو ہوائے تاج و تختِ جم نہیں
فکر کیا اس گردشِ گردوں کی اے فطرت کریں — شاد ہیں وصلِ صنم سے اب تو ہمکو غم نہیں

کیوں نہ ڈوبے ہی رہیں دیدۂ تر پانی میں — مردمِ آبی ہیں یہ اُن کا ہے گھر پانی میں
کون سا خستہ جگر روتا ہے دریا پہ کھڑا — جو بہے آتے ہیں یہ لعل و گہر پانی میں
اُس کفِ پا کو نہانے میں مگر دیکھا ہے — سنگ پا بن گئے جو شمس و قمر پانی میں

غیر کے جور و تعدی کا کروں کیا شکوہ — دشمن جان ہوا اپنا یہ دل پہلو میں
گل کے مانند لب زخم جگر اے فطرت — دیکھ کر تیغ کو اُسکی گئے کھل پہلو میں

ہم جب سے ہوئے آکر آباد گلستاں میں — بیٹھے نہ کبھی دم بھر دلشاد گلستاں میں
آواز چٹکنے کی کلیوں کی نہیں پر گُل — کرتے ہیں ترے غم سے فریاد گلستاں میں

قاتل نے ہم کو غوث کا کیا مرتبہ دیا — جو سر کہیں ہے ہیں کہیں اور دست و پا کہیں

دل زلف میں پھنسا تو بلا سے پھنسا رہے — میں آپ ہوں بلا میں گرفتار کیا کروں

صحت دوا سے ہو نہ دعا سے شفا تجھے ۔۔۔ پھر میں علاج اودلِ بیمار کیا کروں
فطرتؔ وہ مجھ سے جان کا خواہاں ہے اندنوں ۔۔۔ ادنیٰ سی شے کے واسطے انکار کیا کروں

بہتر ہے گھر کو ٹھنڈے ہی ٹھنڈے سدھاریے ۔۔۔ کیجئے زیادہ آپ نہ اب یاں چناں چنیں
فطرتؔ جہاں میں جز درِ عیسے کوئی جگہ ۔۔۔ آتی نہیں نظر مجھے جاؤں کہاں کہیں

دل و جگر جسم و جان و سینہ و دیدہ و ہم و خیال عاشق
جو راست پوچھو تو اُس پری کے یہ رہنے کے ہیں مقام آٹھوں

فغان و نالہ و زاری و آہ دنیا میں ۔۔۔ ہمارا کھوتے ہیں بس اعتبار یہ چاروں

ایک رنگوں سے اگر تجھ کو نہ تھا ہونا دو رنگ ۔۔۔ تو پھری کس واسطے تونے اُٹھائی ہاتھ میں
کچھ تو اُس کی یاد کا چرچا کریں ۔۔۔ دل لگا کر ان بُتوں سے کیا کریں
پھول اے بلبل جھڑیں دشنام سے ۔۔۔ رشک گل جب غنچہ ساں لب وا کریں
باوجود فطرتؔ و عقل و ذکا ۔۔۔ حیف ہے خود کو اگر رُسوا کریں

ق

کیا تلوّن ہے مزاج انکے میں اے چرخ بتا ۔۔۔ کام ایسا جو یہ صیاد کیا کرتے ہیں
دور سے دام میں کھینچے ہیں نئے وحشی کو ۔۔۔ خو پذیرفتہ کو آزاد کیا کرتے ہیں

سنگ کعبہ میں ترے زاہد یہ دولت تھی کہاں ۔۔۔ ہمکو جو حاصل ہوئی ہے یار کے پابوس میں
مثل پروانہ جلے ہے یہ کسی عاشق کا دل ۔۔۔ شمع روشن مت سمجھنا پردۂ فانوس میں

طبلۂ عود بناتی ہے مشام جاں کو ۔۔۔ جعد مشکیں کی مہک زلف پریشاں کی بو

نرگس کی طرح سے روز و شب ہے | کس چشم کا انتظار دل کو
سینے سے نکال لے گیا ہے | فطرت وہی بد شعار دل کو
یہ وہ ہے مرض جس کی اطبائے جہاں سے | دیتا نہیں ہے ایک بھی درماں کوئی مجھ کو
بیشہ میں سخنگوئی کے جز ضیغم قالیں | اب تک نہ ملا شیر نیستاں کوئی مجھ کو
حاصل عمر اُس کی فرقت میں | یک دلِ غم برشت ہے مجھ کو
ناصحا چُپ رہ خوار پھرنے کی | ابتدا سے سرشت ہے مجھ کو
سیکڑوں ظلم کرو لاکھوں ہی بیداد کرو | پر ہمیں اپنی غلامی سے نہ آزاد کرو
گلرخو مہر قیامت ہے صنم کا رخسار | چشم انصاف سے اس مطلع پہ دو صاد کرو

جینے دے مجھے جان کا آہنگ نہ کر تو | اے حسرت دل اتنا بھی اب تنگ نہ کر تو
یک دانۂ الفت کیلئے چرخ ستمگر | دل میرے کو سختی سے تہِ سنگ نہ کر تو
اس عارضِ پر نور کو ہر بار دکھا کر | آئینہ کو حیرت سے بہت تنگ نہ کر تو
ہوتا ہے پراگندہ دماغِ گلِ رعنا | بس زمزمہ اے مرغ بد آہنگ نہ کر تو

اردل سے کمینے سے اُسے عار ہی ظالم
فطرت کی ملاقات سے کچھ ننگ نہ کر تو

ساقیا ابر ہے سبزہ ہے صنم ہے اب تو | ڈھال دے جام بلوریں میں مے گلگوں کو

جب سے ساقی نے مے وصل پلائی مجھ کو | کھل گئی آنکھ نظر آئی خدائی مجھ کو

ہیں چشم تری اے رشک پری بادہ سے بھرے پیمانے دو
اس شیدا کے اُس مے سے ہیں دل اور جگر مستانے دو

ہر شام و سحر بے خوف و خطر ہو جلوہ نما ان میں آ کر
رہنے کو ترے یہ دیدہ و دل آراستہ ہیں کاشانے دو

اُس بُت کے ابرو کے نیچے آنکھیں نہ سمجھنا اے زاہد
یہ کعبے کی محراب تلے آباد ہوے میخانے دو

بار سر دو مرے دوش سے گر یار کرو
اس گرانباری سے واللہ سبکسار کرو

بُت پرستی سے مجھے باز نہ رکھو یارو
کیا یہ مرضی ہے کہ بندہ کو گنہگار کرو

آنکھ دکھلاتے ہو اسواسطے مجھ کو صاحب
یعنی بیمار کو بیمار سے بیمار کرو

جبکہ ہو ظالم کسی اقلیم دل کا بادشاہ
پھر تو اوروں سے سوا وہ دہر میں آباد ہو

تو بھی نہ اُسکی تیغ کے آگے سے میں ٹلوں
کردے جدا اگر وہ مرے بند بند کو

بندہ صنم کا روز ازل سے ہوں ہمنشیں
خاطر میں کب میں لاتا ہوں ناصح کے پند کو

فطرت خدا جو چاہے تو دم بھر میں پھیر دے
طالع کو اور اس ترے نجم نژند کو

ہرگز ٹلے نہ جان لیئے بن کسی طرح
جس دم گلے کا میرے ترا ہار ہار ہو

فطرت نہ کس طرح سے بھلا اپنا دل جلے
ہر دم زبان غیر پہ جب یار یار ہو

نشتر مژگان رگِ جاں پر ہماری لگ گیا
رکھ دے اے جراح تیرے پاس اگر لازوق ہو

ہم بتوں کی خاک پا ہیں چاہتے ہیں اب یہی
آہ کا نعرہ ہمارا بھی مثال بوق ہو

کیونکر رکھے نہ رُخ پہ وہ اپنے نقاب دو
ہے چرخ حسن ایک دلا آفتاب دو

دیوانہ کوئی کہتا ہے سودا زدہ کوئی
فطرت مجھے تو کافی ہیں یہ ہی خطاب دو

بہت سی چشم جادو دا اور بہت دیکھے کماں ابرو
پہ ایسی چشم دیکھی اور نہ ایسے دلستاں ابرو

بدنام کر چکا مجھے اور مانتا نہیں
سمجھاؤں کس طرح دلِ خانہ خراب کو

غنچۂ و گل میں کہاں ہے یہ بات
بلبلو اُس کے دہن کو دیکھو

زلف ہے چہرۂ تاباں پہ چھٹی
ماہ کو اور گہن کو دیکھو

گلشنِ حسن کو اُس کے فطرت
دیکھ کر تم نہ چمن کو دیکھو

ہستیِ موہوم ہے صرف امتزاجِ اضداد کا
آب و آتش باد اور گل نے لگائی ہی گرہ

شراب عشق تیری لے پر پُر د
ہمارے شیشے کے دل میں بھری ہو

لڑانا آنکھ تو اُس سے نہ لے دل
نگہ میں اُس کی سحر سامری ہے

تجھے جو دختِ رز کہوں سہی ہے
کہ تو فطرت کے گھر شب کو رہی ہے

تجھے اے شیخ کیا اسکی خبر ہے
صنم نے بات جو مجھ سے کہی ہے

یہانتک فطرت اُسکے غم میں رویا
کہ اُسکی چشم سے ندی بہی ہے

جو دیکھا غور کر کے ہم نے فطرت
ترے دیوان کا رنگین ہر ورق ہے

سرخی ہے جو رخساروں پہ اُس غنچہ دہن کے
ہوگی نہ کسی پھول پہ اس شان کی سُرخی[1]

دل گلشن سینہ میں بلبل کی طرح چہکا
جسوقت کہ گلرو کی تصویر نظر آئی

ہر مست سے گلشن میں آنکھ اُس نے لگائی ہے
یہ دخترِ رز ہم کو بے پیر نظر آئی

[1] غالباً اصل لفظ صحیح تھا جو سہو کاتب سے اس طرح نظم ہوا

کس طرح ہاتھ سے اُسکے ہو رہائی دل کی
گرچہ زنجیر سے بچ جائے تو سمرن مارے
زلف بل کھائی ہوئی کان پہ یوں ہلتی ہے
جسطرح سانپ پٹارے سے نکل پھن مارے

اگرچہ اپنے عاشق پر سدا اُس نے جفا کی ہے
ولے اُسکو توقع اب تلک مہر و وفا کی ہے
نہ تھا جبتک کہ دخلِ غیر بیت اللہ کہتے تھے
کہو سب وے یہ ملکر دل کو بُت نے اُسمیں جا کی ہے

دلا اُسکی کمر کو دیکھتا کیا ہے تاتل سے
نہ آوےگی نظر یہ حضرت باری کی باریکی
تڑپنے کے سوا دم بھر نہ ہووے چین بجلی کو
جھمک دیکھے دوپٹہ پر اگر اُس کی کناری کی

کدورت کونسی آئینہ رُو کے آ گئی دل میں
جو ہم سے ترک کر دیں اُسنے وہ باتیں صفائی کی
لگائی آگ دل نے اور بجھائی دونہی آنکھوں نے
میں ہوں حیراں اُنہوں نے کیا لگائی اور بجھائی کی
نہ کہتا تھا میں اے ظالم کہ صحبت کا اثر ہوگا
مقابل ہو کے آئینے کے تو نے خودنمائی کی

ہم اُس سے رازِ دل کہنے نہ پائے غیر کے باعث
رہی آخر کو جی میں بات اپنے جو کہ تھی جی کی
مُغ خورشید لایا پُر مئے گلگوں سے جام اپنا
خبر پہونچی فلک پر جب ہماری مے پرستی کی
میاں فطرت غضب بانکا تمہارا یار ہے جسکی
گئی ہے شرق سے تا غرب شہرت خانہ جنگی کی

تارے یہ نہیں چرخ پہ ہیں دانہ انگور
کیوں پیر مغاں کہیو کہ کیا دور کی سوجھی
تشبیہ دی جو سر کو ترے آم سے میں نے
گردن کے تناسب میں پھر اچور کی سوجھی

دیکھ کر آپ کو غصے میں مری جان بھرے
رہ گئے دل میں مرے سیکڑوں ارمان بھرے

گونگے ہو جائیں نکل آئے گلے میں گلٹی جھوٹ سچ بول کے جس نے یہ ترے کان بھرے

بغل میں جب سے وہ ہی راحت جاں ہمارے اس دل بیکل کو کل ہے

بکے ہے روز و شب دیوانہ آسا مگر ناصح کے سر میں کچھ خلل ہے

بفیضِ چشمِ تر سرسبز و شاداب اے فطرتؔ ہر اک دشت و جبل ہے

بس ہے ہم کو لباس عریانی یہ ہی اک پیرہن ہمارا ہے

ہر سخن اُس کا شمع ساں اے دل رونقِ انجمن ہمارا ہے

ہم سے بدظن کبھی نہ ہو گا تو تجھ سے یہ حُسن ظن ہمارا ہے

خوب دیکھا تو دل ہی اے فطرتؔ دشمن جان و تن ہمارا ہے

صبا بتا تو یہ کس کے آنے کا آج گلشن میں شور و غل ہے

کلی کو جو بیکلی ہے ایسی گلوں کی چھاتی پہ گُل بہ گُل ہے

اشک ریزی سے نہ رہتے تھے جو خالی ایکدن روز و شب رہنے لگے وہ چشم تر سوکھے ہوے

چشم زہر آلود کس دہقاں بچہ کی لڑ گئی کھیت دھانوں کے جو آتے ہیں نظر سوکھے ہوے

حضرت عیسےٰ کے اے فطرتؔ سحاب فیض سے ہو گئے اب تو ہرے تیرے شجر سوکھے ہوے

کیا شیخ کیا برہمن تلقیں کریں ولیکن متوجہ ہم بسوے دیر و حرم نہ ہوں گے

نہ تنہا مرا دل دوانہ ہوا ہے کہ شیدا ترا اک زمانہ ہوا ہے

مرا قصر دل تیرا مسکن تھا جاناں سو اب فوج کا غم کی تھانہ ہوا ہے

مقرر ترے واسطے پُتلیوں کا مری چشم تر میں نچپانا ہوا ہے

خجل رشک سے آئینہ ہے یہاں تک کہ مشکل تجھے مُنھ دکھانا ہوا ہے

پھر جائے گر صنم تو نہیں مجھ کو جائے غم میری طرف سے میرا نہ ہرگز خدا پھرے

مدت سے ہے تباہی میں عالم ہزار حیف / اب تو کہیں زمانے کی یارب ہوا پھرے
فطرتؔ کے دل سے جائے خیال اُسکا کسطرح / تصویر جس کی آنکھوں میں صبح و مسا پھرے

اسی میں نام ہی منصور کی طرح فطرتؔ / کہے جو تو بھی انا الحق تو دار پر مارے

کیا ہوا لخت جگر کس واسطے آتے نہیں / شاہراہِ چشم کیا کچھ ان دنوں مسدود ہے
بے تکلف کر دلا اُس سیمبر پر سے نثار / گوہرِ جاں اور نقدِ دل ابھی موجود ہے
اُسکے ابرو کے سوا کعبے کو جو سجدہ کرے / مذہب عشاق میں پوچھو تو وہ مردود ہے

یہ ستم کیونکہ سہوں موسم گل میں بلبل / دام سے غم کے رہا میں نہ ہوں اور تو ہووے
جل کے فطرتؔ نے کہا شمع سے یوں باحسرت / اُسکی محفل میں بھلا میں نہ ہوں اور تو ہووے

کر کے مقراض محبت سے جگر کے پُرزے / ہنس کے فطرتؔ سے کہا ہم نے نئے گل کترے

ایسے پتھر سے جبے ہم ترے در کے آگے / ٹھوکریں کھائیں بہت تو بھی نہ سر کے آگے
ہر زماں بابِ اجابت کا کھلا رہتا ہے / لے دعائے سحری تیرے اثر کے آگے

گو مثل کتاں دل کے مرے ٹکڑے ہی ہو جائیں / کرنی ہے پر اُس مہ سے ملاقات مجھے بھی
ناصح کی سنوں کیا میں نصیحت کو کہ ایسی / ہیں یاد قصص اور حکایات مجھے بھی

نوح کے طوفاں کی ہم سے ہمسری ہوتی نہیں / گر جو کچھ اے چشم دریا بار تجھ سے ہو سکے

جور کر یا لطف کر ہو جسمیں اب تیری خوشی ۔۔۔ ہے مجھے منظور جو خونخوار تجھ سے ہو سکے

کشتۂ ناز ترا ہجر میں یوں ہے بیتاب ۔۔۔ جسطرح جان تڑپ کر کوئی بسمل توڑے

در در لئے پھرے ہے ہوا و ہوس مجھے ۔۔۔ زیر فلک قرار نہیں یک نفس مجھے
کس سے میں اُسکے ظلم و ستم کا بیاں کروں ۔۔۔ ملتا نہیں جہاں میں کہیں داد رس مجھے

سادہ وضعی تری ہم کو تو پسند آئی ہے ۔۔۔ گو طرحدار بھریں لاکھ پھبن دکھلاتے

بارش جو بند چشموں کی اسہال ہو گئی ۔۔۔ کھیتی ہمارے سینے کی پامال ہو گئی
اُس گُل کے دست و پا کی نزاکت کو دیکھکر ۔۔۔ توصیف میں زبان حنا لال ہو گئی
جس دم چمن میں ناز سے اُس نے کیا خرام ۔۔۔ ہر گل کے حق میں چال وہ بھونچال ہو گئی

مہر و مہ آپ کو گو لاکھ حسیں بتلاویں ۔۔۔ اُس سے ذرہ بھی نہیں شکل و شباہت ملتی

چاک دامن ہی فقط شب ہی نہ اے مہر لقا ۔۔۔ ہیں ترے غم میں گریبان سحر کے ٹکڑے
ٹھوکریں راہ میں کھاوے گا کہاں تک اُسکی ۔۔۔ ہو گئے اب تو دلا کاسۂ سر کے ٹکڑے
رات دن ہجر میں ان لالہ رخوں کے بہہ بہہ ۔۔۔ اشک گلگوں نے کیئے دیدۂ تر کے ٹکڑے

معلوم مجھے ہوتا ہے آغاز جنوں کا ۔۔۔ اے ہم نفسو کرنی ہے تدبیر ابھی سے
ہر بار مجھے یاد دلاتا ہے یہ اُس کی ۔۔۔ مت کھینچیو سینہ کا مرے تیر ابھی سے

آہ کرتا ہے دلِ بیمار اُٹھتے بیٹھتے
دست بُردِ غم سے ہی لاچار اُٹھتے بیٹھتے

آتشِ غم کے ہیں شرر میرے سبھی سیارگاں
کہتے ہیں جس کو سب فلک اپنا ہی وہ دآہ ہے

پڑے کیونکر نظر نقش و نگار خوبرویاں پر
مری آنکھوں میں تیری ہر زماں تصویر پھرتی ہے
صمیمی دوست ہو جاتے ہیں دشمن سے سوا دشمن
نگہ جس وقت تیری اے بُتِ بے پیر پھرتی ہے

مہدِ گل میں ہو مرا راحت جاں جلوہ نما
تو بھی گہوارۂ رحمت کو صبا ہلوائے
ہو نہ بلبل کا رفو زخم جگر جز رگِ گل
رشتۂ ماہ سے گو چاک کتاں سلوائے

فضل سے حضرت عیسے کے ترے اے فطرت
ہو گئے اب تو سبھی عقدۂ مشکل والے

اشک میرا غیرت گوہر بنے اور ٹوٹ جائے
حیف ایسا چشم تر جوہر بنے اور ٹوٹ جائے
سیل اشکوں سے ہمارے قصر دل یوں ڈھے گیا
ساحل دریا پہ جیسے گھر بنے اور ٹوٹ جائے

دل میں خواہش نہ رہے اور طرحداروں کی
اُس سجیلے کی اگر کوئی پھبن کو دیکھے
جھڑ لگا دے نہ کبھی ابر ز فرط خجلت
چشم خونبار اگر تیری بھرن کو دیکھے

اس سرائے پنجروزہ میں مسافر ہیں سبھی
عیش و عشرت کے دیا رنج و محن کے واسطے
جان و دل لائے ہیں فطرت ہم بھی اپنا نذر کو
اُس بُتِ جادو وادا و سیم تن کے واسطے

ماہ رو یوں اپنا جاناں اور ہے
رشک مہر و ماہ تاباں اور ہے

درس لے ہیں جس سے عالم عصر کے
اپنا وہ طفل دبستاں اور ہے

گرچہ دل دشت جنوں طے کر چکا
لیک وحشت کا بیاباں اور ہے

اشکوں کا اگر سیل رہا یونہی تو پھر ہم
ان چشموں کو رشک چمن دگنگ کریں گے

میزاں کا ترے حسن کی پلہ ہے گر انبار
ہم اسمیں مہ و مہر کا پاسنگ کریں گے

پھر خاک میں ہم اُنکی ملا دیں گے پرستش
ایسا ہی جو دل ہم سے صنم سنگ کریں گے

جسطرح کوچے سے تیرے ہم گئے
یوں تو ہستی سے عدم کو کم گئے

اُسکے در پر مثل سنگِ آستاں
اسقدر بیٹھے کہ آخر جم گئے

غم غلط کرنے کو آئے تھے سو ہم
بادلِ بریان و چشمِ نم گئے

بھری ہیں غنچوں کی ہر سو صراحیاں مُل سے
کہاں ہیں آئیں ادھر کھیلیں میکشاں ہولی

ہر ایک گل کو پنہا کر لباسِ بوقلموں
لگا ہے کھیلنے اس ڈھب سے گلستاں ہولی

وہ سرو سہی ہو جب خراماں
بر روے زمیں قیامت آوے

شرمندہ ہے رُخ سے ماہ تاباں
یہ نور و ضیا کہاں سے پاوے

پہونچے نہ ترے سخن کو فطرت
باتیں کوئی سیکڑوں بنا دے

آڑے ہیں اب تو صورت دیکھ پائی آپ کی
لیجئے یہ نقد جاں ہے رونمائی آپ کی

سختی و دوری سے ارض و چرخ کی مجبور ہیں
ورنہ یاں منظور ہے کس کو جدائی آپ کی

دینے میں ہم جواب کے بیباک ہیں بہت
لب بند کر رکھے ہیں ولے تیری باک سے

تھرا اُٹھے گا گنبد دوّار فطرتا
کھینچی گر آہ تونے دل دردناک سے

ایک عالم دیکھتا تھا قدرت حق کو صنم
ہم نے بھی دیکھا اگر تو کونسی تقصیر کی

جس خرامِ ناز سے آوے زمیں پر زلزلہ — کیوں نہ ہو عاشق کا دل پامال اُس رفتار سے
اسلیئے ہی ذوق ہمدم بُت پرستی سے مجھے — ہر رگِ جاں کو ہی رشتہ رشتۂ زُنار سے

آتشِ حُسن سے جل جائیں گے عشاق تمام — شعلۂ نور اگر تیرا بدن دیکھیں گے
ناتوانوں پہ توانائی نہ اتنی بھی جتا — ایک دن زور ترا چرخ کہن دیکھیں گے

دل سے خیال تیرے سراپا کا کیونکہ جائے — تصویر چشم دل میں یہ اے یار کھنچ گئی
تن پر مرے کشاکش زلف بتاں سے آہ — ہر رگ مثال رشتۂ زُنار کھنچ گئی
اب تو ہمیں چھکا دے مۓ خوشگوار سے — بھٹی تری تو ساقیِ سرشار کھنچ گئی

اسقدر تو نے حنا کو کر دیا گستاخ دیکھ — لگ کے تلووں سے ترے ہاتھوں کو ملوانے لگی
کیا غضب ہے پہلے ہی دل پر ضعیفی تھی قوی — ناتوانی بھی اب اپنا زور جتلانے لگی

بجا ہے گر منھ سکوں سے موڑوں خیال صبر و قرار چھوڑوں
تڑپ کے ہر لحظہ جان توڑوں کہ دل بہت اضطراب میں ہے
غم و الم دل سے سب مٹا دے جمال جاناں تجھے دکھا دے
دوئی کے پردے کو جھٹ اُٹھا دے یہ وصف زاہد شراب میں ہے

ہو خاک رہ عشق میں ان تلووں کو چوُما — یوں حسرتِ دل ہم نے بھی ہر بار نکالی
بس ایک ہی ساغر میں دوئی اُٹھ گئی دل سے — کیا تو نے یہ مے ساقیِ سرشار نکالی

نکل جاویگی آخر ایک دن گھبرا کے قالب سے — رہیں گے جاں سکیں پہ جو یونہی روز و شب سانسے
سوا اشکال خارج کے نہ آئے ایک بھی داخل — اگرچہ لوح دل پر ہم نے ڈالے بار ہا پانسے

نہیں قطرے عرق کے اُس پری پیکر کے عارض پر
کریں ہیں اقتباس نورِ انجم مہرِ تاباں سے

ذرا تو آن کر بیٹھو کہ ہم نے اشک کی کلیاں
بچھائیں چشم کے بنگلے میں چُن کر شاخ مژگاں سے

رہے ہو گرم صحبت کون سے کافر سے اے فطرت
کہ جس کے فیض سے واقف ہوئے تم دین ایماں سے

تصدق اُس پہ بن دیکھے کروں جان و جگر پہلے
جہاں میں کوئی مجھ سا ہو تو لے شوریدہ سر پہلے

ہمارے داغہائے دل کی جس نے روشنی دیکھی
اُٹھایا پھر نہ اُس نے خط چراغانِ دیوالی سے

بخوبی دیکھ اے بدر سمائے دانش و فطرت
نہیں ہے شعر کم میرا بھی اشعار ہلالی سے

ہیں مقرا سپہ کہ تقدیر کے آگے ہمدم
بارہا دیکھا ہے تدبیر کو پلٹے کھاتے

فدوی اگرچہ لائق اثمار و گل نہیں
پتہ ہی کوئی اُسکو بتا کچھ تو چاہیے

ہے آدمی کو علم کی شُد بُد ضرور ہی
ہوتا کہ جس سے کار روا کچھ تو چاہیے

گر مال و زر پہ تجھ کو نہیں دسترس تو دل
کر اُس پہ نقد جاں کو فدا کچھ تو چاہیے

در در لیے پھرے ہے اُڑاتی ہوئی صبا
اب تو ہماری خاک خدا ایک سو کرے

رکھتا ہو ہاتھ قبضہ میں جنبش سے لب کی جو
فطرت پھر اُس سے کیونکہ کوئی گفتگو کرے

لو ہمیں اُس نے کیا فریب دیا
باوفا بن کے بیوفائی کی

اُس کا نقش قدم جہاں دیکھا
پھر تو واں ہم نے جبہ سائی کی

ہم نے رو رو کے چشم کو کھویا
واہ جی واہ کیا کمائی کی

ہمسفر رہ گئے تھک کے رہِ عشق میں پر
کر گئے طے یہ ہمیں دیکھ لو منزل بھاری

ہو گئی حضرت عیسےٰ کے کرم سے فطرت
اب تو آساں تری کو نین میں مشکل بھاری

جو دیکھے دیر میں اُس بُت کے حسن کا جلوہ
وہ کس طرح سے کہو جانب حرم پھر جائے
کرو قیاس بھلا وہ غریق کیا اُچھلے
کہ جسکے سر پہ سے دریائے درد و غم پھر جائے

کیا وعدۂ وصال صنم کچھ قریب ہے
جو خار ہجر دل میں کھٹکنے سے رہ گئے
تزئین زلف جبکہ ستاروں سے اُس نے کی
یلدا کے بیچ تارے چھٹکنے سے رہ گئے

فطرت جگر بھی چشم بھی دل اور جان بھی
رہنے کو اُسکے ہیں یہ شبستاں نئے نئے

دل سے ہی اپنے دل کا سوال و جواب ہے
شام و سحر نگاہ میں غم کی کتاب ہے
ہستی کا بحر واقعی مثل حباب ہے
اس سطح پر جو نقش کھنچا نقش آب ہے
گردش میں ہم کو آتا ہے عالم سبھی نظر
دور فلک ہے یا کہ یہ دور شراب ہے
اس گلشن جہاں پہ تو فطرت نہ پھولیو
جو گل کھلا ہے اسمیں وہ پادر رکاب ہے

یکایک بھر کے ٹھنڈی سانس رو دیتا ہے حسرت سے
اگر شفقت سے کوئی پرسش احوال کرتا ہے
نہ کر بہر خدا بیداد اے صیاد اتنی بھی
کوئی بلبل کے فصل گل میں بال و پر کترتا ہے

گہ پری گہ آدمی گہ حور کہتا ہوں اُسے
گہ تجلی طور کی گہ نور کہتا ہوں اُسے
جبکہ موسےٰ کی طرح چڑھتا ہوں کوہ عشق پر
گاہ سینا اور گاہے طور کہتا ہوں اُسے

گو گلوں سے ہی مرے گلشن سینہ کی بہار
صرصر غم سے ولے خوف خزاں رہتا ہی

علم جسوقت قاتل تیغ خوں آشام کرتا ہے | کسی کی پھر نہیں سنتا ہے قتلِ عام کرتا ہی
جو کچھ جور و جفا تجھ پر وہ صبح و شام کرتا ہے | دلا کیا غم ہے وہ اپنا جہاں میں نام کرتا ہی

بحر ہستی سے اے حباب تجھے
ایک دم میں مٹا دیا کس نے
ہم کو خواب عدم سے اے فطرت
سچ بتا تو جگا دیا کس نے

محفل میں ایسے رندوں کی اے محتسب نہ جا
ہو دور آفتاب جہاں وقت شام سے
گالی سے مانتے ہیں نہ جھڑکی سے کچھ بُرا
فطرت ہمیں تو کام فقط اپنے کام سے

دل جو نظروں سے وہ گرا دیں گے
اشک ساں دیکھنا نہ پا دیں گے
چاہ پر جن کی پھولتا ہے دل
وہی اسکو کنویں جھکا دیں گے
دل تو کیا جان بھی اگر جاوے
عشق سے ہم نہ باز آویں گے

دشت ہے دار الخلافہ اور ہی وحشت سر پر
خبط ہی دستور سودا شاہ والا جاہ ہے

ساقیا مخمور جس مے سے ترا میخانہ ہے
ہے وہ جلوہ نور کا کون و مکاں پیمانہ ہی

مثل شبنم گلشن ہستی کی فطرت سیر کو
ایک دم بھر کو بچشم زار آئے اور گئے

چشمۂ چشم سے دیتا ہوں ہمیشہ پانی
اس سبب سے ہیں مرے زخم دل افگار ہرے
فطرت اُس دوش پہ دیکھا جو دوشالہ کاہی
کشت امید مرے ہوگئے اک بار ہرے

بے سبب آزردہ جو وہ ہو چلے
ہم کو جیتے جی جہاں سے کھو چلے

ہم جب اُس کوچہ میں قسمت کے جلے جا بیٹھے
لوگ ٹالا ہی کئے پر نہ ٹلے جا بیٹھے

فراق تیرے میں اے ستمگر گذر رہا ہے جو کچھ کہ ہم پر
سُنائیں کس کو یہ حال جا کر فقط کرم پر ترے نظر ہے

سرکشی کی نہ رہی تاب کسی سرکش میں — چھاؤنی یار کے کوچے میں جو ہم چھا بیٹھے
جی میں آتا ہے کہ ہستی سے اُٹھا کر دل کو — کیجئے ذکر کچھ اس کا کہیں تنہا بیٹھے

اے سرسے وہ ہے تا بقدم نور کا شعلہ — آئینہ تاباں سے بھی شفاف وہ تن ہی
جاروب کشی کرتے ہیں جس کوچہ کی شاہاں — سچ پوچھو تو وہ کوچہ ہی فطرت کا وطن ہی

آتا ہے نظر دیدۂ نم تیرے سبب سے — دریا میں ہر اک ندی میں ہر ڈہر میں پانی
یوں اشک بھرے رہتے ہیں چشموں میں ہماری — لبریز ہو جس طرح کسی نہر میں پانی
فطرت کو ملا قندِ لبِ یار کا شربت — حاسد سے کہو پیوے ملا زہر میں پانی

تخمیس غزل حافظ

مطربا میکنی بہانہ ہنوز — نہ سرائیدۂ ترانہ ہنوز
می کشم آہ عاشقانہ ہنوز — مستم از بادۂ شبانہ ہنوز
ساقیِ ما نرفت خانہ ہنوز

بحرِ الفت میں مار کر ڈبکی — تا بمقدور ہم نے نہ ڈھونڈھی
نہ لگی ہاتھ ایک بھی سیپی — درِ دریاے عشق می طلبی
جاں نیاورد در میانہ ہنوز

تخمیس غزل قتیل

روز و شب رہتا ہے کس واسطے فطرت مغموم — ہو گئی مہر و وفا دہر سے بالکل معدوم

کیا نہ احوال نہیں تجھ کو ستمگر معلوم		اے کہ پُرسی خبر از حالِ قتیلِ مظلوم

دیدہ باشی تن بے سر سرِ راہے گاہے

تخمیس غزل رنگینؔ

سنو ماجرا ایک دن کا یہ پُر درد		مجھے ساتھ لے کر چلا سیر گل کو

شفیق اتم ہی دلا پا کے اُس کو		کہا میں نے مجھ کو غلامی میں لے تو

مرے ہونے سے تجھ کو آرام ہوگا

حقیقت جو تھی اس گرفتار دل کی		مفصل بیاں روبرو اُسکے کردی

سرِ مو رہی کچھ نہ جسوقت باقی		تو جھنجھلا کے بولا نہ بک اتنا واہی

ابے چل مرا تجھ سے کیا کام ہوگا

ہوا سُن کے یہ بات فطرت جو غمگیں		سرِ لطف آکر ستمگار وو ہیں

لگا کہنے ہنس ہنس کے از بہرِ تسکیں		نہ کر عشق میرا کہا مان رنگیں

خدا جانے کیا اسکا انجام ہوگا

تخمیس غزل جنوںؔ

دشت میں پھرتے ہی پھرتے آج مجنوں مرگیا		سر کو پتھر سے رہا فرہاد اپنے پھوڑتا

شرح اُن سوداز دوں کی اب کروں میں تا کجا		خاکساروں سے موافق کب ہے دنیا کی ہوا

راہ میں تیری گئے جوں نقشِ پا برباد ہم

مخمس

تو ہی ذرا چشم برسنے پہ آ		اشک کے قطرات سے اپنے بجھا

دیکھ تنِ زار کو آتش لگا		شعلۂ آہ دل سوزاں مرا

دود ہوا اور ہوا ہو گیا

ولہ

بخشی ہی گو اُسنے تجھے اے حورِ جنت بے غمی | کرتی نہیں اس کبر سے عاشق کی تو کچھ ہمدمی
تجھ پر جو ہم ہوں مبتلا کس چیز کی ہے یاں کمی | ہے قدرتِ حق جلوہ گر از مشتِ خاکِ آدمی

ہر ذرہ را پنہاں بود خورشید تاباں در بغل

فرماں سے ہو باہر ذرا مقدور کیا انسان کا | جنؔ و پری حور و ملک ارشاد لاتے ہیں بجا
میں سرکشی کیونکر کروں اے ہمدمو کہتے ہو کیا | از حکم چشم مست او کس سر نتابد گوئیا

دارد نگاہِ ناز او مہر سلیماں در بغل

ولہ

رکھے حرام بہ نیت جہاں میں جب قاضی | حلال خوک کو سمجھے بہر نمط مفتی
جلائیں بادہ کے پینے پہ زاہد اپنا جی | مدام کیوں نہ کریں رند آستاں بوسی

حرم ہے شیخ مشیخت مآب کے گھر میں

انتخاب کلام فارسی

خوب کردی گر نہ رفتی درمیانِ بزم او | قدر و منزل در صفِ گل نیست برگِ کاہ را

خرمنِ ہستیٔ خود را فطرتا محفوظ دار | چونکہ برقِ مہر رویش سوختہ انبار ہا

از پردہ ہاے سینہ و شوزِ درونِ ما | مطرب بجیر تم کہ خبر داد چنگ را
تشبیہ می دہند بہ لعلِ یمن بہ بیں | فطرت چہ نسبتے بلب یار سنگ را
چرخ میدارد ایں لباس کبود | از غم و درد سوگواریٔ ما
ہاں تارِ نگاہِ صنم و سوزنِ مژگاں | باید دلِ صد چاک مرا بخیہ گری را

ای شاہ دادگستر از تو عجب نباشد — از لطفِ خود نوازی گر حضرتِ گدا را

از میکشی بجلد برین ناد دم نیاز — زاہد ترا چہ غم زحلال و حرام ما

یارم بخود چہ جلوۂ خود را نمودہ — ترسا یہود و مومن و آتش پرست را

تلمیذم ابر نیست فقط در گریستن — حاصل نمودہ برق ز من اضطراب را

زاں ساعتے کہ کردہ آغوش من تہی — بہرِ سکوں بس ست سرم در کنارِ ما
سیماب ساں قرار ندارد بتا ز غم — از فرطِ اضطراب دلِ بیقرارِ ما

ہوشیاری گر نمی خواہی ز سرشاری دلا — از شرابِ شوق او لبریز کن پیمانہ را

مغز من از نصیحتِ بیہودہ بس مخور — ناصح ترا چہ کار ازیں خوب و زشت ما

چوں نگردم سرخرو در چشمِ ہمچشمان خود — دیدۂ خونبار دادہ خامۂ رنگیں مرا

واقف ز درد و رنج نبودم بزیرِ چرخ — کرد عشقِ تو بنالۂ و افغانم آشنا
ندیدہ کس چنیں رشکِ پری را — کند بندہ بتانِ آذری را
بحسنِ تو کہ آب و رنگ دادہ — گل روے تو باغِ دلبری را
خرامِ نازِ تو اے سرو سرکش — زپا انداختہ کبکِ دری را

بیک گردش نمی دانم که چشمت — چه گردش داده چرخ چنبری را
غرور حسن در دل بسکه داری — نهی زین کج کلاه سروری را
جهانے را بعشوه می فریبے — زکے آموختی جادوگری را
فروغ شمع روئے یار فطرت — برشک انداخت مهر خاوری را
ساقی مراز میکدۂ خویش کن عطا — جام بلور بهر صبوحی پراز شراب

بشورشے که زچشم سرشک می ریزد — بدین روش نه کند موج اضطراب درآب
صفائے آبلۂ سینه ام اگر بیند — غریق لجۂ حیرت شود حباب درآب
بوقتِ غسل بت رشک ماه می سازد — بسان بنده قدبوس آفتاب درآب

تکلیف اے طبیب مراپیش ازیں مده — دارد مریض هجر زوصلش شفا طلب

تاب و توان و عقل و دل و دین که داشتم — دررهِ عشق اینهمه برباد شد نصیب
دشمن جانی مراگشته حبیب — وائے طالع وائے قسمت والنصیب
تیزتر شد آتش شوقم بدل — وعدۂ وصلش شده چوں عنقریب
از فروغ شمع روے گلبدن — سوخته پروانه آسا عندلیب

نه از بلبل نه از گلزار مطلب — مرا زسیر باغ یار مطلب
شود گر طالع ناساز سازم — به یارِ خود کنم اظهار مطلب
نهم چوں سر به پیش خنجر او — که هست از ابروے خمدار مطلب
نحیف وزار زیں گشتم که دارد — دلم با نرگسِ بیمار مطلب

مکن آئینۂ دل را مصفا ۔۔۔ اگر داری زعکسِ یار مطلب
بشیریں ہست مارا ہمچو فرہاد ۔۔۔ فقط از کندنِ کہسار مطلب
صبا گر عقدۂ زلفش کشاید ۔۔۔ بر آید فطرت از ہر تار مطلب
قیاس کن کہ چہ خوش گفت عاشق اے فطرت ۔۔۔ چو خاک خاک شدن رتبۂ کمال منت
زکویم قاتلم دامن کشاں رفت ۔۔۔ نمیدانم کہ چوں آمد چساں رفت
عزم رفتن صنما چونکہ زبزمم کردی ۔۔۔ شور آہے ز دلِ مومن و ترسا برخاست
از چناں از غم ہجر تو بسر غلطیدم ۔۔۔ کہ ز بیتابی من تاب ز دلہا برخاست
درد اکہ پیام ما رساند ۔۔۔ چوں پیک صبا ترا گذر نیست
اندیشہ مکن زیار رب ما ۔۔۔ انگار کہ خالی از شرر نیست
فطرت کہ بمنزلت رساند ۔۔۔ غیر از دلِ تو کہ راہبر نیست

در دلم عکس روئے خود پیکر ۔۔۔ کہ در آئینہ ایں صفائی نیست
چوں پیام دل شیدا نہ رساند جانم ۔۔۔ کہ در آفاق دگر نامہ برے پیدا نیست
بہر آمرزش عصیاں بجہاں اے فطرت ۔۔۔ جز درِ حضرتِ عیسیٰ دگرے پیدا نیست

صد سنگ مذلّت بسر شیشۂ ناموس ۔۔۔ از ولولۂ عشق تو رسوائے تو انداخت

در دل سنگیں دلاں ، اے دل نمیگردد اثر ۔۔۔ محض بے جا آہ سرد و گریۂ خونیں عبث

زاں روز بسر خویش بہ تیغ تو سپردم ۔۔۔ نقاش ازل کرد چو ابروے ترا کج

بس قافلۂ عمر بکروست کہ فطرت
مسموع نہ کرد و بکس آواز درا ہیچ

از رہِ لطف و کرم بر حالِ فطرت کن نظر
زانکہ می آید بکویت خاک بر سر ہر صباح

دیدیم چشم یار سپید و سیاہ و سرخ
در حالتِ خمار سپید و سیاہ و سرخ

ریزم جواہر از غم ہجر تو اے صنم
از چشمِ اشکبار سپید و سیاہ و سرخ

در آئینہ ز عکس رخ و زلف عنبریں
پیدا شدہ شرار سپید و سیاہ و سرخ

در دہر دہے طالع آنکس کہ چو فطرت
دست طلب خویش ز داماں تو برزد

از زلف برخ نقاب کردند
خورشید تہ سحاب کردند

در ساغر دل ز گرم جوشی
یک قطرہ ز آفتاب کردند

ظلم و ستم و جفائے خود را
امروز خودش حساب کردند

در بحر فنا بقائے ہستی
افسوس کہ چوں حباب کردند

دیدند چو اضطراب فطرت
تسکین دلش بہ آب کردند

فطرت ز صدق ہر کہ سر خویش را نہاد
بر آستان یار سر خود فراز کرد

فدائے تو ہمی سازد دل و جاں
کہ مسکیں ہیچ مقدورے ندارد

مشو شاکی ز بے پروائی او
سلیماں الفتِ مورے ندارد

خدارا وصل جاناں روے بنما
کہ تاب ہجر مہجورے ندارد

شوق دیدار تو اے نور تجلی از بس
مثل آئینہ ہر خانہ مرا حیراں کرد

سجدۂ شکر بہر لحظہ ادا چوں نہ کنم
خالق الخلق ترا رشک پری انساں کرد

ایں منزل عشق سطے نہ گردد
تا مثل تو راہبر نہ باشد

درون سینہ بیک دم دلم دو نیم شدہ — صفائے خنجرِ مژگان یار باید دید

ز ہرزہ گردی و بیہودگی دل فطرت — مرا ز صحبت آں گرچہ عار می آید
بوقتِ بدپسرِ ناخلف زر ناقص — بگفتہ اند بزرگاں بکار می آید

گہ از خیالِ وصل دلم میشود خموش — گاہے ز دردِ ہجر تو فریاد می کند

خواہم کہ رفعِ غم کنم از بادہ چرخ دوں — خونِ دلم بجائے مے ناب می دہد
ہر کس کہ بحرِ حسن ترا می کند نظر — کشتیٔ عقلِ خویش بگرداب می دہد

چوں کفر دلم مائل اسلام نہ گردید — از روزِ ازل چونکہ پرستار بتاں بود
ز بد خواہ در دل کدورت مدار — کہ آئینہ را تیرہ سازد غبار
بکُش نفسِ امارۂ خویش را — کہ آز و ہوایش نیاید بکار
سبک تر گذر زیں سپنجی سرائے — کہ در دجلہ مانند خر بار دار
بہ گلزارِ دنیا دلِ خود مبند — کہ ایں باغ را نہ ثبات و قرار
بگفتم ہمہ لایقِ گفتنی — ازیں پیش فطرت ترا اختیار

کارِ من کردی و در کاری ہنوز — ہرچہ در دل داشتی داری ہنوز
گرچہ صد جور و تعدی کردۂ — باز آ بازآ کہ دلداری ہنوز
در جگر زخمِ نہانے داشتم — پس چرا بر ما ستم آری ہنوز
آتشِ غم جسمِ زارت سوختہ — وائے بر غفلت کہ غمخواری ہنوز

شد رہا فطرت اسیر ہر چمن — تو بفصل گل گرفتاری ہنوز
بسان پارۂ اخگر سرشک گرم مریز — مرا برائے خدا چشم اشکبار مسوز

جلوۂ بنمود و شد در پردہ آں پردہ نشیں — دل ز دستم رفت و من محو تماشایم ہنوز
بارہا فطرت نمودم عرضِ حال — مہرباں تا ہم نشد یارم ہنوز
چوں شدی در کلبۂ احزان ما رونق فزا — خاکسار خویش را کردی بعالم سرفراز
غم دلدار غمگسارم بس — اے فلک یاد یار یارم بس
مونس و غمگسار تنہائی — دل ناشاد و سوگوارم بس
تیر ناز صنم ہمے گوید — دل فطرت پئے شکارم بس
کف پائے تو اے دلبر نہے نور و ضیا دارد — کہ ماہ و مہر تاباں ہم نمی زیبد بپا سنگش
بود چوں نام تو غفار مطلق — چساں ترسم ز نار و از عذابش

ہمی خواہی اگر فطرت حضوری — بیا و ہر زماں مے نوش مے نوش
شد چو از روزِ ازل حرفِ نوشتِ ما غلط — زیں جہت املائے ما گردید و ہم انشا غلط

از زد و کوب کہ در محفل رنداں گشتہ — در جہاں گشت فزوں عزت و جاہِ واعظ
میکند شام و سحر خلق خدا را گمراہ — خوب دیدم کہ ہمیں ست گناہِ واعظ

از نرمی گفتار تو و زگرمی رفتار تو — خند است بیا غزیک طرف گریانست مینا یک طرف

مضراب غم کہ زخمہ زن چنگ سینہ شد — آمد صدائے درد ز دل چوں صدائے دف

کارے چناں نشد کہ بکار آمدے مرا   عمرے شدہ دریغ بہ لہو و لعب تلف

ز تو آباد شد ویرانۂ دل   مرو بیروں ازیں کاشانۂ دل

من آں مستم کہ ساقیٔ ازل ریخت   مۓ عشق تو در پیمانۂ دل

بحمد اللہ کہ شد با کعبہ ہمسر   ز تو اے لعبتم بتخانۂ دل

جز نامِ تو من وردِ زباں نام ندارم   غیر از تو ز خوبانِ جہاں کام ندارم

من مست مۓ حسنِ بتانیم کہ ساقی   ہیچ از تو تمنائے مے و جام ندارم

آوردہ ام ازاں گہرِ اشک پیشِ تو   در آب چوں بہ از دُرِ شہوار دیدہ ام

آں کشاورزم کہ دایم در زمینِ سنگلاخ   بہر کشتِ ہر سخنور تخمِ مضموں افگنم

در صنعت منقلب

دلبرِ عیارِ من یارِ وفادارِ من   یارِ وفادارِ من دلبرِ عیارِ من

دیدۂ خونبارِ من کانِ بدخشاں شدہ   کانِ بدخشاں شدہ دیدۂ خونبارِ من

ساقیِ سرشارِ من جامِ صبوحی نداد   جامِ صبوحی نداد ساقیِ سرشارِ من

لعلِ شکربارِ من چشمۂ آبِ بقا   چشمۂ آبِ بقا لعلِ شکربارِ من

خنجرِ خونخوارِ من قتلِ جہاں میکند   قتلِ جہاں میکند خنجرِ خونخوارِ من

فزوں صد چند از آبِ حیات است   نگارِ من لبِ جاں پرورِ تو

دلبری جاں پروری عاشق نوازی خاطرے   غمزہ و ناز و ادا و عشوہ خانہ زادِ تو

بیا در محفل رنداں بکش جام مے گلگوں — خور غم زاہدا گر ہست ایام صیام تو
چہ بیم از طوف دیر و دیدن روے بت زیبا — گذشتم زاہدا از مسجد دار السلام تو
براہ عشق گر بیش از فنا خود را فنا سازی — بماند تا قیامت فطرتا مشہور نام تو
غیرت ماہ چو حسن بت بے پیر شدہ — دیدۂ مہر مبیں دیدۂ تصویر شدہ

لب ہا پُر از شکایت بیداد کردۂ — ہاے بگو کہ تازہ چہ ایجاد کردۂ

آئینہ ساں ز نور تو دل پر فتاب شد — زاں ساعتے کہ زنگ جدائی زدودۂ
برباد رفت عمر تو فطرت بخواب خوش — بیدار شو کنوں چہ بغفلت غنودۂ
اے آہ چوں بسینہ نگردد دلم کباب — ترتیب از تو یافتہ دکان تازۂ
فطرت بعشق آں صنم غیرت بتاں — برخود گزیدہ مذہب و ایمان تازۂ

حیف است با وجود گہر ہاے چشم من — تزئین گوش از در شہوار کردۂ
صد آفریں کہ کوچۂ دلدار فطرتا — رشک ارم ز دیدۂ خونبار کردۂ

نیست آگہ ز پریشانیٔ حال عاشق — جگر سوختہ و چشم گہر بارش دہ
گریۂ زاری و بیتابی و شور سینہ — نالۂ آہ و غم و رنج و دل زارش دہ

چوں خیال تو فراموش شود از دل ما — جلوۂ ناز گہ ہر لحظہ نظر می آئی
جام زریں بکف و شیشہ نہاں در پہلو — چشم بد دور کہ سرمست دگر می آئی
نہ تنہا گرمیٔ بازار تو شد — ز جلوہ آتشم ہم تیز کردی

فراق یار را اے چرخ پُرکیں | بے قتلم ہمہ چنگیز کردی
چگویم با تو اے آہ شرر بار | تنم را غیرت گلریز کردی
من نمی گویم کہ مارا دادۂ دشنام ہا | گوہر خوش آب از دُرج دہاں انداختے
از خرام غمزہ و رفتار با ناز و ادا | زلزلہ در ہستیٔ کون و مکاں انداختے

عاشق بے سرو سامان تو اے مایۂ ناز | نیست آگاہ ز درد دل و سوز جگری
نگاہ ناز بر حاسد فگندی | حیا و شمن بکار من چہ کردی
شکستی شیشۂ صہبائے عیشم | بگو اے مے گسار من چہ کردی
چو ہست حضرت عیسیٰ شفیعت اے فطرت | بدل چہ باک ز روز شمار می داری

انتخاب کلام اسیر

شمع فانوس میں در پردہ جلے ہے دیکھو | شعلۂ آہ نکالے ہے جگر سے باہر

ہم اس آئینہ رو کے ہجر میں یوں زیست کرتے ہیں | کہ سکتے کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

جو دیکھے مہر درخشاں بگاہ تیرے ہاتھ | تو وہیں چوم لے اے رشک ماہ تیرے ہاتھ
کھے یہ کون ہی تجھ کو ہی چاہ تیرے ہاتھ | ہمارے ہاتھ ہے یہ اور نباہ تیرے ہاتھ
نہ کیوں ملوں کف افسوس رشک سے شانہ | رہے ہی یار کی زلف سیاہ تیرے ہاتھ
کہوں میں جاکے بھلا کس سے ہو گیا میرا | خراب خانۂ دل کجکلاہ تیرے ہاتھ
فقط نہ میں ہی اسیر آہ تیرے ہاتھوں ہوں | بھرے ہیں سیکڑوں یاں دادخواہ تیرے ہاتھ

نکالی وضع سادی عالم تصویر کیا باعث
کرٹ وڑا جھڑے پہنے نہیں زنجیر کیا باعث

جنوں ہم سے ہوئی کیا اسقدر تقصیر کیا باعث
جو ہوتا ہے ہمارا تو گریباں گیر کیا باعث

لب دیوار بام آیا جو شب وہ مہ جبیں اُٹھ کر
ہمارے نالے نے کی بے تکی تاثیر کیا باعث

نہ تھی اُسکو ہوا ے حلقۂ فتراک گر تیری
تو کیوں ہے پنجۂ مژگاں میں دل نخچیر کیا باعث

آسیر اس بحر الفت میں نہیں گر آشنا کوئی
تو کیوں موج رواں ہے صورت زنجیر کیا باعث

ہے یاد کس کو طالب دیدار کا علاج
جانے ہے تو ہی نرگس بیمار کا علاج

جنبش اسے ذرا بھی نہیں ہے عصاے آہ
اچھا کیا طبیب دل زار کا علاج

پر باندھ کر رکھا جو قفس میں کیا یہ خوب
صیاد تو نے مرغ گرفتار کا علاج

پوچھی طبیب سے جو تپ عشق کی دوا
کہنے لگا نہیں ہے اس آزار کا علاج

تھمتے نہیں ہیں قطرۂ اشک ایک پل آسیر
کس شکل سے ہو دیدۂ خونبار کا علاج

جا نہ تو دامن کشاں سوے گلستان گل
ورنہ کریگا وہیں چاک گریبان گل

چاہیے تعمیر کیا مرقد عشاق پر
بس ہے یہ خیمہ سیاہ دود چراغان گل

بزم میں رندوں کی رات جو نہی گئے شیخ جی
جام تھا مینا تھا اور رشک گلستان گل

داغ ہی چیچک کا کب ہم سے مکرتا ہی کیوں
کھایا کسی پر یہ ہی تو نے مری جان گل

اُس گل خوبی بغیر آنکھوں میں میرے آسیر
باغ ہے زنداں نمط، زخم نمایان گل

اس دخت رز نے کیا ستم ایجاد کی طرح
شیشے ہی میں رہے ہے پریزاد کی طرح

یہ آہ شکل تیشہ ترے پاس ہے بھلا
دل کر تو شیر دیکھے تو فرہاد کی طرح

تیر نگہ سے آہوے دل کو کیا ہے صید
بے دید تیری چشم نے صیاد کی طرح

مضمون باندھنے میں تو انبک ہے، فرد اسیر
یعنی نصیرِ حضرتِ اُستاد کی طرح

کھوئے چمن میں جا کے جو وہ گلعذار بند
کھل جائے چشمِ غنچہ اگر ہو ہزار بند

کس شکل سے ہو میری بھلا چشمِ زار بند
دیکھا بھی ہے کسی نے کہیں آبشار بند

تیغِ ہلال سے نہ ڈرا مجھ کو اے سپہر
کر دے نہ کوئی سیف نے بال اُسکی دھار بند

باندھا ہے آج صید فگن تو نے کوئی صید
تر ہے جو خونِ صید میں تیرا شکار بند

لیل و نہار تیرے تصور میں سادہ رو
آئینہ ساں ہے وا یہ نہیں چشمِ زار بند

اے مرغِ دل کرے نہ کہیں دامِ زلف میں
صیادِ حسن آج تجھے مار مار بند

خانہ میں چشم کے نہیں لختِ جگر اسیر
یہ طفلِ اشک کے ہیں کبوتر نگار بند

سنگدل کیوں نہ لکھیں ہم تجھے مر مر کاغذ
آہ کیا چھاتی پہ لے جائیگا دھر کر کاغذ

آب زر سے تجھے لکھتا بُتِ زرگر کاغذ
کیا کروں میں کہ نہ زر ہے نہ میسر کاغذ

تجھ کو کس چشم پہ لکھے کوئی کاغذ بے دید
اور پھر جائے کوئی کاہے کو لے کر کاغذ

ٹکڑے قاصد کے کرے گھر میں بلا کر اپنے
اور پھکوا دے وہیں پھاڑ کے باہر کاغذ

یک قلم اس میں نہ کیوں طائرِ مضموں ہو اسیر
دام آسا ہے یہی رشتۂ مسطر کاغذ

چشم آئینۂ دل وا ہے ملا بار نظر
سادہ رو کیا تجھے لگ جائیگی یکبار نظر

جب ہوا قاعدۂ عشق سے مجنوں واقف
صفحۂ دشت پہ آیا الف خار نظر

نذرِ دل کرتے ہم اُس بُت کو نہ کیا کیجئے
پھر نہ آیا کبھی ہم کو وہ دل آزار نظر

کچھ یہ طوفان نیا لائیگی شاید کہ اسیر
بے طرح آئے ہے یہ دیدۂ خونبار نظر

بیل مست چرخ کی اب ہے یہی تدبیر شرط
کہکشاں سے اسکو کرنی ہے دلا زنجیر شرط

غور سے دیکھا جو ہم نے کھینچنا شکل حباب
خاک ہی بحرِ جہاں میں نقشۂ تعمیر شرط

بزمِ محرم ماں میں شب کو سرکشی کرتی تھی شمع
اس سبب رکھنا ہے اُسکا سرِ تہ گلگیر شرط

آہ سے تاثیر تو اب اُٹھ گئی ہے اے اسیر
پر ہمیں کرنا پڑا ہے نالۂ شبگیر شرط

ہوے ہیں طفل اشک چشم تر ابتر خدا حافظ
رکھے ہیں آب یہ مژگاں کے خنجر پر خدا حافظ

نہ ٹوٹے طائر مژگان کا شہپر خدا حافظ
نظر آتا ہے دام آسا خط مسطر خدا حافظ

حذر کیونکر نہ آوے نہ جبیں کے خال ابرو سے
کہ نکلا ہے دلا دنبالہ دار اختر خدا حافظ

نہیں ہے داغ دل وہ شعلہ رو ہوتا ہے چشمک زن
جو بھڑکے دامن مژگاں سے یہ اخگر خدا حافظ

نہیں ہے ایک تو جوش جنوں سے خون رگ جاں میں
لگاتا ہے دلا تو آہ کا نشتر خدا حافظ

اسیر اُس شعلہ رو کی چاہ میں سیماب ساں میرا
بہت بیتاب ہے اب یہ دل مضطر خدا حافظ

آوے وہ شمع رو جو مرے شب مکاں تلک
پروانہ ساں نثار کروں اپنی جاں تلک

سرکش ہے دخت رز کوئی کہدے کہ مغبچے
لاویں کشاں کشاں اسے اب میکشاں تلک

مثل زبان خامہ قلم کیجیے زباں
لاؤں جو حرف شکوہ کبھی میں زباں تلک

ہم ہیں اسیر سلسلۂ پیر عشق کے
موقوف قیس کے نہیں کچھ خانداں تلک

ثمر ہیں لخت دل و راشک خوں ہیں اشک گل کلیاں
ہماری شاخ مژگاں اب تو بارے پھولیاں پھلیاں

چمن میں نرگس شہلا کی آنکھیں دیکھ کر تجھ کو
گئیں کھل جونہی تو نے اپنی آنکھیں اشک سے ملیاں

کبھو بنگلے میں آکر چشم کے بیٹھو کہ عاشق نے
بچھائیں توڑ کر شاخ مژہ سے اشک کی کلیاں

اسیر اب یہ مشبک کیوں نہو یکدست دل میرا
کہ جس دل پہ دلا دذ کے مژہ کی برچھیاں چلیاں

ہے سر بسر جفا جو لکھے موبمو قلم
اوصاف زلف گو کہ ہوے مشکبو قلم

جو سرنوشت ہے نہیں مٹتی کسی طرح
کرتی تھی آج لوح سے یہ گفتگو قلم

لکھے اسیر یہ خط گلزار سے نہ کیوں
اوصاف خط یار بصد آرزو قلم

دل رہِ عشق میں جانانہ سر شام کہیں
مار ڈالے گی تجھے زلفِ سیہ فام کہیں

روز و شب اپنی یہ اوقات بسر کرتا ہے
زلف و عارض ہی میں دل صبح کہیں شام کہیں

دل بخاراتِ جنوں سے تجھے ہذیان تو ہوا
پر تپِ عشق میں ہو جائے نہ سرسام کہیں

کہہ دیا ہے تجھے ہم نے کہ یہ ہے صید افگن
طائرِ دل ہیں مت دیجیو الزام کہیں

مردماں چشم سنائی نہیں کرنا ہے ضرور
طفلِ اشک ہو دیں مرے تا کہ نہ بدنام کہیں

ہے خطر خام طمع خاکی یہ چوری چھدری
شاخ مژگاں سے نہ توڑیں ثمرِ خام کہیں

ایسی نزدیک ہے عارض سے وہ کاکل اُسکی
کیا نہیں تم نے سُنا روم کہیں شام کہیں

ناتواں دل جو چلا بیٹھتے اُٹھتے یہ اسیر
آہ کب پہونچے گا اس حال سے ناکام کہیں

بن رشک قمر کس کو خوش آوے شب مہتاب
ہر چند اگر چاند لگاوے شب مہتاب

خورشید نمط دیکھے جو عارض ترے تاباں
ہوش تجھے پھر مُنھ نہ لگاوے شب مہتاب

گل چاک کرے پیرہن اپنا یہ کتاں وار
تو چادرِ شبنم نہ بناوے شب مہتاب

وہ رشکِ گل آتا ہے چمن میں کوئی کہدو
جھاڑو دے صبا فرش بچھاوے شب مہتاب

گلدستہ زر عقدِ ثریا کا بنا یا
اب دیکھیے کیا گل نہ کھلاوے شب مہتاب

زخمی ہے اسیر آہ یہ دل زلف کا مارا
وہ سانپ کہیں مار نہ جاوے شب مہتاب

ہے سرِ مژگاں جو میرے اشکِ پُر نم کی گرہ
مردماں یوں خار پر ٹھہرے ہی شبنم کی گرہ

ہے برس گانٹھ آج دیکھے چشم کے گھر مردماں
دے کلاوہ میں مژہ کی اشک پُر نم کی گرہ

تم کو ہمچشمو خوشی ہے ہم نے طفل اشک کی
عمر میں سے دیدہ و دانستہ اک کم کی گرہ

یہ دل صد چاک میرا ہاتھ سے شانہ کے کیا
کھول سکتا ہی اسیر اُس زلف پُر خم کی گرہ

انتخاب کلام کپتان توقیرؔ (گوالیار)

مرثیہ

اُمت کے لئے آپ نے جان اپنی گنوائی

اے حضرت عیسیٰ

کانٹوں کا رکھا تاج شریروں نے ستایا

ٹھٹھوں میں اُڑایا

پوشاک بھی اک قرمزی رنگت کی پنھائی

اے حضرت عیسیٰ

پاس آپ کے جو ہے درِ جنّت کی بھی کنجی

اچھے مرے منجی

دیجے مجھے آکر تپِ عصیاں سے رہائی

اے حضرت عیسیٰ

دلا ہم پوچھتے ہیں حضرت عیسےٰ کو کیا کہیئے — طریقت میں بشر کہیئے حقیقت میں خدا کہیئے

روا ہے کشورِ کونین کا فرمانروا کہیئے — مہِ چرخِ کرم شاہنشہِ ارض و سما کہیئے

جبیں کو چاند کہیئے رُخ کو خورشید ضیا کہیئے — قدم کی خاک کو اکسیر کہیئے کیمیا کہیئے

پئے طفلاں وہ اسمِ پاک تعویذِ دعا کہیئے — جوانوں کی سپر کہیئے ضعیفوں کا عصا کہیئے

یہ فیضِ نام ہے بیمار جس سے پاتے ہیں صحت — دعا کہیئے دوا کہیئے دوا کیسی شفا کہیئے

انتخابِ کلامِ ذرّہ

وہ عندلیب ہوں کہ سدا مجھ کو غم رہا
باغِ جہاں میں نخلِ تمنّا قلم رہا

وحشی وہ ہوں کہ حدِ ادب سے نہ بڑھ گیا
صحرا میں قیس کا میں قدم در قدم رہا

منظور اُن کو صاف ہیں وعدہ خلافیاں
اے انتظار کیوں مری آنکھوں میں دم رہا

اکثر مری غزل میں جو نکتے ہیں رمز ہیں
عاجز جبھی ثنا میں ہر اہلِ قلم رہا

عادت سجود کی جو بھی عہدِ شباب میں
پیری میں بھی سدا قدِ عاشق میں خم رہا

ذرّہ نئی غزل کہی یکتا کے فیض سے
گو وردِ مشقِ شعر و سخن تجھ کو کم رہا

ہم عاشقوں کو خاک نشینی پسند ہے
وہ شاہِ اوجِ حُسن تجمّل سے مبتلا

اقرار شام سے ہے بڑھا روزِ حشر پر
کیوں دل ہوا ایسے اہلِ تغافل سے مبتلا

ہاتھوں میں ہمارے کششِ جوشِ جنوں ہے
رشتہ یہ نیا تارِ گریباں سے نکالا

پہلے تھا اہلِ وفا اب وہ جفا کار ہوا
یار اغیار ہوا

جس کو دلدار سمجھتے تھے دل آزار ہوا
کیا یہ اسرار ہوا

بسکہ یادِ دُرِ دنداں میں گہر بار رہا
آبرو دار ہوا

جو گرا آنکھ سے آنسو دُرِ شہوار ہوا
ایک انبار ہوا

اے جنوں دے نہ مجھے دشت نوردی کی ہوا
خاک میں اب نہ مِلا

آہ ہلنا بھی جگہ سے مجھے دشوار ہوا
اسقدر زار ہوا

سوزِ فرقت سے اگر دل میں پھپھولا ہوتا
بخدا جل کے یہ رشکِ یدِ بیضا ہوتا

موت برباد نہ کرتی جو غبارِ دل کو
یہی صحرائے قیامت کا بگولا ہوتا

بعد مُردن یاد آیا حُسن روے سنگدل — قبر کا تعویذ اپنی سنگِ مرمر ہو گیا
گرانبارِ عصیاں سے ہوں سربسر میں — صنم مغفرت کی دعا کیجیئے گا
کوئی ہمراہ تک جاتا نہیں اللہ رے غربت — عدم کی راہ میں کیونکر نہو مجھ کو خطر پیدا
نہ جلتا فرقتِ دلدار سے آٹھوں پہر یہ دل — ہماری آہِ سوزاں میں اگر ہوتا اثر پیدا

ہچکیاں اُس یار کی ٹھہریں ہمارے نام پر — جذبِ دل پیدا محبت کا اثر ہونے لگا

سجدے ہر بُت کو کیے آپ بنایا معبود — اس سے بڑھ کر کوئی ایجادِ بشر کیا ہوگا
منزلِ الفتِ دیدار میں گمراہی ہے — ایک دم کے لئے سامانِ سفر کیا ہوگا

ہونٹ چاٹے جب مری شیریں کلامی کو سُنا — اِن بُتوں کو بات کرنے کا مزہ کیونکر ہوا

کہوں کیونکر میں تم سے حال اپنے جسم لاغر کا — اگر دیکھا کسی نے مجھ کو پایا تار بستر کا
ہیں عاصی ہم وہ مالک ہے تو بخشے گا گناہوں کو — ہمارے دل کو کچھ خطرا نہیں ہے روزِ محشر کا

لیتا ہے یہ بیمارِ محبت کا سنبھالا — اب کے یہ سنبھالے میں سنبھل جائے تو اچھا
نالوں میں ہمارے بھی بڑا حُب کا اثر ہے — جادو یہ اگر یار پہ چل جائے تو اچھا

بیتاب ہے دل کیسے خبر یار کو پہونچے — اک نام بھی باقی نہیں نالوں میں اثر کا
تاثیر بتوں میں یہ عجب دی ہے خدا نے — بچتا ہی نہیں کشتہ کبھی تیری نظر کا

مطلعِ دیواں میں ہی رنگ ابروے دلخواہ کا
چوں ہلالِ عیدِ قرباں مد ہے بسم اللہ کا

آتشِ فرقت میں جلتا ہی بدن مثلِ تنور
تا فلک جائے نہ کیوں شعلہ ہماری آہ کا

ہیں فقط جھگڑے یہ سب دو دن کے دنیا میں دلا
ایک رتبہ حشر میں ہوگا گدا و شاہ کا

نور سے اُس طفل کے روشن ہوا سارا جہاں
طور کا شعلہ ہے جلوہ قامت کوتاہ کا

عمارت کیوں بنائی منعمو اس دہرِ فانی میں
بھروسہ زندگی کا ہی نہیں دنیا میں اک دم کا

ہماری یہ دعا ہر دم رہا کرتی ہی اے ذرّہ
ترے سر پر سدا سایہ رہے عیسےٰ و مریم کا

دل میرا ہجر یار میں تن سے نکل گیا
جھوکا ہوا ے جان کا تن سے نکل گیا

سمجھ کے ہیچ اس سرائے فانی کو قصد اپنا ہے اب عدم کا
کہ جھگڑے دنیا کے سیکڑوں ہیں بھروسہ کس کو ہی ایک دم کا

تو چہچہے اب تو کرلے بلبل نہ پھر یہ دورِ بہار ہوگا
خزاں جب آوے گی تو چمن میں نہ کوئی گل ورنہ خار ہوگا

نہ یہ ہوائیں نہ یہ گھٹائیں نہ دورِ ساغر ہوگا ساقی
تمھاری چالوں سے حشر کے دن کچھ اور لیل و نہار ہوگا

اگر میں جاؤں گا سوے جنت کروں گا یہ دلگی کا ساماں
کہ ایک پہلو میں ہوگی بوتل اور ایک پہلو میں یار ہوگا

کروں گا قرباں میں دین ایماں ولے یہ سچ سچ تو کہدے جاناں
کہ اسکے دینے میں جاں نثاروں میں پھر تو میرا شمار ہوگا

گنہ کی کشتی شکستہ ذرّہ بھنور میں جو کھا رہی ہے چکر
مسیح ہوگا شفیع محشر تو بیڑا اُس سے یہ پار ہوگا

رات دن مجھ کو جلاتا ہی تپِ فرقت میں
رحم کرتا نہیں کچھ ہاے ستمگر اپنا

باغ میں سیر کو جائے گا جو گلرو اپنا — سرنگوں سجدہ کو ہر سروِ گلستاں ہوگا

اُسی قاتل کا میں ہوں تیغِ نگہ کا گھائل — جس کے کوچہ سے اک انبوہِ شہیداں نکلا

ہوا جو تنگ کبھی زندگی سے تو میں نے — فراقِ یار میں پتھر پہ سر کو دے پٹکا

کبھی نہ عذر کروں میکشی سے اے ساقی — پلا دے کوئی جو لاکر شراب کا مٹکا

فرقتِ جاناں میں تم سے کیا کہوں جو غم ہوا — دودِ غم نکلا جو دل سے حلقۂ ماتم ہوا

اسقدر میں نے چھپایا عشق تیرا اے صنم — راز سے اپنے نہ کوئی غیر تک محرم ہوا

صدمے اُٹھا رہا ہوں شبِ ہجر یار کے — کھٹکا ہو دل میں کیا مرے روزِ حساب کا

ہووےگی مغفرت مری محشر میں بالضرور — بندہ ہوں دل سے عیسیٰ عالی جناب کا

دیکھنا حسرتِ پامال مری بعدِ فنا — خاک ہوگی مری اور کوچۂ جاناں ہوگا

ہو نہیں سکتی رہائی عمر بھر اس دام سے — آ پڑا گردن میں پھندا کاکلِ بلدار کا

تصدق کیا تجھ پہ جان اور دل — جو تھا فرض اپنا ادا ہوگیا

کانٹے پڑے زباں میں مے نوشیوں کے ساتھ — بیتاب ہو رہا ہوں نہ دل کو جلا شراب

دام سے صیاد کے چھٹنا ہے مشکل عمر بھر — شور کرکے تو مُقدر آزمائے عندلیب

گردش تو دیکھیے مری تقدیر کی ذرا   پھرتا ہوں کوے یار میں دن بھر تمام رات
اللہ رے انتظار کہ سویا نہ ایک دم   تارے گنا کیا میں برابر تمام رات

اس طائرِ دل کو قفسِ تن میں ہے اُلجھن   اللہ دکھاوے کوئی گلزارِ محبت
ذرّہ میں فدا اب تو ہوا بُت کی ادا پر   پہنے نہ پھروں کیوں یہ میں زُنّارِ محبت

خانۂ دل سے اُنھیں میں نہ نکلنے دوں گا   تاک میں بیٹھے ہیں کیوں طالبِ دیدار عبث
صرف پہچان کو ہی تارِ رگِ جاں کافی   برہمن ڈالے ہوے کیوں ہی تو زُنّار عبث
میں نہ جاؤں گا تو وہ خواب میں آجائیں گے   روکے بیٹھے ہیں مرا راستہ اغیار عبث

جلتا ہے مرا سینۂ سوزاں ہر آہ سے   فرقت نے ایک آگ لگادی بدن کے بیچ

یاد کر اُس بحرِ خوبی کو میں رویا اس قدر   میری چشموں سے بھرا پانی ندی نالوں کے بیچ
دیکھ کر کاکل کو رُخ پر یار کے کہتے ہیں سب   یہ چمکِ رخسار کی یا من ہے دو کالوں کے بیچ

کنجِ قفس سے مجھ کو رہائی نصیب ہو   یارب دکھا بہارِ گلستاں کسی طرح
ہو جائے کچھ تو اس دلِ بیتاب کو قرار   جلوہ دکھاوے اے مہِ تاباں کسی طرح

سات پردوں میں وہ بیٹھے ہیں رسائی ہے کہاں   کس کو ڈھونڈھے گی بھلا کوچۂ دلدار میں روح
چال کیا چال ہے جس چال کے دل صدقے ہے   جان آجائے جو پامال ہو رفتار میں روح

یوں تو ہیں لاکھ ترے چاہنے والے لیکن مجھ سا عاشق نہ کوئی اور ہوا میرے بعد

حسنِ یوسف سے زیادہ ہے جمالِ یار بھی اے دلا کیوں ہو نہ جائے حسن کا بازار بند

گل رُو تو پھولا کیوں ہے دو روزہ بہار پر مت رکھ بھروسہ ہستیٔ ناپائدار پر

نہیں ہیں داغ چیچک کے رُخِ محبوب پُرفن پر ہوے ہیں جمع یہ پروانے آکر شمع روشن پر
یہی ہے سوچ کیونکر ہو گی طے راہ عدم ہم سے گناہوں کا ہے ذرّہ بوجھ بھاری اپنی گردن پر

رہے گی دل میں یہ حسرت ہی عمر بھر افسوس کبھی ادھر نہ ہوئی مہر کی نظر افسوس
بہایا خون ہے اشکوں کے بدلے آنکھوں نے شبِ فراق میں رو دیا ہوں اسقدر افسوس
ابھی تو مجھ کو نہیں پائی جاتی کچھ اُمید کروگے بعدِ فنا میرا عمر بھر افسوس

جو کہ قسمت میں لکھا ہے وہی پیش آتی ہے خطِ تقدیر بنا ہے ترے رخسار کا خط
دل کے ٹکڑے ہوے جاتے ہیں خدا خیر کرے ہے یہ تیغ نگہ شوخ جفا کار کا خط

بیتابیوں نے دل کی جلایا یہاں تلک نالے ہمارے جانے لگے آسماں تلک
دیکھیں گے ظلم وہ کرے تجھ پر کہاں تلک اے دل نہ آئے اب کوئی شکوہ زباں تلک
فرقت کی داستان سنائی تو بولے وہ للہ اب کہو گے یہ قصہ کہاں تلک

پلک جو ٹوٹ گئے آنسو کے ساتھ یہ نکلی نیا ثبوت ہوا گوہر خوش آب میں بال

کس برق وش کی آمدِ بزمِ نشاط ہے
ہے ماہ و خور کو خوف سے چکّر گھڑی گھڑی
ذرّہ وہ بات بات پہ روٹھے ہے آج کل
اُس یار کو مناؤں میں کیونکر گھڑی گھڑی

بتوں میں خاک پتھر کیا محبت ہے خدا جانے
جو ایسے آشنا ہوں کیوں اُنھیں نا آشنا جانے
خدائی میں کسی کو دخل ہوتا ہے معاذ اللہ
خدا سمجھے بتوں کو ہر برہمن کیوں خدا جانے
محبت میں سوا تکلیف کے راحت نہیں ذرّہ
خدا شاہد ہے جو ایذا ہے دل پر کوئی کیا جانے

کہیں گے سامنے جا کر خدا کے
بتوں نے مار ڈالا ہے جلا کے
یہ کس کی چال ہے اٹکھیلیوں کی
تصدّق دل ہوا ہے نقش پا کے
ملے گا رزق بے منت نہ ذرّہ
مقدر میں ہیں چکّر آسیا کے

قافلہ والے ہمیں چھوڑ گئے جانے دو
رہبری کو تو یہ ہے نقشِ کفِ پا باقی

اک نظر آکے دکھا دو ہمیں صورت اپنی
جان ہے اس تنِ لاغر میں مسیحا باقی
دے چکے جان تو ایمان کہاں کا ذرّہ
رہ گیا دل کے سوا پاس ترے کیا باقی

ایک دم بھی نہیں ارام ہمارے دل کو
کیا ہی بے لطفی سے ہوتی ہے بسر کیا کہئے
یادِ معبود کہاں یادِ بُتاں ہیں ذرّہ
گذرے جاتے ہیں یونہیں شام و سحر کیا کہئے

مشتاقِ دید ہیں مری آنکھیں جمال کی
پردہ کو دُور کیجئے جلوہ دکھائیے
کس کو بتوں کی ذات سے ہوتا ہے فائدہ
ذرّہ نہ دل سے یادِ خدا کو بھلائیے
ہمدم سوائے رنج نہیں کوئی ہجر میں
کیا کیجئے جو دل سے نہ فریاد کیجئے

نہیں باقی رہا اپنا ٹھکانا کوئی دنیا میں
کہ جب سے اپنی نظروں سے ہمیں اُس نے گرایا ہے
اے مسیحا جلد آ کر لے ذرا اسکی خبر   نام لیتا ہے ترا بیمار اُٹھتے بیٹھتے

اُس کا کعبہ میں پتہ پایا نہ پایا دیر میں
جس بُتِ بے پیر کی فرقت میں ہم کافر بنے
دل لگا بیٹھے ہیں اب تو اک بُتِ بے مہر سے
جان و دل حاضر ہیں دونوں دیکھئے کس پر بنے
چہرۂ پُر نور سے اُس کے بنے شمس و قمر
اور افشاں چھُٹ کے ذرّہ چرخ کے اختر بنے

ہوا ہے اور نہ ہووے گا کبھی تیرا وہ شعلہ رو
فراقِ یار میں اے دل عبث دل کا جلانا ہے
اُسی اک شمع رو کا میں بھی پروانہ ہوں اے ذرّہ
کہ جس کی آتشِ غم میں جلا سارا زمانا ہے
تم نہ سمجھو اس کو گورستان ہرگز رہروؤ
روز جو آباد ہوتا ہے وہ یہ ویرانا ہے

کئے ہزاروں ہی عشاق کے جگر گھائل
نہیں وہ جاتا ہے اک میرا دل دُکھائے ہوئے

سدا سُن سُن کے فیاضی تری غیروں سے ہم نکلے
پلادے مجھ کو مے ساقی جو خم میں بیش و کم نکلے
کیا ہے عشق جاناں نے ہی مجھ ٹیڑھے کو یہ سیدھا
کہ جیسے جنتری میں تار کا آ کر کے خم نکلے

سخت جانی کی خبر اُن کو مری ہو جاتی
امتحاں آکے اگر وہ سرِ میداں کرتے

خود نشانہ بن گیا ہے جان کر ؛
دل کو کیا الفت ہوئی ہے تیر سے
تیغ زہر آلودے کشتہ کیا ؛
بعد مُردن کیا غرض اکسیر سے

کہتے ہیں لوگ دل کو مرے خانۂ خدا
کیونکر پھر آہ عرش معلّےٰ ہلا سکے
خورشید میں یہ تاب کہاں یہ چمک کہاں
کیا تاب ہے جو تار کو صورت دکھا سکے

محبت ہے مجھے اس دلرُبا کی
کہ جس پر ہے فدا خلقت خُدا کی
قسم تم کو خُدا کی سچ بتانا ؛
بتو ہم نے تمھاری کیا خطا کی
خدا شاہد ہے بت خانہ سمجھ کر ؛
بتوں سے ہم نے کعبے میں دعا کی
زہے عزّت زہے حرمت زہے توقیر پتھر کی
کہ بیت اللہ خود دنیا میں ہے تعمیر پتھر کی

بھروسا ایک دم کا بھی نہیں اس دارِ فانی میں
عمارت لوگ کرتے ہیں عبث تعمیر پتھر کی

یہی حیرت رہے تاثیر قلبی اس کو کہتے ہیں
بتوں کو دیکھ کر خود بن گئے تصویر پتھر کی

خدا کی شان ہے نسبت برہمن بت سے دیتے ہیں
کجا دلبر کجا یہ بے زباں تصویر پتھر کی

تری فرقت گوارا کر سکے کیونکر بھلا ذرّہ
کہاں سے لائے چھاتی عاشقِ دلگیر پتھر کی

آتشِ غم نے جلایا ہے ہمارے دل کو
شعلے کیا کیا تری فرقت میں دہن سے نکلے

گلشنِ دہر میں ہو تم کو مبارک پھرنا
صورتِ برگِ خزاں ہم تو چمن سے نکلے

باغِ عالم میں نہ بر آئی کسی دم اُمّید
حوصلے دل کے نہیں غنچہ دہن سے نکلے

یہ جائے شکر ہے پروردگار دنیا میں
تری جناب میں مجھ سے کوئی خطا نہ ہوئی

گذر جو بتوں کے کعبے میں کل ہوا میرا
بتوں کے دھیان میں یادِ خدا ذرا نہ ہوئی

زباں پہ شکوۂ بیداد لا نہیں سکتے؛
فراقِ یار کے صدمے اُٹھا نہیں سکتے
ہمارے دل میں اثر ہے نہ آہ میں تاثیر
فلک کو نالوں سے اپنے ہلا نہیں سکتے؛
فراقِ بُت ہو یہ تحریر ہے مقدر میں
لکھا ہوا کسی صورت مٹا نہیں سکتے
اُٹھا چکے ہیں ہزاروں مصیبتیں بخُدا؛
یہ دل وہی ہے کسی سے لگا نہیں سکتے

جس قدر برگشتگی تقدیر میں تھی بھر چکے
اب تو چل کر کوچۂ دلدار دیکھا چاہیئے
دل میں یہ حسرت ہے ذرّہ یا کھٹکتی پھانس ہے
وصل کب ہو کب یہ نکلے خار دیکھا چاہیئے

ضمیر و میر و سودا مصحفی و آتش و ناسخ
طریقے شاعری کے بس انھیں دو چار سے نکلے
وہ زاہد ہوں کہ گمراہی نے کی ہے رہبری میری
عبادت کے طریقے رشتۂ زنار سے نکلے

عجب قدرت ہے ذرّہ کیا بنایا چشمِ مردم کو
اُجالے میں اندھیرا ہے اندھیرے میں اُجالا ہے

فرقت کی پھانس دل میں ہم اے یار سے چلے
دنیا سے لے چلے بھی تو یہ خار سے چلے
بُت سے نہ کچھ غرض ہے نہ اسلام سے ہمیں
راضی ہیں ہم اُسی میں جدھر یار لے چلے

خبر مجھ کو نہیں ہے دین و دنیا کی اے زاہد
مجھے ساقی نے کچھ ایسی مئے وحدت پلائی ہے
ہم نہ اُٹھیں گے مثل نقش قدم   درِ دلدار پر جو آ بیٹھے

جلوہ خدا کا اس میں نظر آیا اے بتو
بیت الصنم کو چھوڑ کے کیا کعبہ جائیں گے

تمھیں انکار کیوں ہوتا ہے نقد جاں کے لینے میں
ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ یہ سمجھو تمھارا ہے
چلیں اب عالم فانی سے ملکِ جاودانی کو
وہیں جائیں جہاں پر ہم سے لوگوں کا گذارا ہے

رُخ انور کو چھپاتے ہو عبث زیر نقاب ؎
چاند چھُپنے کے لئے ہے نہ نکلنے کے لئے
شمعرو کچھ بھی شکایت نہیں تجھ سے اصلا ؎
ہم کو پیدا ہی خدا نے کیا جلنے کے لئے

ایک مدت سے یونہیں عشقِ بتاں میں ذرّہ
ٹھوکریں کھاتا ہوں در در کی سنبھلنے کے لئے

کوکے کوئل ہے دلا شور پپیہا کرتا
مور بولیں ہیں عجب دیکھ گھٹا ساون کی
پانی جنگل میں بھرے اور ہوے کھیت ہرے
آج تو ذرّہ کرو سیر ذرا ساون کی

تری چھل بل سے اے دلبر قیامت ہونے والی ہے
فدا ہوں حسن پر تیرے ادا تیری نرالی ہے
ادھر مجھ پر عتاب اُن کا اُدھر اغیار کی دھمکی
عجب ہوں کشمکش میں مَیں مرا اللہ والی ہے
ہوئے خود آئینہ کو دیکھ عاشق اپنی صورت پر
جبھی تم سے مجھے اے جاں رقابت ہونے والی ہے

ہے دعا موت کبھی آئے مجھے فُرقت میں
تنگ آیا ہوں ترے روز کے غم کھانے سے
حشر میں ہوگا تجھے دینا حساب اے ساقی
گر کوئی بُوند ٹپک جائے گی پیمانے سے
چٹکیاں لیتا ہے کیوں اے دلِ بے چین مرے
کیا مزہ ملتا ہے تجھ کو مرے تڑپانے سے

تشنگی اُن کی بجھا دے ساقیا — شیخ جی پیاسے ہیں بس اک جام کے
باغباں خواہش کسے ہے باغ کی — ہم تو عاشق ہیں اُسی گلفام کے
میکدے میں جھانکتے ہو شیخ جی — آپ بھی طالب ہیں کیا اک جام کے

سہرا شادی خانہ آبادی مسٹر جارج اسمتھ عرف پیارے صاحب مقام لکھنؤ ۱۸۷۳ء

پیارے صاحب کے بندھا سر سے جو پیارا سہرا — پیار سے مہر و محبت نے سنوارا سہرا
ٹونے گائے گئے جب آرسی مصحف دیکھا — جھوما اک وجد میں آ کے یہ پیارا سہرا
جب لکھا سورۂ اخلاص کو پیشانی پر — کس محبت سے اُٹھایا تھا وہ پیارا سہرا
بیاہ کر کے چلے خوش ہو کے دلہن کو جس دم — اپنے ہاتھوں ہی سے دولھا نے سنوارا سہرا

سہرا شادی خانہ آبادی مسٹر جارج ہیش شورؔ

شورؔ صاحب کے بندھا دھوم سے سر پر سہرا — ہو مبارک یہ اُنھیں آج منوّر سہرا
باندھتا یوں تو ہر اک نوشہ ہے سر پر سہرا — پر عجب شان کا ہے آپ کے رُخ پر سہرا
فوجِ انجم ترے گھر آئی براتی بن کر — ہو فلک تخت رواں ماہِ منوّر سہرا
دمبدم کیوں نہ چلے دورِ شراب اے ساقی — ساز و سامان عروسانہ ہے پُر زر سہرا
ذرّہ مجبور ہے یوں دُور ہے محفل سے تری — ورنہ وہ شوق سے خود باندھتا آ کر سہرا

سہرا شادی خانہ آبادی ثانی مسٹر جارج اسمتھ

سر پہ نوشہ کے جو سونے کا سجایا سہرا — شعلۂ طور برابر نظر آیا سہرا
چاند سورج کو خدا نے ہے ملایا باہم — سر پہ جب چرخ نے انجم کا سجایا سہرا

یا خدا اس کو سدا پھولتا پھلتا رکھنا | دوسرا جس کا یہ پھر تو نے دکھایا سہرا
دور ساغر کا چلے آج خوشی ہے ساقی | پیارے صاحب کا خدا نے یہ دکھایا سہرا
سُننے والوں نے کی تعریف تری اے ذرّہ | کہہ کے جب بزم میں سب کو یہ سُنایا سہرا

مُبارک باد ہولی

نظر آتا ہر جا ہے ساماں خوشی کا | لبوں پر ہر اک کے ہے اب جامِ صہبا
مُعطر ہے خوشبو سے بادِ صبا بھی | خوشی سے چمن میں ہے غنچہ چٹکتا
یہ فصلِ بہاری کا فیضِ قدم ہے | ہوا فرطِ فرحت سے سرسبز صحرا
بنا مثلِ ساغر ہے ہر گل چمن میں | نظر آتا ہر سرو ہے شکلِ مینا
مئے ناب ٹپکے ہے انگور سے اب | میسّر کہاں یہ شرابِ مُصفّا
ہوئی ہے جو ہولی کی اب آمد آمد | بنا حال دیکھو عجائب ہر اک کا
یہ بزمِ طرب راجہ صاحب کی دیکھو | ہر اک طرح کا یاں ہے ساماں مُہیّا
سری ڈونگر سنگھ ایسے راجہ سخی ہیں | کہ دم بھر میں ادنیٰ کو کرتے ہیں اعلیٰ
شفق کی طرح چہرہ رنگیں بنا کر | گلِ سُرخ ہر شخص کو ہے بنایا
پریرو حسیں ہیں یہاں منتخب جو | تو ہے راجہ اِندر کا گویا اکھاڑا
رہیں راجہ صاحب ہمیشہ یہ قائم | مُہیّا رہے یوں ہی ساماں خوشی کا
جو دشمن ہوں اُنکے وہ پامال ہوویں | رہے سر پہ خادم کے دستِ مسیحا

تاریخ وفات خان بہادر دیوان امین محمد صاحب دیوان ریاست بیکانیر

(۱۱ اکتوبر ۱۸۸۸ء)

امین محمد نے پائی وفات | ریاست کے دیواں تھے اور خیر خواہ

ہوا اُن کے مرنے کا وہ رنج و غم — کہ جس کی نہیں حد خدا ہے گواہ
بِلا خاں بہادر جب اُن کو خطاب — اُسی دن سے سب راج تھا خیر خواہ

ہوئی فکر تاریخ جب ذرّہ کو
تو بولا وہ ہاتف غمِ مرگ آہ

انتخاب کلامِ توقیر

مطلعِ دیواں میں ہے رنگ ابروے دلخواہ کا — جوں ہلالِ عیدِ قرباں مد ہے بسم اللہ کا
لن ترانی کا ہے رتبہ نعرۂ جانکاہ کا — کیا عجب لیتا عصا موسیٰ جو میری آہ کا
جس نے دیکھا تجھ کو آئینہ ہی چاہے دیکھ لے — صاف ہے وحدت میں کیا نقشہ دلِ آگاہ کا
تابعِ امرِ شرف ادنیٰ سے ہے اعلیٰ تلک — مرتبہ برحق تو ہے یاں پر گدا و شاہ کا
مت ہوس کعبے کی رکھ زاہد ذرا کر چشم وا — مرتبہ بُت خانۂ دل کو ہے بیت اللہ کا
صورتِ قبلہ نمارہ اُسکی جانب ایک سُو — دل ترا مسکن ہے گر طالب ہے سجدہ گاہ کا
کیا سخن میں اضطرابِ دل کا مضموں خبط ہے — برق سے لڑتا ہے مصرع نالۂ جانکاہ کا
کیوں نہ دل سیپارہ ہو میرا بہر صورت صنم — ہے رُخ پر خط ترا صفحہ کلام اللہ کا
تابعِ اسلام ہوں بندہ ہوں اُسکی زلف کا — جوں خطِ قرآں ہے سبزہ عارضِ دلخواہ کا
جب اُٹھایا سر کو تب پاؤں تلے روندے گئے — گلشنِ عالم میں ہے اپنا تو رتبہ کاہ کا
کر رہا دامِ گنہ سے مجھ کو لے عیسے مسیح — تو ہی تو بخشندۂ برحق ہے خلق اللہ کا

بارِ غفلت دور کر توقیر بس ہو چل سُبک
قافلہ جاتا ہے کر لے تو بھی ساماں راہ کا

زمیں سے نور پہ آدم کو انتخاب کیا — یہ تو نے خاک کے ذرّے کو آفتاب کیا

لیئے ہیں پانچ جو جیتے تھے شرط دس بوسے — تو پانچ باقی رہے دل میں جب حساب کیا

فلک کے ہاتھ سے ناچار ہو گیا از بس — خراب خانہ ہو اُس کا مجھے خراب کیا

یہ ایک نعرے میں گرجاتا ایک گردوں — جگر ہے میرا کہ کھینچ آہ کو طناب کیا

دل اپنا ہو کے پریشاں جو کچھ بکھرتا ہے — کسی کی زلف نے شاید کہ پیچ و تاب کیا

اب اُسکی لہر میں ہر دم تو موج مارا کر — کہ جس نے شور رسا دریا تہِ حباب کیا

رہی نہ مہر و وفا ذرّہ دہر میں توقیر
فلک نے روئے زمانہ کو انقلاب کیا

کبھی جو دیکھا ہے چشمِ پُر آب میں پانی — صدف میں دُر ہی نہ دُرِ خوش آب میں پانی

ہمیں تو ہو گئی جوں یوسف و زلیخا اب — غنیمت اُس سے ملاقات خواب میں پانی

میں بوسۂ عرق آلودہ رُخ کا ہوں تشنہ — پلاؤ مجھ کو ملا کر گلاب میں پانی

گھٹائی آبرو رونے نے ابر کی یاں تک — بھر آیا رشک سے چشمِ سحاب میں پانی

نہ چھیڑ آبلۂ دل کو پھوٹ جاوے گا — حباب پانی میں ہو اور حباب میں پانی

صفائی آپکے دنداں کی دیکھ اہلِ صفا — گہر نے آب میں لی دُرِّ ناب میں پانی

مریضِ چشم کو طوفاں کا ڈر ہے گریہ سے — گرے پلنگ سے دیکھے جو خواب میں پانی

جو پانی پانی ہوا جائے ہے یہ دل شاید — ملا کے لایا تھا ساقی شراب میں پانی

لوئس پیرک لیزوا توقیر

کئی بار دیکھا تمھیں شیخ جی — درِ میکدے سے نکلتے ہوئے

وہ ملنے کو آتے ہیں توقیر سے — خراماں خراماں ٹہلتے ہوئے

حلقۂ زلف مجھے آنکھ دکھا کر بولا — جب میں جانوں مرے پھندے سے بچائے دل کو



George Puech Shore.

لے لیا سوتے میں بوسہ یہ خیال اُنکا ہے — مجھ سے ناراض ہیں بیجا یہ ملال اُنکا ہے

حشر میں بھی نہ کرونگا کبھی دعویٰ اُن سے — دل جگر جو ہے مرے پاس یہ مال اُنکا ہے

گالیاں کھانا خونِ دل پینا — ذائقے ہیں یہ دل لگانے کے

گر وہ روٹھے ہیں ہم سے جانے دو — ہم نہیں اُن کو اب منانے کے

اس پہ بھی اُنکی نہیں چھوڑتے الفت توقیر — کیسے کیسے وہ تمھیں صدمۂ غم دیتے ہیں

یہ رعب حُسن کا اے غیرتِ قمر چھایا — کہ مہر و ماہ بھی تم پر نگاہ کر نہ سکے

ہے بزمِ عشق کا اے شمع رُوہی دستور — جلے و شُورتِ پروانہ آہ کر نہ سکے

وہ اپنی بزم میں غیروں کے خوف سے توقیر — ہماری سمت کرم کی نگاہ کر نہ سکے

انتخاب کلام شور میرٹھی

(دیوان اول)

اس طلسماتِ جہاں میں موت کس کو یاد ہے — صاحبِ خانہ رکھا ہے نام ہر مہمان کا

لبِ رنگیں پہ اُسکے جب سے دیکھی پان کی سُرخی — لہو تک خشک غیرت سے ہوا لعلِ بدخشاں کا

آباد ہے جہان بتاں سے دلِ خراب — افسوس تھا جو کعبہ وہ بُت خانہ ہو گیا

کیونکہ باندھوں میں کہاں پاؤں کہاں سے لاؤں — جب کہ مضمون کمرِ یار کا عنقا ٹھہرا

کیا زمانہ ہے کہ عاشق ہیں زر و مال کے سب — دوست ٹھہرا وہی جس پاس کہ پیسا ٹھہرا

جا بھی سکتے تھے نہ کوچے میں ترے بے حکم ہم — پر تصور کی بدولت اب تو رستہ کھل گیا

ناکارہ جنس ہوں میں وہ بازارِ عشق میں — جس کی طرف کو منھ نہ خریدار نے کیا
یہ اثر دیکھا جذبۂ دل کا — اُٹھ گیا آپ پردہ محمل کا

آرزوے خاکِ پا نے مجھ کو حیف — اسقدر پیسا کہ سُرمہ کر دیا
ہاتھ آیا جب نہ مضمونِ کمر — شاعروں نے اُس کو عنقا کر دیا
دیں لیا ایماں لیا اور جاں بھی لی — فیصلہ دلبر نے میرا کر دیا
اتنا ہی تھا کہ پردے میں شب کے عیاں نہ تھا — ورنہ یہ سایہ ساتھ تمھارے کہاں نہ تھا
دشتِ بلا میں سایہ کو بھی کس سے مانگتا — جز آفتاب سر پہ کوئی مہرباں نہ تھا

آئینہ کو کیا ہی دعویٰ اُس رُخِ انور سے تھا — رو برو جب اُسکے آیا صاف اندھا ہو گیا
چشم نے دیکھا تھا تم کو اسلیئے حیراں ہوئی — دل نے کیا دیکھا جو بیخود اور شیدا ہو گیا
پھر وہی شورِ جنوں ہے پھر وہی وحشت کا زور — فصلِ گل آتے ہی میں کتنا توانا ہو گیا

بھرا بیٹھا ہوں ہرگز چھیڑنا مجھ کو نہ ہم چشمو — اگر رویا تو پھر عالم میں اک طوفاں اُٹھا دونگا

دنیا میں کوئی مجھ سا بھی ناکام نہ ہوگا — گر ہوگا تو حسرت کے سوا کام نہ ہوگا

پردے میں رازِ عشق جو رہتا تھا خوب تھا — بیتابیوں سے دل کی وہ پنہاں نہیں رہا

ایک دم بھی دلِ وحشی کا نہ ارماں نکلا گھر ہی یاد آگیا جب تنگ بیاباں دیکھا
ایک دن جان ہی جائیگی اس اندھیر میں ہاے تجھ سے کہتے نہ تھے ہم اے شبِ ہجراں دیکھا

آہنی جان پہ سو بار جفا سے لیکن حرف شکوہ کا نہ اک بار زباں پر آیا
کچھ زمیں ہی مرے گریہ سے نہیں ہی غرقاب آسماں کو بھی مرے نالوں سے چکر آیا
ہو گئی جس کسی کو اُس کی خبر اُس کو عالم سے بے خبر دیکھا
کھل گئی آنکھ جب حقیقت کی وہی آیا نظر جدھر دیکھا
سُرخیٔ پان کو تری دیکھ کے دل خون ہوا دانت اسواسطے ہی بوسۂ لب پر اپنا

خدا ہی ان دنوں حافظ ہی ماہ چرخ کا اے دل کیا ہی عزم نالوں نے مرے اب چاندماری کا
سبنے ہیں حضرتِ دل مالکِ دینار داغوں سے ملا تھا صرف انکو پیشتر منصب ہزاری کا

دیکھا جو اُس نے نیم نگہ سے کھُلے نصیب صد شکر بختِ خفتہ بھی بیدار ہو گیا

دھوکا شیشے کا مجھے پہلے تو غنچے نے دیا چشم پھر گُل پہ جو ڈالی تو میں ساغر سمجھا

جاگے نصیب یار کے مجھ سے ملا دیا ممنوں نہ کس طرح ہوں بھلا اپنے خواب کا

ہم اپنی طرزِ وفا سے کبھی نہ باز آئے ستم نے اُسکے کرم گو کہ بار بار کیا
خط پڑھا میرا غیر نے ہے ہے تھا یہ تقدیر کا لکھا صاحب
عقل و تدبیر سے سب راز حقیقت کے کھُلے نہ کھُلی پر نہ کھُلی عاشقِ دلگیر کی بات

گو اسکی تیغ سے ہوا گھائل ہزار بار　　ہوتا نہیں مگر مرا قاتل سے دل اُچاٹ

اظہار بندگی بھی تو اُس سے ہوا عبث　　میں نے کہا کہ بندہ ہوں تیرا کہا عبث

زہے نصیب کہ برقع اُٹھایا جب اُس نے　　تو میں نے دل ہی دیا پہلے مُنہ دکھائی آج

ساقیا شیشے میں دل کے وہ پری آئی نظر　　اک برانڈی کا دیا تو نے جو یہ پیمانہ آج
اک طرف ہے شورِ طفلاں اک طرف پتھر کی مار　　دیکھ کس دُھوم سے نکلا ترا دیوانہ آج

شور دامانِ توکّل کو پکڑے مضبوط　　منتیں شاہ و گدا کی کبھی زنہار نہ کھینچ
دل لگانے کا کچھ مزا پایا　　ہم نہ کہتے تھے ایسا کام نہ کر
قفسِ تن کو چھوڑ طائرِ روح　　ایسے غم خانہ میں مقام نہ کر
دلِ بیمار کی کیونکر نہ خبر ہو پیہم　　تار برقی یہ مرے اشک کا ہے تار ہنوز

اب دوا اور دعا کا بھی نہیں کام رہا　　دردِ فرقت یہاں تک تو ہوں بیمار کہ بس

حاجت بُری بلا ہے پھراتی ہے دربدر　　ورنہ بھلا کسی سے کسی کو تھی کیا غرض

جو جو کہ انتخاب جہاں میں تھے ہائے ہائے　　ایسے وہ مٹ گئے کہ نہیں ہے نشاں تلک
عمرِ رواں کا کچھ نہ ملا آج تک نشاں　　گو ہم تلاش کرتے گئے لامکاں تلک

دلِ پُر داغ ہے وہ گلشنِ حسرت میرا دیکھ جاتا ہے اسے سینہ فگار ایک ایک

ہے نہاں یوں عشق سے میرے دلِ مضطر میں آگ ہوتی ہے جسطرح سے آہن میں اور پتھر میں آگ
سمایا ہے ایسا وہ نظروں میں میری نہیں دوسرا اس میں آنے کے قابل
مفلس سے بات بھی نہیں کرتا ہے کوئی حیف سر پر بٹھائے جاتے ہیں زردار آج کل

دولتِ دنیا سے مستغنی ہمیں اُس نے کیا جانتے ہیں خاکپائے یار کو اکسیر ہم

نہ آئی تھی موسےٰ کو بھی تاب جس کی ہم اُس نور کو دمبدم دیکھتے ہیں

چشمِ حق بیں سے جو دیکھا ہم نے یہ روشن ہوا دل خدا کا آئینہ وہ جلوہ گر آئینہ میں

اگرچہ خاک ہیں ہم بھی بشکلِ سُرمۂ چشم نظر میں لوگوں کی پر اعتبار رکھتے ہیں

اب کفن کو تار بھی باقی گریباں میں نہیں کیا دکھائی ہے جنوں نے دستکاری اندنوں

گر خدا دیوے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے وہ پر لکھا ہے یہ کہ دولت بے ہنر ملتی نہیں

جینے کا فکر جان گھٹاتا ہے رات دن مرنے کا ہیچ جو پوچھیے تو کچھ بھی غم نہیں

اوپر اوپر نہیں جائیں گی یہ نیچی نظریں ہم نہ ہونگے جو رہی شرم و حیا آنکھوں میں

امیدِ عفو تجھ سے نہ ہوتی خدا اگر ‏— ہم اتنے محو کاہے کو ہوتے گناہ میں

میں نے ہزار بار کہا غمگسار ہوں ‏— نکلا نہ اُنکے مُنھ سے مگر اکبار ہوں

کبھی جو باغ میں اُس رشکِ گل کا ذکر چلتا ہے ‏— تو کیا کیا جھانکتے ہیں گل خجل ہو کر گریباں کو

آپ کا شور جہاں میں نہ ہو کیونکر اے شورؔ ‏— کہ فرنگی بھی ہو شاعر بھی ہو مشہور بھی ہو

یہ ہے اعجاز زلفِ عنبریں کا ‏— کیا اک لٹکے میں کافر جہاں کو

گر اپنا بھلا چاہے تو کر سب کا بھلا تو ‏— عالم میں کوئی شے نہیں احساں سے زیادہ

دے چکے ابتدائے عشق میں دل ‏— اب گئی جان انتہا ہے یہ

مٹایا جان و دل جس نے کہ دیکھا ‏— یہ خوبی ہے تمہارے نقشِ پا کی

عدم سے اسلیئے گُل زر بکف آیا کہ دنیا میں ‏— نہیں ممکن کہ کوئی کام بے دام و درم نکلے

اے چرخ کیا جہان کا غم ہے مرے لئے ‏— ہاں اتنا بوجھ دے کہ جو مجھ سے اُٹھا کرے

گور کی منزل بنانی چاہیئے ‏— فائدہ کیا قصر کی تعمیر سے

جو سبکسار تھے دنیا میں گئے سب آگے ‏— رہ گئے پیچھے ہمیں اپنی گرانباری سے

وہ مرا ظرف ہے بہکوں گا نہ ہرگز میں کبھی ‏— ایک خُم بھی جو برانڈی کا پلا دے ساقی

کوچۂ بُت میں روز دیکھتا ہوں ‏— جمع ساری خدائی ہوتی ہے

جامۂ تن میں ایک تار نہیں ‏— مفلسی کو ملاحظہ کیجے

غمخوار میرا غم ہی میں ہوں غم کا غمگسار   مجھ غمزدہ کو دیکھیئے اور غم کو دیکھیئے

ہم نے دنیا کو جب خیال کیا   صاف تشبیہ خواب کی سی ہے
ترک دنیا میں ہے ثواب بڑا   یہ تو بستی عذاب کی سی ہے

جاں گئی پر نہ گیا دل کا غبار   مٹی اعدا سے دلاتے ہیں مجھے
گردشِ افلاک نے پامال ہم کو کر دیا   دیکھیے کیونکر سنواریگا خدا بگڑی ہوئی

اس چشم کی خونباری سے اب دیکھیئے کیا ہو   ہر وقت مجھے ہائے رے اس ٹپکے کا ڈر ہے

عمر رواں کو ڈھونڈھا نہ پایا کہیں پتہ   کیا جانیے ہوا کی طرح وہ کدھر گئی

اللہ ری بیخودی کہ خودی سے نکل گیا   ورنہ یہ زیست مرگ کی اپنی گواہ تھی

یہ جام بھی برانڈی کا کیا دور میں ہے واہ   پیتے ہی جس کو سوجھتی ہے دور دور کی
دیدار تیرا روزِ قیامت ہوا تو کیا   فرصت کسے ملے گی حساب و کتاب سے

انتخاب دیوان دوم

عجب کیا ہی نشاں ایسا رہے دیوان سے اپنا   کہ جیسے آئینہ سے نام روشن ہے سکندر کا

وہم و خیال کی ہی واں تک رسائی مشکل   کچھ عرش سے بھی آگے اُسکا مقام نکلا

یہ باتیں کہنے کی سب ہیں زاہد جو دیکھ پائے تو اُس صنم کو
تو پھر تیمم کی اصل کیا ہے ترا وضو بھی نہیں رہے گا

جاتی نہیں ہی اُس کی کسک عمر بھر کبھی
ہر دم کھٹکتی رہتی ہی دل میں نظر کی چوٹ

انساں تو چیز کیا دلِ فولاد نرم ہو
دنیا میں سب سے شور زیادہ ہی زر کی چوٹ

گنبدِ گردوں میں گر پیٹی مہے نالے کی گونج
گٹکری بنکر ہوا میں کھائے گی چکر سدا

نہیں ہی موج کو اک دم بھی جو قرار کہیں
بھٹکتی پھرتی ہی دریا میں کیا حباب کی روح

ہے وہ مثل کہ مان کا ہی پان بھی بہت
تحفہ کا ایک خوشہ بھی ہی لاکھ من کی شاخ

رنگیں یہ غزل جائے جو شمس الامرا تک
ہو جائے سخن مثلِ شفق تا بہ دکن سرخ

شور صاحب اُس سے اب کیونکر بنیگی آپ کی
تم ہو عاشق حُسنِ سادہ پر وہ ہی زیور پسند

سارے جہان میں ہی اسی کی جو روشنی
اِسواسطے خدا نے کیا روئے زر سفید

کسی نے اوڑھے دوشالے کسی نے ہیں کمبل
نہ چھوڑا تو نے نہ چھوڑا کسی کا پیچھا ٹھنڈ

نہیں ہی دشت نوردی سے ایک دم فرصت
بنایا کس نے مرے پانوں کا رکاب میں گھر

ہوس تھی زیست میں مرنے کی بہرِ امتحاں ہمکو — نہ دیکھا مر کے زیرِ خاک بھی آرام سو سو کوس

گلگیر نے دہان میں لی جب زبانِ شمع — پروانے جل کے ڈھیر ہوئے سب لگن کے پاس

تیرے آنے سے چمن کی اسقدر اُکھڑی ہوا — پتیاں بکھریں ہوا دم میں گلِ تر پاش پاش

کبتک برنگِ غنچہ رہے چاک چاک دل — اے موسمِ بہار دکھا ایک بار عیش
سُنبل کو باغ میں بھی پریشانیاں ہیں روز — پاتا بھی ہے جہاں میں کوئی سوگوار عیش

حیات پائیگی ہرگز نہ ایک شب کے سوا — کرے ہے خندہ عبث ہستیٔ شرار پہ شمع

ہے کریموں سے ہمیشہ وقف محتاجوں کے فیض — کیوں نہو نیساں کی بخشش سے صدف گوہر بکف
گلال ایسا اُڑایا ہے اُس نے ہولی میں — کہ تا بدامنِ گردوں بنا غبارِ شفق
خلد کو جبکہ زمیں سے گیا آدم نے عروج — بولے قدسی کہ کہاں پہونچی ہے تقدیر سے خاک

صوفی کو وجد و حال میں لانا ہے کیا کمال — سبزہ کو جبکہ صحنِ چمن میں لٹائے راگ

رُوئے زمیں سے جو کہ سُوئے آسماں گئے — آئی نظر نہ ایک کے نام ونشاں کی شکل

اپنے جامے میں نہیں پھولا سماتا اُس گھڑی — جب نظر آتے ہیں ٹوپی پر مجھے اُس مس کے پھول

ہم کو بھی دل کے قید میں رکھنے کا ہی خیال
تارِ نفس سے اپنا بناتے ہیں دام ہم

ہم تو دونوں کی دلا خیر مناتے ہیں مدام
نہ تو کچھ کفر پہ رکھتے ہیں نہ اسلام پہ نام

اک دن نہ چین تو نے زمیں پر دیا فلک
کس جا کہ پھینک دیں تجھے سر پر اٹھا کے ہم
گھر بیٹھے جب خدا نے دیا ہمکو صبر و شکر
ہرگز نہ پاس جائینگے شاہ و گدا کے ہم

مژہ پر اشک اپنے بے سبب آ کر نہیں تھمتے
گراں قیمت جو گوہر ہیں وہ تلتے ہیں ترازو میں
رواں ہوتی نہیں مے انتظار اس بت کا ہی شاید
صراحی ہچکیاں لیتی ہے اور شیشہ ہی اچھو میں

جو خدائی میں بتوں کی لائے شک تو یا خدا
ٹوٹ پڑے سر بسر اس بدیقیں پر آسماں

دیا ہے رتبہ خدا نے یہ سر جبینوں کو
کہ دیتے چاند سے نسبت ہیں سب جبینوں کو

اس نے کوچہ سے پس عمر اٹھایا ہم کو
مل گیا دیس میں پردیس نکالا ہم کو

جس جگہ بیٹھے وہی دیکھ کے جلوا اٹھے
فخر کعبے کو نہ تذلیل ہی بت خانے کو
حرم میں دیر میں گرجے میں ہی ایک
یہ بھید اہلِ دوئی پر کب عیاں ہو
دکھائی کس نے وہ چشمِ میگوں کہ ہوش جاتا رہا ہے میرا
پڑا ہوں غش میں خبر نہیں کچھ شراب چھڑکو شراب چھڑکو
رہائی قید علایق سے زندگی میں نہیں
الجھ رہا ہی ہر آفات کے طناب میں پانوں

جانے ہے کون دردمرا اُس کے عشق میں　　کچھ دم شماری کے ہیں قضا و قدر گواہ

اللہ رے شوقِ دید کہ سایہ کی طرح سے　　ہم ساتھ ساتھ اُنکے رہے وہ جہاں چلے
جس میں رہے نہ طاقتِ رفتار ضعف سے　　مثلِ غبار کیوں نہ پسِ کارواں چلے
ہوئی خلق عاجز وفا کرتے کرتے　　نہ تنگ آئے یہ بُت جفا کرتے کرتے

بحرِ ہستی ہے حبب واں دن رات　　ایسی بستی میں کیا قیام رہے
جب زباں پر ہو بُت کے مرگ ور زیست　　پھر خدائی میں کیا کلام رہے
ہماری کیا ہے حقیقت جو بُت پہ مرتے ہیں　　خدا بھی دیکھے جو اُسکو تو خود فدا ہو جائے

نہ پائی کوچۂ مقصود کی راہ ایک دن ہم نے　　ہر جادہ رہے جوں نقشِ پا محروم منزل سے

شاطرِ ایام کے منصوبے رہجائیں گے سب　　جب بڑھیگا مہرہ اپنا مات ہی رہجائے گی
چاہیئے تقسیم کرنا وقت کا ہر کام میں　　ورنہ دل میں حسرتِ اوقات ہی رہجائے گی
شورؔ صاحب کیا بھروسا زندگی کا سچ یہ ہے　　سب فنا ہو جائیں گے وہ ذات ہی رہجائے گی

تدبیر کر لو آج ہی کل ہو سکے گا کیا　　ہے وہ مثل کہ مار کے پیچھے سنوار ہے

جب آئے تھے تو کیا لائے تھے ہم ہستیٔ فانی میں　　اور اب جانے کو ہیں تیار پھر سوئے عدم خالی

جز داغ ملا کچھ بھی نہ الفت کے شجر سے　　اس باغ میں ہم لینے کو یہی ثمر آئے

کچھ تو ہی بنی جان پہ اس دل کی بدولت | آنکھوں سے نکل آج جو سخت جگر آئے

نہ آئی اگر بن کے معشوق تو | ترے ساتھ کب ہم اجل جائینگے

زمیں سے نہ اُٹھیں گے طفل سرشک | اُٹھایا تو فوراً مچل جائینگے

جو ٹھانی ہے دل میں کریں گے وہی | گئے وہ نہ گر آج کل جائینگے

یہ فرق جیتے ہی جی تک گدا و شاہ میں ہے | دگرنہ بعدِ فنا مشت خاک راہ میں ہے

نشاں مقام کا گم اور نہ رہنما کوئی | غرضکہ سخت اذیت عدم کی راہ میں ہے

گدا نے چھوڑ کے دنیا کو نقد دیں پایا | بھلا یہ لطف کہاں شہ کے عز و جاہ میں ہے

پسندِ طبع نہیں اپنی چار دن کا ملاپ | مزا تو زیست کا اے میری جاں نباہ میں ہے

میں مریضِ عشق ہوں مجھ کو شفا ہوتی نہیں | کیوں عبث لے جاتے ہو ہمدم شفاخانے مجھے

جس کو چاہا اے بت تم نے کیا اپنا غلام | غور سے دیکھا تو ہے ساری خدائی آپ کی

لیلیٔ شب پہنتی ہے کہکشاں کے ہار کو | دیکھ لی ہے جب سے زنجیرِ طلائی آپ کی

گر خوشی آج ہے تو پھر غمِ فردا کیا ہے | جس پہ ہو فضل خدا کا اُسے کھٹکا کیا ہے

دل میں جب کیفِ دو عالم کا بھرا ہی اپنے | جستجوئے حرم و دیر و کلیسا کیا ہے

غنچہ کھلنے سے تنگ ہوتے ہیں | گُل کھلا تو گلے کا ہار ہوے

ہمارا ہوتا تو رہتا ہمارے سینے میں | یہ دل بنا تھا تری چشم فتنہ زا کے لیے

کہا جو میں نے وفا کر تو ہنس کے فرمایا | جفا کو چھوڑ دیں ہم آپ کی وفا کے لیے

ہم ہوشیار ہو کے ہوے در بدر خراب | غافل ہی جو جہاں سے وہی ہوشیار ہے

واعظ ڈرانے کو کوئی فقرہ سُنا اب اور — محشر تو ایک فتنۂ رفتارِ یار ہے
کیونکر بسر اوقات کریں اپنی جہاں میں — جینے کی ہے اُمید نہ مرنے کی خبر ہے

زباں سے تری جب نہیں ہو چکی — تو جینے کی صورت وہیں ہو چکی
تمام اپنی جانِ حزیں ہو چکی — کرو اب بھی ہاں کچھ نہیں ہو چکی

اپنے گناہ پر ہمیں کیا کیا ملال تھے — پر سُن کے خوش ہوئے کہ وہ نکتہ نواز ہے

تابِ نظارہ نہ ہو نقشۂ مانی بگڑے — کھینچے کس شکل سے پھر آپ کی تصویر بنے
مجھ کو بلا میں ڈالا بچی آپ بال بال — یہ چال سر بسر تری زلفِ دوتا کی ہے
کیونکر نہ ہوں عزیز یہ داغِ جگر مجھے — سونپی ہوئی نشانی مرے دلربا کی ہے
پیتا ہوں صاف کرکے مئے پرتگال کو — الفت جو میرے دل میں کسی پارسا کی ہے

اشکباری کے سبب محروم ہوں دیدار سے — بند آنکھیں ہو گئی ہیں آنسوؤں کے تار سے
ہوں کرسچن پر مجھے ہندو بچہ سے عشق ہے — چاک دامن میرا سی دو رشتۂ زُنار سے

شفا مرض سے نہ بخشے گا کس طرح سے مجھے — کہ وہ خدا بھی ہے شافی بھی ہے طبیب بھی ہے
گدا کو شاہ جو اک دم میں کر دکھاتا ہے — عجب طلسم یہ انسان کا نصیب بھی ہے
وہ چھوٹے کس طرح پایا ہو جس کو جاں کھو کر — اگرچہ میرا عدو ہے وہ حبیب بھی ہے

تڑپا کئے ہم بے خبری میں شبِ فرقت — جب یادِ ترے رُخ کو کیا ہم نے سحر تھی

شیشۂ دل ہوا وبالِ حیات — آگیا بال اس میں ہل ہل کے
جو پوچھا میں نے کیوں مجھ کو دیے ہیں شک کے صدمے — تو بولے ہنس کے اس ترکیب سے الفت بڑھائی ہے
شوق نے کی جو رہبری دل کی — منزلِ عشق طے ہوئی دل کی
جان پر اپنی ہائے کیوں بنتی — بات جو مانتے کبھی دل کی
دُور ہم سے ہیں وہ تو کیا ڈر ہے — پاس ہے اپنے آرسی دل کی
اک نظر نے کیا ہے کام تمام — آرزو بھی تو تھی یہی دل کی
جب جوانی گئی چھُڑا کر ہاتھ — اُس پہ پیری نہ کچھ چلی دل کی
بیتاب مجھے دیکھ کے بیتاب ہے بجلی — نالوں کی مرے طرز پپیہے نے اُڑائی

کوک کوئل کی کہیں شور پپیہے کا کہیں — مور بولے ہیں کہیں دیکھ گھٹا ساون کی

ریا کے سجدے کا دھبہ دُھلے وضو سے خاک — مٹا نہ داغ پہ زاہد کی شُست و شو نہ گئی

کوئی اکسیر نہیں اس کے مقابل ہرگز — خاکساری سے میسّر مجھے دولت ہوگی
دیکھو آئینہ نہ دیکھو میں کہے دیتا ہوں — آپ سا دیکھ کے اُسمیں تمھیں حیرت ہوگی
روزِ محشر ترا دیدار ہوا بھی تو کیا — بھیڑ میں دیکھنے کی یاں کسے فرصت ہوگی

انتخاب دیوان سوم

دل صاف کر آلایشِ دنیا سے کہ یہ بھی — آئینہ سکندر کا ہے اور جام ہے جم کا

کھُلے گر دیدۂ عرفاں نظر آئیں نئے جلوے — تماشا دیکھیے پھر انساں ہر اک جا اُسکی صنعت کا

قدم آیا ہے جس دن سے زمیں پر ناگہاں اپنا
دکھلاتے آنکھ ہیں تارے عدو ہے آسماں اپنا

اُٹھ اُٹھ کے خاک گوشۂ دامن نہ چھو سکے
اتنا مرا غبار کبھی ناتواں نہ تھا

کر کے طے منزلِ دنیا وہ تھکے ہیں رہرو
گور میں سو کے نہ کروٹ بھی بدلتے دیکھا
تمام عمر عذاب و گناہ میں گذری
میں پھر خدا سے اُمیدِ ثواب کیا کرتا
سب جگہ اُسکا ہے جلوہ تو کہیں پوچھیں ہم
دیر کس کا ہے حرم کس کا ہے گرجا کس کا

بات کرتے نہیں پھر دعویٰ خدائی کا بھی ہے
ہے عجب ڈھنگ بتوں کی بھی خود آرائی کا

بوسہ ہائے لبِ شیریں کا صلہ کیا دیجے
نہ سمر قند ہے اپنا نہ بخارا اپنا
پوچھتے کیا ہو دل کی ویرانی
یہ ہمیشہ سے گھر خراب رہا

راہ کعبے کی نہ پائی شیخ نے
وہ حرم میں جا کے نامحرم رہا
اشک گر ہوتا تو بہ جاتا نہ وہ
پارۂ دل تھا مژہ پہ تھم رہا

عمر رفتہ نہ پائی ڈھونڈھے سے
دل سدا در پئے سُراغ رہا
نارسائی طالع ناکام کی کام آ گئی
کل طبیعت شوخ کی جدم خفا تھی میں نہ تھا

ہماری آہ کو ان صدمہ ہائے دُنیا نے
ہوا کے گھوڑے پہ ہر دم سوار ہی رکھا
باغباں نے بنا بنا کے چمن
کھیل کی طرح پھر بگاڑ دیا

تھے دلاور جہاں میں ہم بھی بہت — صدمۂ غم نے پر پچھاڑ دیا

حشر میں آپ نے صورت جو دکھائی ہم کو — شکوے سب بھول گئے جور نہ کچھ یاد آیا

عالم عیش و طرب میں نہ کیا اس کا خیال — جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

زندہ ہو جاتا ہی جام بادہ سے ہر مردہ دل — یہ عرق ہی ساقی کوثر کا کھنچوایا ہوا

دل تو حاضر ہے ولے افسردہ و پژمردہ ہی — آپ کے کس کام کا یہ پھول مرجھایا ہوا

خدا کو عجز سے رغبت ہے اُس کے بندوں میں — نیاز جس نے کیا وہ نیازمند ہوا

کچھ تو ہو خوف خدا کچھ تو ہو دنیا کا لحاظ — فرض انسان کو ہے صاحب ایماں ہونا

روز ہے عشق صد آزار سے لب پہ توبہ — فائدہ ہم جسے سمجھے تھے وہ نقصاں نکلا

کیا تجلی رخ روشن کی ہے اللہ اللہ — جلوۂ حسن نقابوں میں بھی عریاں نکلا

فکر بے فائدہ بے سود تردد ہر دم — یس وہی ہوگا کہ جو تیری رضا نے چاہا

گر یہ جلنا ہی نصیبوں میں مرے تھا لکھا — شمع بنکر ترے آگے سر محفل ہوتا

زاہدو جاؤ ہوا کھاؤ بڑا دن ہی آج — میکشو آؤ کہ وہ ساقی گلفام آیا

ہم جائیں کیا خیال کو بھی روکتا ہی اشک — غیروں کے اختیار میں بزم بتاں ہے اب

ہے خانۂ اجل میں تمنائے جاں وہی گھر ہے رقیب کا وہ مسیحا جہاں ہو اب

مجھ کو خود شوقِ اسیری کھینچ کر لایا یہاں کچھ نہ اندیشہ کریں اب میرے بال و پر سے آپ

رُخ پر نقاب اُنکے پڑا بے سبب نہیں دیتے ہیں ہمیں شربتِ دیدار چھان کر

جل کر کھڑی رہے گی جو اک پاے رات بھر باقی سحر تلک نہ رہے گا نشانِ شمع

بس داد کی اُمید تو اب اُن سے ہو چکی رکھتے نہیں وہ کان بھی فریاد کی طرف
اُردو کی جو زباں تھی ہوئی میر کو نصیب شاعر ڈھلے ہوئے ہیں اس اُستاد کی طرف

زندوں کا ترے عشق میں ہی چاک گریباں مُردوں نے کیا غم میں ترے اپنا کفن چاک
کس کو دیکھیں آنکھ سے مثلِ حباب آپ ہی دم میں مٹے جاتے ہیں ہم
جتنی چادر دیکھتے ہیں ہم نشیں پانوں بھی اُتنے ہی پھیلاتے ہیں ہم
غمکدہ ہے شورؔ اس دنیا کا نام اسمیں کیا غم کے سوا پاتے ہیں ہم
ادھر ہے کعبہ اُدھر ہے مندر یہاں ہی تقوی وہاں ہی رندی
کبھی یہ کھینچے کبھی وہ کھینچے عجب طرح کے عذاب میں ہوں
گل تو کیا ہی کہتے ہیں ہوا کے جھونکے چٹکیوں میں ابھی غنچوں کو اُڑا سکتے ہیں

اس حُسن کی بہار پہ دل کو فدا کروں غنچے کی طرح دیکھ کے ہر دم کھلا کروں

اک دم کی زندگی پہ ہوں کیا شاد ہم یہاں
مثلِ حباب ہاتھ میں ہر دم فنا کے ہیں

صدقے تمہارے حسن کے قربان ناز کے
تم سا کوئی جہاں میں طرحدار ہی نہیں
ملنے سے اُسکے ایسی شفا ہو گئی مجھے
گویا کبھی ہوا تھا میں بیمار ہی نہیں
روئے فرشتے نامۂ اعمال دیکھ کر
مجھ سا تو ہوگا کوئی گنہگار ہی نہیں

ناخنِ تدبیر سے عقدہ کھُلا اُسکا نہ جب
پنجۂ قدرت کے آگے رکھ دیا تقدیر کو

اک نظر دیکھ مجھے اسمیں ترا نام بھی ہو
عین ہو لطف ترا اور مرا کام بھی ہو

مستِ شرابِ عشق نہیں آتا ہوش میں
غافل کبھی نہ جانیے اس ہوشیار کو

پہلے تو خاک ہوے پھر اُڑے ہم باد کے ساتھ
تھی لکھیں روزِ ازل سے یہی تقدیریں دو
ہزار شکر کہ مجھ پر خدا کو رحم آیا
دگرنہ عصیاں تھے میرے شمار ہونے کو
ہم کو کافی ہی فقط اُسکی عنایت کی نظر
آنکھ بدلے ہی زمانہ تو بدل جانے دو

دوئی جاتی رہے گی انقلابِ دہر سے جس دم
تو اک ہو جائیں گے دیر و حرم آہستہ آہستہ
عجب کیا ہی اڑا دے سوے وحدت یہ اگر ہمکو
کہ رم ہوتے ہیں اب ہم پی کے رم آہستہ آہستہ

بیجا ہے شورِ دولتِ دنیا کی جستجو
دام و درم نہ جائے گا کچھ اپنے دم کے ساتھ

کیونکر نہ فخر مجھ کو ہزاروں میں ہو نصیب — رکھتے ہیں جبکہ سر پہ مرے چار یار ہاتھ

تنگی سے ایسا وقت گذرتا ہے آج کل — آتا نہیں ہے اب تو کہیں سے اُدھار ہاتھ

حاجت نہ پاے بوس کسی کی پڑے گی پھر — رکھے گا سر پہ میرے جو پروردگار ہاتھ

نامِ خدا یہ اپنا توکل ہے رات دن — جوڑیں کسی کے آگے نہ ہم بار بار ہاتھ

دولت سے دو جہان کی کردیوے تو غنی — دینے کے اے کریم ترے ہیں ہزار ہاتھ

چلیں گے کیونکر اُٹھا کے سر پر ٹلے گا دل سے یہ بار کیونکر

کہ ہے گناہوں کا بوجھ بھاری الٰہی توبہ الٰہی توبہ

ہوے تھے پی کر ہم ایسے غافل کہ خوفِ عقبیٰ رہا نہ اے دل

کیا تھا کیوں شغلِ بادہ خواری الٰہی توبہ الٰہی توبہ

خدا سمجھے کہیں اس بیکسی اور ناتوانی کو — کہ ساتھ اب کارواں کا ہائے چھوٹا جائے ہے ہم سے

کِھلا نہ روز نئے گُل تو آبلہ پائی ہا — دکھا نہ روز شگوفے تو نوکِ خار مجھے

خدا نے اپنے جلوے کو دکھایا جسمِ نوری میں — ہوے کون و مکاں روشن کھلی قسمت کہاں میری

آج خدمت میں تمھارے جانِ زار آنے کو تھی — لے گئی موت اُسکو یہ اُمیدوار آنے کو تھی

کیسے غنچے کیسے گل کیسی صبا اے عندلیب — وہ چمن ہی مٹ گیا جس پر بہار آنے کو تھی

ہم نے بھی اس توقع پہ تو اپنی جان دی — وعدہ ہے روزِ حشر کا دیدار کے لیے

کیوں خاک میں ملنے کو عدم سے یہاں آئے — پہلے سے ہمیں ہائے کسی نے نہ خبر کی

جب سے دل جانبِ عقبیٰ یہ ہوا ہی راغب　　پھر کسی چیز پہ دنیا کی نہ رغبت آئی

بادِ صبا کے ہاتھ سے ہوں اسقدر نہال　　سر سبز ہو رہا ہوں نہالوں کے سامنے
ایسی ہوا زمانے کی بگڑی کہ آج کل　　قدرِ شریف کم ہی رذالوں کے سامنے

جلوۂ ہوش رُبا جب سے ترا دیکھا ہے　　اپنے بیگانہ کی واللہ خبر کس کو ہے

رونے پہ مرے ہنس کے نمکپاشی اُس نے کی　　تجھ کو مزے یہ مُفت کے لختِ جگر سے ملے

بادِ خزاں کے چلتے ہی غنچہ رہا نہ گُل　　گردش نے اس فلک کے یہ کیا گُل کھلا دیے
دیکھ کر آج بتوں کا جلوہ　　اک خدائی بخدا لوٹ گئی
پانی پانی ہوا جاتا ہے اسی فکر میں دل　　اپنے اعمال کی اک دن جو سزا پانی ہی

مہرِ خاموشی لگی بزم میں آتے ہی ترے　　تابِ تقریر کسی کو سرِ محفل نہ رہی

بہتر نہ اس سے تھی کوئی دلبستگی کی جا　　تجویز دل ہوا ترے مسکن کے واسطے
کافی ہیں دل لگی کو ہمیں یہ بُتانِ ہند　　لندن کو جائیں گے نہ فرنگن کے واسطے

پرسشِ جور نہ ہو حشر میں تیری مجھ سے　　کہ خدا جانے وہاں مُنھ سے مرے کیا نکلے

زمیں میں سونپ کر آیا خبر لینے نہ پھر کوئی　　صدا آتی ہی یہ اکثر مجھے گورِ غریباں سے

جو مقبول اپنی دعا ہوگئی — تو ہر دردِ دل کی دوا ہوگئی
توقع نہ تھی مجھ کو یہ روح سے — کہ وہ دم کے دم میں ہوا ہوگئی
لگایا جو مُنھ زاہدوں نے اسے — تو بنت العنب پارسا ہوگئی
غصے میں اُن کا رنگ نکھرتا ہے اور بھی — ہم سے بگڑ بگڑ کے وہ کیا کیا سنور گئے
دُرِ اشک میرے یہ ہیں منتخب — کہ خاک آبروئے گہر ہوگئی
دکھایا زمانے نے کیا انقلاب — کہ معدوم قدرِ ہنر ہوگئی
جب تلک ہوش ہے انساں کو کرے یادِ خدا — پھر دمِ نزع یہ اوسان رہے یا نہ رہے

غرض نہ دیں سے مجھے کچھ نہ کام دنیا سے — فقط ہے تیری عنایت کی آرزو باقی

عجب دکھایا زمانے نے انقلاب ہمیں — کہ جو جو اپنے تھے وہ آجکل پرائے ہوئے

نیستی سے اوج ہے اس ہستیٔ موہوم کو — زندگی پیدا خدا نے کی قضا کے واسطے

چمن کا رنگ بگڑا دیکھ کر کہتا ہوں بلبل سے — نہ امیدِ وفا رکھنا کبھی تو بھول کر گُل سے
بتوں کی سرد مہری کا ہوا معلوم یہ باعث — کہ آب و گِل ہے انکی خطۂ کشمیر و کابل سے

بھید سے تیرے خدا وندا نہیں واقف ہوے — بارہا عالم بنے بہتر بنے بدتر بنے
صانع قدرت ہی گیا شرط تھی انصاف کی — دل مرا شیشہ بنے اُس بُت کا دل پتھر بنے
جبکہ لچکے پھول کی بدھی سے وہ نازک کمر — پھر کہو اُن کے لیے کس چیز کا زیور بنے

انتخاب دیوان چہارم

وائے نادانی ہوا یہ دمِ آخر ظاہر ہائے تنہا ہی چلے کوئی نہیں تھا اپنا

جب گھر میں یار ہی تو پھراتا ہی کیوں مجھے حیراں ہوں میں کہ اس دلِ ناداں کو کیا ہوا

نہ پوچھو وحشتِ دل کی حقیقت مختصر یہ ہے کہ سناٹے میں گردش تھی تحیر میں بیاباں تھا

اسی خیال میں دن رات میں تڑپتا ہوں تمھیں قرار بھی دوگے جو بے قرار کیا

اے شیخ نہ مستِ مے پندار دوئی ہو کعبہ ہے اگر اُسکا تو بُت خانہ ہی کس کا
دل بادۂ توحید سے لبریز ہے اپنا اے زاہدِ کج فہم یہ پیمانہ ہی کس کا

ہمارے اشکوں کی قیمت کو کب پہونچتا ہے جگر چھدا کرے غم سے ہزار موتی کا

صد شکر کشاکش سے چمن کی کیا آزاد ممنون نہ کیونکر ہوں میں بے بال و پری کا

عشرت کدۂ دہر سے محشر ہمیں بہتر پردہ تو وہاں زیبِ رُخِ یار نہ ہوگا

حیرت میں بھی ہے آئنہ گر غور کیجیے اُسکا نشاں ہی اسمیں کہ جسکا نشاں نہ تھا
حضرتِ دل نہ کسی پر مریے مرتے مرتے یونہیں مرجائیے گا
اب تک مجھے معلوم نہیں اپنی حقیقت ہوں کون کہاں آیا ہوں ہی قصد کہاں کا

دنیا میں بجز گور کے کیا خاک بناتے　　کچھ نام کی خواہش تھی نہ ارماں تھا نشاں کا

حصارِ رُوس ہے گر کوہ فرسا　　نہیں پر قلعۂ کابل سے اونچا

ہم نہ کہتے تھے کہ تم تابِ لاؤ گے کبھی　　اب کہو طور کا جلوا تھا یہ موسے کیسا

قضا کہتی ہے روز بالیں پہ آکر　　ٹلے گا نہ روزِ معین کسی کا

پیری نے آکے لطفِ جوانی مٹا دیا　　اپنا بھی اس سے پہلے کچھ اچھا زمانہ تھا

طبیعت میں صفائی گر نہیں تو خود نمائی کیا　　کوئی آئینہ سازی سے سکندر ہو نہیں سکتا

کیسی تقسیم کی قسامِ ازل نے ہے ہے　　کہ بیاباں ہے مرا اور گلستاں اُن کا

پہن کر کوٹ اور پتلون اب جلسوں میں بیٹھے ہیں　　مٹایا نام جنٹلمین بن کر کیا دوشالوں کا

دیکھ کر اُس صنم کو میں بُت ہوں　　خاک سے بن گیا ہوں پتھر کا

دشمنی دوستوں نے کی مجھ سے　　شور لکھا تھا یہ مقدر کا

کیا کیا تھی آرزو ثمرِ نخلِ عشق کی　　یہ پھل ملا کہ دل بھی پھپھولوں سے پھل گیا

تمام عضو ہیں بیکار ضعفِ پیری میں　　رہے جو ایک دو باقی وہ کس حساب میں دانت

یہ بختِ دل ہے کسی سبز بخت کا ظالم　　عقیق کا ہے جو تکمہ سرِ گریباں سُرخ

یہ گھٹنے بڑھنے کا جب نقص پڑ گیا اسمیں　　تو مہ جبینوں سے پھر کر گیا کنارہ چاند

ہے یقیں مجھ کو یہ تاثیرِ سیہ بختی سے　　سر سے پا تک نہ مرے بال ہوں نہار سفید

ہجر میں دیکھ چکے اُسکی بھی تاثیر کو ہم　　اپنے مشرب میں جو ممنوع تھا گنڈا تعویذ

پختگی گر نہ ہو الفت میں تو کچھ لطف نہیں　　کبھی دیکھا نہیں ہم نے ثمرِ خام لذیذ

مرنا درِ شیریں پہ تھا لازم تجھے ناداں　　پتھر پڑیں فرہاد تری کوہکنی پر

تو وہ یوسف ہے کہ اندھوں کو بصارت دیدے　　داغ دیکھیں گے تجھے دیدۂ بینا ہو کر

مر کر ہمیں اس گریۂ طفلی کا کھلا حال　　انجام کی آواز تھی آغاز کی آواز

جب آنکھ بند کی وہ تصور میں آ گئے　　کیا کیا ہی مجھ کو خانۂ وابستہ در سے فیض

شاگرد تیرے شور جہاں میں ہیں جا بجا　　جاری سخن کا خوب ہوا تیرے گھر سے فیض

دل سا عزیز رکھ نہ سکے جبکہ پاس ہم　　پھر اُن کے آگے کیا کریں اس جاں کی احتیاط

گلشنِ گیتی میں ہم بھی رنگ دکھلاتے ہزار　　مثلِ گل کے کاش ہوتے ہم کبھی جو زر بکف

اہلِ صفا کا عرش سے رتبہ بلند ہے　　آتا ہے زیرِ آب نظر آسمان صاف

رسائی کیونکہ ہو نظارہ گاہِ یار پہ اپنی　　کہ جا سکتی نہیں پیکِ تصور کی نظر واں تک

کیا پوچھتے ہو سکھ میں تو اپنا ہر ایک ہے — پر دکھ میں ہم نے پائے بہت لوگ کم شریک
خبر عمرِ رواں کی کچھ نہ پائی — رہا برسوں ہی اسکو ڈھونڈھتا دل
چمن کی بے ثباتی جبکہ دیکھی — بشکلِ غنچہ سربستہ رہا دل
جسے کہتے ہیں شیطاں وہی ہے — برائی کا ہے بیشک سرغنا دل
کسی سے چھیڑ کسی سے ہنسی کسی سے مذاق — بڑھاپا بھی ہے ہمارا شباب میں داخل

* * *

خدا کے نور کا ہوتا نہ اس میں گر پرتوؔ — تو بت کے سامنے سجدہ کیا نہ کرتے ہم

* * *

بس ناصحا دماغ پریشاں نہ کر مرا — آفت میں ہوں تو میں ہوں کچھ آفت میں تو نہیں

* * *

کیا کوئی فرشتہ ہوں کہ بے رزق ہوں اے چرخ — شاید ترے نزدیک میں انسان نہیں ہوں

* * *

پیش جاتی نہیں ان آنکھوں کے آگے شوخی — یہ وہ آہو ہیں کہ دنیا کو چرے بیٹھے ہیں
شادی و غم ہیں دم کے ساتھ رہیں گے تا ممات
مرنے سے پہلے پھر بشر ان سے فراغ پائے کیوں
بے ہنر کرسی نشینی سے نہ ہوگا باہنر — شیرِ قالیں صورتِ شیرِ ببر ہوتا نہیں
شبِ فرقت قیامت سے نہ تھی کم — گھٹا کی روح اور آہیں بڑھا کیں
یکساں مآلِ کار ہے شاہ و گدا کا یاں — محتاج بادشاہ بھی دو گز کفن کے ہیں.
خاک اڑائیں گے یار کے در پر — کیوں رہیں مثلِ قیس جنگل میں
دیکھی میری تڑپ جو مقتل میں — چھپ گئی برق جا کے بادل میں
آئے تھے ہم یہ سوچ کے سکھ پائینگے یہاں — دنیا تھی پوٹ دکھ کی وہ ہم سے اٹھی نہیں

غیر کی آنکھوں میں چبھتی ہیں شعاعیں مہر کی
ہیں وہ شاید میری آہِ چرخ رس کی تیلیاں

گرچہ ہیں خاموش پر ہے لَو لگی اُسکی طرف
بُت بھی ہیں مصروف بُت بنکر خدا کی یاد میں

نہ نکلا کچھ بُتوں سے کام اپنا
بس اب میرا خدا ہے اور میں ہوں

خدا جانے کہ کیا ہو جائیں ہم کیا مرتبہ پائیں
ترا اے بُت ہے جتنا ڈر اگر اتنا خدا کا ہو

چلے ہیں بارِ عصیاں سر پہ لے کر
ہماری بار برداری تو دیکھو

کون سر پر ہاتھ اُنکے رکھ سکے گا حشر میں
ان گنہگاروں پہ کچھ تیری ہی رحمت ہو تو ہو

رشک ہے کیا دُرِ نایاب ہو پانی پانی
گر پڑے چشم سے گر ایک زمیں پر آنسو

دل سا عزیز پہلے ہوا نذرِ ناز کی
اب جان لڑ رہی ہو مری اُس نظر کے ساتھ

ہماری آنکھ کے آنسو زمیں پر گر کے کہتے ہیں
بلندی ہو جسے حاصل اُسے اکثر ذلت ہے

عقل و حواس و ہوش تو کھو ہی چکا تھا میں
باقی رہی تھی جان سو وہ بھی نثار کی

نمک ایسا نہ حسن ایسا زباں ایسی نہ آنکھ ایسی
غنیمت اور اقلیموں سے ہی ہندوستاں پھر بھی

دیا بتوں کو جو دل آخر آدمی ہی تو تھے
فرشتے ہوتے تو کاہے کو ہم خطا کرتے

گل سا چہرہ کبھی تو دکھلاؤ
جو ذرا دل کی سب بے کلی نکلے

مدعا کھل گیا یہ مجھ پر آج
تم مری جاں کے مدعی نکلے

بیشک نہیں نکلتے ہو پردے سے تم مگر حسرت بھی میرے دل کی بڑی پردہ دار ہے

میں جانتا تھا جو رہ میرے ہی ساتھ ہیں غیروں کا حال دیکھ کے صبر آگیا مجھے

اے شب تار نکل بھی کہیں کالا مُنھ کر اب تو ہونے لگا سایہ بھی گریزاں ہم سے

سچ اگر پوچھو تو ہے جینا ہی دشوار اسے ورنہ مشکل ترے بیمار کو مرنا کیا ہے

ہماری عقدہ کشائی فقط دعا پر ہے بتوں کے بندے ہیں لیکن نظر خدا پر ہے

ڈال کر سوڈا برانڈی میں یہ ساقی نے کہا دیکھ لو جس نے نہ دیکھا ہو سنہرا پانی

ہائے نیکی کیوں نہ کی ہم نے کہ ہوتے سرخرو اس بدی سے روزِ محشر سخت سوائی ہوئی

نذر کو تیری فقط دم ہی لگا رکھا ہے اور کیا پاس مرے اسکے سوا رکھا ہے

انتخاب دیوان پنجم

مرے ساتھ سُلوک قضا نے کیے مجھے زیست کی فکر و الم نہ رہے

مرے بار گناہوں کے ہلکے ہوے کوئی رنج و عذاب فنا نہ رہا

داغ دل پر میرے اعمالوں کے لاکھوں ہیں گواہ اسلیئے میں اپنا محضر آپ لکھ کر لے چلا

رُکے ہے آمد و شد میں نفس نہیں چلتا
یہی ہے حکمِ الٰہی تو بس نہیں چلتا

ہوا کے گھوڑے پہ رہتا ہی وہ سوار مدام
کسی کا اُسکے برابر فرس نہیں چلتا

گذشتہ سال جو دیکھا وہ اب کی سال نہیں
زمانہ ایک سا بس ہر برس نہیں چلتا

نہیں ہی ٹوٹے کی بوٹی جہان میں پیدا
شکستہ جب ہوا تارِ نفس نہیں چلتا

ہر ایک بات پہ بن بن کے وہ بگڑتے ہیں
کسی کا اُن کی طبیعت پہ بس نہیں چلتا

رکھا ہے وقت ہر اک کام کا خدا نے بھی
ہزار فکر کرو پیش و پس نہیں چلتا

خدا نے راہ بنائی ہے صبر کی مضبوط
پر اُس پہ شور کبھی بوالہوس نہیں چلتا

میں اپنی سزا پانے کو سو فخر سمجھتا
گر میری طرف ایک بھی الزام نکلتا

اے طفلِ اشک کوچہ میں اُسکے نہ تو مچل
آخر کو پھر کسی سے اُٹھایا نہ جائے گا

دامن سے داغ خون کا دُھویا تو کیا ہوا
پر دل سے اُسکا نقش مٹایا نہ جائے گا

تمھارے عشق میں کیا کیا نہ اختیار کیا
کبھی فلک کا کبھی غیر کا وقار کیا

اسی خیال میں دن رات میں تڑپتا ہوں
تمھیں قرار بھی دو گے جو بیقرار کیا

پر یک خیال بھی ہے عجب کیا جہاں نُما
آیا نظر وہ پاس جو اپنے سے دور تھا

اُس ماہرو پہ آنکھ کسی کی نہ پڑ سکی
جلوہ تھا طور کا کہ سراسر وہ نور تھا

دیتے نہ دل جو تم کو تو کیوں بنتی جان پر
کچھ آپ کی خطا نہ تھی اپنا قصور تھا

ذرّہ کی طرح خاک میں پامال ہو گئے
وہ جن کا آسمان پہ سرِ پُر غرور تھا

بل بے اے جوشِ شہادت خون تھمتا ہی نہیں
ہو گئے قاتل کے دونوں ہاتھ اور شمشیر سُرخ

کہتے ہیں جس کو شفق یہ سب خیالی بات ہے ہے کسی کے خونِ ناحق سے یہ چرخِ پیر سُرخ

مشبک گر جگر اور دل ہوئے ہیں تیرِ مژگاں سے رہیں دَر پر پرِ پرِ زادوں کے یارب جالیاں ہو کر

روح تھی صاف بگولے میں کسی وحشی کی کھاتے ہیں اُڑ کے پہاڑوں سے جو چکّر پتھر

کھُل گئی آج شرارت بُتِ بے رحم کی شور یہ جو پھکوائے ہیں اس نے مرے گھر پر پتھر

ٹھکانے لگی آج مٹّی مری کھڑے وہ رہے گور پر دیر تک

ٹھہرا ہے روزِ حشر کو گو وعدۂ وصال پر انتظار موت کی حالت سے کم نہیں

نہ اپنے حال کا غم اور نہ کچھ مآل کی فکر پھنسے ہیں اہلِ جہاں کس بلا کے پھندوں میں

نصیب بام تمنا پہ ہو رسائی کیا نہ ہم میں تاب و تواں اور نہ ہم پرندوں میں

تمہارے شور سے ہوں شور کیوں حسود نہ داغ کہ فن شعر کے ہو تم بھی سربلندوں میں

خدا کی شان آتی ہے نظر یا طور کا جلوہ وہ جس دم روپ بھرتے ہیں سنورتے ہیں نکھرتے ہیں

ہوں محو ایسا دیدہ مِگوں کے عشق میں پیمانہ دیکھتا ہوں میں ہر روز خواب میں

مجھ کو وہ قتل کر کے لگے خوں کو سونگھنے اس شبہہ سے کہ اس میں تمنا کی بو نہ ہو

ترچھی نظروں سے جو دیکھا تھا عدو کو میں نے وہ خفا ہو کے مجھے آنکھ دکھانے آئے

جورِ صیاد سے اور شوقِ رہائی سے بچے لطف کچھ قید ہی میں بے پر و بال اچھا ہے

جیتے فراق میں جو رہے بھی تو کیا ہوا سُن لینا ایک روز کہ بے آئی مر گئے
پس ماندوں کو سپرد خدا کے کیا ہے شور اپنا نباہ جیسے ہوا ہم تو کر گئے
ایک سُنتے نہیں کسی کی وہ شکوہ پھر بار بار کون کرے
ہم خاک ہوے خاک بھی برباد ہوئی ہائے اور پھر بھی ترے دل سے کدورت نہیں جاتی

عمر بھر گردش میں گذری پر نہ پایا کچھ سُراغ منزلِ مقصود اپنی ہائے قسمت دُور ہے
لو ذرا برقع اُٹھا دیجے دکھا دیجے جمال آپ کی چشمک تجلی میرا سینہ طور ہے
گذاریں گے ہر حال میں عُمر ہم گذرتے گذرتے گذر جائے گی
نہ نکلے گا گر کام تم سے کوئی قضا تو مرا کام کر جائے گی
میں وہ پروردۂ غم ہوں کہ ازل سے مجھ کو نہ ملی تھوڑی سی فرصت کبھی غم کھانے سے
جام ہستی کا اب اپنا ہوا شاید لبریز آج خالی جو پھرے آتے ہیں میخانے سے

کیا کہوں کس سے کہوں اک سخت حیرانی میں ہوں دل میں لاکھوں ولولے ہیں پر زباں معذور ہے

(دیوان ششم)

وہ بھی غوغا سُن کے آئے دیکھنے کو بام پر تھا دلِ مضطر کا نقشہ نقش اک تصویر کا
دیکھ کر اُس کو خموشی سب کے مُنھ پر چھا گئی ہے غضب حیرت فزا عالم تری تصویر کا

تھی گل و شبنم کی صحبت وقتِ رخصت صبحدم
ہنس کے جانا اُسکا میرا چشمِ تر سے دیکھنا

انصاف فی زمانہ تو عنقا صفت ہوا
نکلی عدالتوں میں وہ رد و بدل کی شاخ

باغِ معاش کیوں نہ ہو خشک اب جہان میں
نخلِ ملازمت میں لگی ہو مڈل کی شاخ

نہ ملا کچھ نشانِ عُمرِ رواں
مٹ گئی اپنی عمر بھر کی تلاش

یہ خدا سے جدا بھی کرتا ہے
ہو زیادہ نہ سیم و زر کی تلاش

غمِ دنیا ہے اور فکرِ نجات
ان سے بڑھ کر ہے کیا جہنم میں

حُسن پر تم کو عشق پر ہمیں ناز
فرق پھر کیا ہے تم میں اور ہم میں

دردِ دل کس سے کہوں داد میں کس سے چاہوں
میری سنتے بھی نہیں شکل دکھاتے بھی نہیں

جب خدا ہی نہ اسکے دل میں ہو
چاہ کر بُت کو کیا کرے کوئی

دوستی میں جو دشمنی کر جائیں
اُن سے پھر کیوں ملا کرے کوئی

دیکھا بغور کوئی نہیں اپنے میل کا
جز خاک کون اپنے میں ہم کو ملا سکے

اثر سوزِ جگر کا قیس کے ہے غور سے دیکھو
کہ اب تک پھرتے ہیں ہر ایک صحرا میں ہرن کالے

ستارے شرم سے ٹوٹے زمیں پر
جبیں سے تیری جب افشاں جھڑی ہو

(نظم معرفت)

عدم سے ہستی میں جب ہم آئے نہ کوئی ہمدرد ساتھ لائے
جو اپنے تھے وہ ہوئے پرائے اب آسرا ہے تو بیکسی کا

جہاں میں رکھا ہے کارخانہ نہ کوئی اپنا نہ ہے یگانہ
تلاشِ دولت میں ہے زمانہ خدا ہی حافظ ہے مفلسی کا

دل میں اپنے آرزو سب کچھ ہی اور پھر کچھ نہیں
دو جہاں کی جستجو سب کچھ ہی اور پھر کچھ نہیں

ہے تلاشِ دو جہاں لیکن خبر اپنی کسے
جیتے جی تک جستجو سب کچھ ہی اور پھر کچھ نہیں

اک خیال و خواب ہے اے شورؔ یہ بزمِ جہاں
یار اور جام و سبو سب کچھ ہی اور پھر کچھ نہیں

اے جان، کام اس نے ہمارا کیا جو ہائے
یہ کام آجتک نہ کسی سے ہوا کہیں

اے شورؔ تو نہ چھوڑنا دامن مسیح کا
ایسا نہیں ہوا ہی کوئی رہنما کہیں

بنا سب دن سے نورانی بڑا دن
کہ رشکِ ماہ و خورشید تک ہوا دن

مسیحا نے قدم دنیا میں رکھا
بزرگی سب نے پائی سر چڑھا دن

دلا رہے گی نہ یہ جان اور نہ تو باقی
جہاں میں نام رہیگا فقط نکو باقی

غرض نہ دین سے مجھ کو نہ کام دنیا سے
فقط ہی تیری عنایت کی آرزو باقی

کدھر وہ بزم گئی شورؔ اور اہلِ سخن
کہ ہی نہ میرؔ نہ سوداؔ نہ آبرو باقی

کوئی چیز ہوتی جو پُراثر تو ہر ایک رکھتا عزیز تر
نہ کسی کے کام کے نکلے ہم نہ کسی مرض کی دوا ہوئے

تخمیس غزل ظفرؔ

کچھ نہ کی تیری بندگی ہم نے
عمر ضائع کی مفت ہی ہم نے

جب عبادت میں کی کمی ہم نے
خاک دنیا کی سیر کی ہم نے

یہ تو اک یونہیں خواب سا دیکھا

تخمیس غزل سفیرؔ

تری فرقت میں جیتے ہیں ہمیں شرمندگی یہ ہے
بُلالے پاس اپنے اب تمنائے دلی یہ ہے

چلیں دنیا کے دوں سے سب کی نظروں میں بری ہے
محبت میں تری ہم مر مٹیں بس زندگی یہ ہے

کسے کہتے ہیں مرنا موت کیا ہے اور قضا کیسی

لگتا نہیں ہے دل جو یہاں پر کسی طرح
نقشہ بگڑ گیا ہے کچھ اس کائنات کا

سبب اس آمد و شد کا ہوا معلوم یہ ہم کو
مسافر خانہ ہے دنیا پھر اسمیں ہے وطن کس کا

جو آیا عالمِ فانی میں جائیگا وہ پھر اک دن
خوشی کس کی کریں ہم اور یہاں رنج و محن کس کا

ہر انساں کو دنیا میں کیا چاہیئے
شب و روز یادِ خدا چاہیئے

میسر ہو گر خاک پائے مسیح
نہیں ہم کو پھر کیمیا چاہیئے

خدا کا کرم اور مسیحا کا فیض
نہ کچھ دولت اس سے سوا چاہیئے

چلو شورؔ اب تم بھی اپنے وطن
نہ پردیس میں اب رہا چاہیئے

سیرِ گل کو چمنِ دہر سے آ نکلے تھے
یہ نہ سمجھے ہیں گل سینے پہ کھانا ہوگا

رباعیات

گرجا میں گئے تو پارسائی دیکھی
اور دیر میں جا کے خود نمائی دیکھی

جب چھوڑا خودی کو غور کرکے اے شورؔ
دیکھا تو ہر اک سمت خدائی دیکھی

کعبہ میں تو صدق اور صفا کو پایا
بُت خانہ میں ناز اور ادا کو پایا

حاصل نہ ہوا کہیں سے دل کا مقصد
جب خود ہی میں ڈھونڈھا تو خدا کو پایا

کچھ تیر اثر نہ اے جوانی پایا
سرما زدہ باغ زندگانی پایا

جی خاک لگے شورؔ کہ اس گلشن میں
جو پھول کھلا اسی کو فانی پایا

ہر شخص دیکھتا ہے ہمیشہ مآل کو ۔ اسواسطے میں دیکھ رہا ہوں ہلال کو

کچھ کام نہیں گبر و مسلماں سے ہمیں ۔ ہے کفر سے کچھ بحث نہ ایماں سے ہمیں
رہنے کے لیے دیر و حرم ہیں یکساں ۔ اک روز سفر کرنا ہی پھر یاں سے ہمیں

جبتک ہے شباب سازگارِ دولت ۔ ہر قصر میں سو نقش و نگارِ دولت
پیری آئی تو شورؔ صاحب پھر کیا ۔ سب خاک میں مل گئی بہارِ دولت

دولت نے معاودت جو کی تو کیا کی ۔ طالع نے مساعدت جو کی تو کیا کی
پیری میں نہیں فائدہ کچھ بھی اے شورؔ ۔ دنیا نے موافقت جو کی تو کیا کی

پیری میں خاک زندگانی کا مزہ ۔ دانے کا ہی لطف اور نہ پانی کا مزہ
وہ میکشی و ذوق کہاں ہے اے شورؔ ۔ تا مرگ نہ بھولیں گے جوانی کا مزہ

کیا وصف لکھوں لفِ سیہ کی لٹ کا ۔ ہر پیچ میں اک دل کو لیا ہے لٹکا
اے شانہ زہے قسمتِ عالی تیری ۔ کیا خوب ترے ہاتھ لگا ہے لٹکا

مثنوی شورؔ

(غدر ۱۸۵۷ء ۔ دہلی)

بیاں ایسے فتنے کا کیونکر کروں ۔ جگر تھاموں یا چشم کو تر کروں
یہاں تک کہ انگریز مارے گئے ۔ حکومت کے جھنڈے اُتارے گئے

سُنی یہ خبر ہوش پراں ہوئے — قیامت کے آثار و ساماں ہوئے
پھری فوج اور پھر رعیت پھری — شہِ وقت کی دم میں قسمت پھری
کیا قلعہ اور شاہ کو پھر خراب — ہوا نام گم تخت کا بے حساب
ہوا حالِ دہلی نہایت تباہ — لڑائی رہی رات دن پانچ ماہ
گھُسے گورے کشمیری دروازہ سے — کیا حملہ سب نے اک اندازہ سے
ہوا حکم پھر فوج کو لوٹ کا — تو خوب اُس نے دہلی کو غارت کیا
کرو شکرِ حاکم کہ دل شاد ہے — نئے سر سے دہلی پھر آباد ہے

(جے پور)

گئے سیر کو ہم جو جے پور کی — اُسے دیکھ کر دل کو فرحت ہوئی
وہ جلوہ ہے پیدا پرستان کا — کہ دل شاد ہو جن و انسان کا
وہ بُت خانہ جیں بنا ہر مکاں — جو دیکھے وہ بنجائے بُت بیگماں
جو بازار ہے وہ ہی چوسر کا ہے — وہاں لطف یہ اک نیا دیکھا ہے
جو دیکھے وہ دل ہار دے برملا — ہر انساں کے چھکّے چھُٹیں ایسی جا
وہ مینار بازار میں ہے بنا — کہ گردوں کو ہو رشک اُس پہ سدا
ہوا محل ہے ایسا محراب دار — بنا بر محل ہے وہ سب حلقہ دار
اور اُس کی ہوا ایسی فضا اور ہوا — دلِ مُردہ ہو دیکھ تازہ سدا
وہ دروازے ہیں شہر کے ہر طرف — کہ جنت کے دروازوں پر ہی شرف
بلند اور چوڑے ہیں وہ دلکشا — کہ تنگی نہیں نام کو بھی ذرا

(گوالیار)

ہے اک راج یہ بھی عجب پُر بہار
کسی وقت میں ہند قبضہ میں تھا — یہی راج مالک تھا اُس ملک کا

وے پلٹا جب چرخِ نیلی نے رنگ | نظر آیا پھر وقت کا اور ڈھنگ
رعایا بھی سب انکی خوشحال ہے | بڑا بندوبست اور اقبال ہے
بنائی ہے کوٹھی وہ جنت نشاں

(پھول باغ)

ہے مشہور نام اُسکا جو پھول باغ | تو بے دیکھے اُسکے مُعطر دماغ
مکاں اسمیں وہ وہ ہیں رشکِ ارم | بہشتی بہشتوں میں پائیں گے کم
وہ کوٹھی میں ہے جلوہ رشکِ طور | مہ و خور بھی ہو منفعل بالضرور
چھتوں میں طلائی وہ نقش و نگار | کہ مانی و بہزاد اُن پر نثار

(موتی محل)

بنا اور موتی کا ہے اک مکاں | فرشتوں کی صناعی اُس میں عیاں
رکھا یوں ہے موتی محل اسکا نام | وہ موتی کہ دُردُر کرے صبح و شام
صفائی جو اُسکی سی موتی نہ پائے | جگر رشک سے کیوں نہ اپنا چھدائے
سراپا چمکتا ہے وہ اس قدر | چھپاتے ہیں مُنھ اپنا شمس و قمر
نظر کس کی لاؤں جو ڈالوں نظر | نظر میں ہے وہ صفا سر بسر

(بازار)

کروں حال بازار کا بھی رقم | کہ جولانیوں پر ہے میرا قلم
ہیں بازار خوشرو بنے سنگ کے | ہر اک رنگ کے اور ہر اک ڈھنگ کے
دوکانیں دورویہ ہیں سنگیں تمام | ہر اک جنس کا کرلو سودا مدام

(رنگریزی)

وہ رنگریز رنگت میں مشہور ہیں | اسی رنگ میں اہلِ مقدور ہیں
رنگا ہو جو ہر رنگ میں کچھ بشر | وہی قدرداں اُسکا ہے سربسر

وہ رنگین گہرا رنگا کرتے ہیں — کہ ہر رنگ سے دل لیا کرتے ہیں
اگر چرخ نیلی اُنھیں دیکھ پائے — تو ہو رنگ فق اور مُنھ کو چھپائے
وہ سوہا کہ سب رنگ سے ہے سوا — اُسے دیکھ سوہا بھی سر سبز ہوا
وہ ماشی کہ جس کو ہو تھوڑی معاش — اُسے جان و دل سے کرے وہ تلاش
وہ ہے سُرمئی جو کہ سُرمہ لگائیں — وہی قدر اس رنگ کی جان جائیں
وہ ہے سردئی خوشنما بالضرور — کہ ہے گرم رُویوں کو اُس سے سُرور
وہ لاکھے کہ لاکھ اُسکو دُھویا کرے — نہ رنگ جائے دُھوبی کو دھبّہ لگے
وہ خاکی کہ لے اُسکو ہر خاکسار — ملے خاکساروں میں اُسکو وقار
وہ فیروزئی ہے کہ گر دیکھ پائے — تو فیروزہ بھی رشک سے ہیرا کھائے
وہ ہے شربتی دل کو ٹھنڈا کرے — اثر اُسکا شربت سے بڑھ کر رہے
وہ کافوری دل جس سے مسرور ہو — جو گھر میں بلا ہو وہ کافور ہو
غرض رنگ سب نامی ہیں شہر میں — کہ ایسے نہیں ہیں کہیں دہر میں

(وقائع حیرت افزا)

جب سے ہی بت کی نظر ہم سے ذرا بگڑی ہوئی — خود بخود ساری خدائی ہی خدا بگڑی ہوئی
آجکل ہم سے ہی جو اُسکی رضا بگڑی ہوئی — ہم سے شاید ہی ہماری اب قضا بگڑی ہوئی
پہلے تو گل کو کھلاتی پھر بتاتی ہے ہوا — چھوڑدے خو اپنی یہ بادِ صبا بگڑی ہوئی
اب تو باہم بلبل اور گل کے چٹکنے جو لگی — آ گئی کچھ اس چمن میں پھر ہوا بگڑی ہوئی
ہو شفا کیونکر مریضِ عشق کو تیرے بھلا — رہتی ہے اُس سے دوا بھی اور دعا بگڑی ہوئی
آتے ہی فصلِ بہاری ہو گیا دل چاک چاک — تھی طبیعت اُسکی کچھ ہم سے سوا بگڑی ہوئی
مار کھاتے ہی لگے مُنھ مارنے با پیچ و تاب — ہیش صاحب تم سے تھی زلفِ دوتا بگڑی ہوئی

نہ تو کفر سے مجھے ہے غرض نہ ہی دینداری کی کچھ طلب
مرا حامی ایک مسیح ہے فقط اُسکے نام سے کام ہے
کبھی قتل کرتے وہ برملا کبھی زندہ کرتے وہ لب ہلا
یہ سب آپ ہی کا ہے شعبدہ میاں عشق تم کو سلام ہے
کبھی ذکرِ عیش جو چل پڑا تو ہزار شرم سے یہ کہا
ہمیں یاد اُسکی سے کیا غرض فقط اپنے کام سے کام ہے
کبھی وہ بھی دن تھے کہ اے صنم مری جان و دل پہ نہ تھا الم
یہ دکھایا چرخ نے کیا ستم نہ وہ چین ہے نہ آرام ہے
کہوں سحر اس کو تو ہے بجا کہا شاعروں نے بھی مرحبا
ہوا چرچا اُسکا ہے جا بجا نیا شور کا یہ کلام ہے

نمونۂ نثر

۵ مئی ۱۸۵۷ء۔ اُس روز حسب معمول مستمرہ کلکتہ دروازہ کی سمت بر لبِ دریائے جمن ایک میلا البیلا ایسا ہوتا تھا کہ جس کی خوبی بیان سے باہر ہے خاص و عام پر اسکا سماں از ارض تا سما ابتک ظاہر و باہر ہے۔ دوستوں نے ترغیب سیر اُسکی مجھ پریشان خاطر کو دلائی۔ دیکھتا ہوں کہ چاندنی چوک سے لگا کر تا بہ سلیم گڈھ لب جمن ہجوم مخلوقات سے سر پر تھالی پھرتی ہی اور نظر ناظرین جھوک کھاکر گرتی ہی۔ ہزار کشتی دھینگا دمشتی اُس سیر گاہ میں پہونچا جہاں قدرتِ خدا کی نظر آتی تھی بہشت بریں شرماتی تھی۔ دیکھا کہ ایک طرف شہزادہ و سلاطین و روسائے پُر تمکین صفِ اسپاں و فیلاں پر پوشاک مرصع و صورت مرقع سوار ہیں آگے اُنکے ماہی و مراتب و زریں عصا بردار ہیں۔ بازار دو رویہ ہر ایک اشیاے نفیس کا اس صفائی و قماش سے لگا ہوا ہی کہ نظر پھسلتی ہی طبیعت ہر ایک شے پر چلتی ہی۔ بزاز اک طرف دکان پارچہ کھولے ہوے ہر ایک کو واسطے خریداری کے پرچاتے ہیں

دوسری طرف حلوائی بیٹھے ہوے اپنی شیریں کلامی سے لبھاتے ہیں میٹھی بات کے سوا اور نہ بات سناتے ہیں۔ ایک سمت تنبولی اپنی بولی میں سرخروئی اپنی دوکان کی جتارہے ہیں اور چبا چبا کر باتیں بنا رہے ہیں کہتے ہیں کہ خریدارو آؤ کیا خوب پانوں کی ڈھولی ہے ابھی ابھی کھولی ہے جو کوئی ایک بیڑا کھائے گا اُس بیرا کا منھ جنم بھر کو لال ہو جائے گا۔ ایک رُخ مالن مالی بوضع نرالی ٹوکرے گلوں کے آگے رکھے ہوے کہہ رہے ہیں کہ بیلے کے پھول ہار پُربہار ہیں صاحب شوق والبیلے کیلئے تیار ہیں۔ جابجا بھشتیوں کے کٹوروں کی جھنکار ہے پانی آبدار ہے۔ جو کوئی کٹورہ چار کوڑی دے کر پی جاتا ہے آب زمزم کا مزہ اُسکو آتا ہے۔ آبکار نابکار ایک طرف اپنی لن ترانی سُنارہے ہیں اچھے بُرے کا مزہ چکھارہے ہیں کسی کو چلّو میں اُلو کر دیتا ہے کسی کو قدح اپنے قدح کی خیر میں بھر دیتا ہے۔ اپنی اپنی طرز و شان سے رتھ و بہلی و پالکی میں بیٹھے ہوے ماہ چہاردہ نظر آتے ہیں۔ بیک نگاہ کام ناظرین کا تمام کر جاتے ہیں۔ جسکو مہربانی سے دیکھا نہال ہو گیا۔ جس پر غضبناک ہوے پیٹ پکڑ کے پائمال ہو گیا۔ اس میلے جھمیلے سے جب آگے بڑھے تو دریائے جمن اپنی لہروں سے ہمکنار تھا۔ اور زور و شور اُسکا عجب پُربہار تھا۔ آگے آگے گوہر بے بہا صدف سے سیر دریا کے اشتیاق میں باہر نکلکر سطح آب پر بہا آتا ہے پیچھے اُسکے دریادلوں کا دل اُسکے بکف لانے میں حسرت سے ڈوب کر رہا جاتا ہے۔ الغرض بات اس بحرِ ذخار کی پانی شکل دیکھ کر وہاں سے موج طبیعت درکنار ہوئی۔ دید گلگرخاں پھر گلے کا ہار ہوئی۔ یہ سیر تماشہ تاغروب آفتاب ہمراہ احباب بخوبی دیکھ کر بقدر لطف اُٹھایا کہ بہشت بریں کو دل سے بھلایا۔

دیوان فرنگ (فارسی)

زدل گر پردہ بردارد محبت | شرار برق دیدار یست گویا

بے نوائے گل چو مرغ تصویرم | در چمن زار سبے نوائی ہا

دست کوتاہ و دامن تو بلند | وائے بر حالِ نارسائی ہا

جان و ہزار غم دل و صد گونہ آرزو — انیست در زمانۂ تو کار و بار ما
دیوانگی گل چمن شوق ماست شور — شد سنگ کودکاں ثمر شاخسار ما

مرد میدان حقیقت چہ کند کعبہ و دیر — یک جہت باش ازیں ہر دو خدا را دریاب
سر عشاق معدن سوداست — دل دیوانہ مخزن راز است
چشم مست یار را ہشیار کردن خوب نیست — فتنۂ خوابیدہ را بیدار کردن خوب نیست
خموشی ست کار شہید دو چشمت — بفریاد بیدادنا را چہ نسبت
رنگ ہستی نبود قابل نظارۂ ما — بوئے گل خواستن از غنچۂ تصویر عبث

راستی از گنبد گردوں چہ جوئے کز ازل — داشت معمار قضا بنیاد ایں دیوار کج
ایں دانہ کشد بدام آخر — زنہار مشو شکار تسبیح

وائے بر بے گناہیم ہیہات — کشت ما را پئے حسود آں شوخ
جاں بدہ شور بر در تاثیر — شکر درد مرا شنود آں شوخ

ہم تو بیدادی توانی کرد — ہم تو دل شادی توانی کرد
ہم تو خواہی اسیر کرد مرا — ہم تو آزادی توانی کرد
مشت خاک مرا بدم زدنی — ہم تو بربادی توانی کرد
دل شوریدہ حال شور ببیں — وحشت آبادی توانی کرد

از فتنۂ چشم پر خمارش — صد خانۂ دل خراب باشد

بے جرم و گناہِ قتلِ عاشق — در مذہب او ثواب باشد

لذتِ مرگ ہر کہ می داند — جستجوے رہِ فنا دارد

از نمکداں ہمی رسد لطفے — نامِ مرہم ز بزمِ بسمل دور

عشق و بدنامی بود خطِ جبیں — دوستاں باحُسنِ تدبیرم چہ کار

مژہ اش بر سرِ جنگ و نگہش تیغِ فرنگ — شورِ من باختہ ام صبر و قرارے کہ مپرس

تو گبر باش کہ ترسا و یا مسلماں باش — بہر طریق کہ باشی درست ایماں باش

ہزار پیرہن رنگ رنگ کن تیار — بہ نو بہارِ جنوں را تو میر ساماں باش

ترا کہ توشۂ اعمالِ نیک در کمر ست — بمرگِ خویش مکن گریہ شاد و خنداں باش

تو ایں قدر بہ گنہ مرتکب مشو اے شورؔ — ہر انچہ رفت ازاں باز آ پشیماں باش

جہانے را برقص آورد در رقصت — کسے کم دیدہ باشد ایں چنیں رقص

بہر سو شمع ہا از داغ روشن — بگیرم محفلِ شاہانہ دل

عجب سریست مستور اینکہ اسرارش نمی دانم — نمی دانم کہ از آثارِ ملکوتم کہ انسانم

نہ از بویم نہ از رنگم نہ از نامم نہ از سنگم — چہ گویم رازِ پنہانی کہ من آنم کہ من دانم

نہ من فرہاد و مجنونم نہ من خرم نہ محزونم — نہ از خود در دو بیرونم چہ میگویم چہ می خوانم

شدہ در شیشۂ دل جلوہ فرما آں پری پیکر — بکن اے زاہدِ خلوت نشیں سیرِ پری خانم

امیدوار بر سر راہے نشستہ ام | چوں سرمہ تا بدیدہ کشم خاکپائے تو
خوردی غم دو عالم و گفتی شدم نہ سیر | اے دل فزود عشق غضب اشتہائے تو
ننگ داری ز نام ما اکنوں | چشم بد دور میرزا شدہ
شود سالک ز بندِ غم رہا آہستہ آہستہ | رود از دست چوں رنگِ حنا آہستہ آہستہ
رنجہا دادہ و رنجیدی | چہ خطا باز گو ز من دیدی

رُباعی

ہر چند بدل صد ہوس خام گذشت | در چشم زدن شورمے و جام گذشت
زیں عمرِ دو روزہ کہ داد بداد افسوس | کامے نگرفتیم و بنا کام گذشت

ہاں از روش خلق جدا می گریم | گر دیدہ کسے چناں کہ ما می گریم
یک بہرِ پدر گر یدو یک بہر پسر | بر غفلتِ این و آں بسا می گریم

انتخاب کلامِ ولیم (ولیم جوزف بروٹ)

(جوہر فرنگ)

اُٹھے ساون کے بادل باندھ تو بھی تار اشکوں کا | یہی اے چشم تر موقع ہے تیرے آزمانے کا

دن رات تڑپتا ہوں میں اب ہجر میں اُسکے | افسوس کوئی بھی نہیں گیرندہ خبر کا
ہر فصل میں گرمی ہو کہ جاڑا ہو کہ برسات | ٹوٹا نہ کبھی تار مرے دیدۂ تر کا
جب جن و ملک یار تلک جا نہیں سکتے | کس طرح وہاں پر ہو گذر جنس بشر کا

نہیں بچتا کوئی تاکا ہوا اُس شوخ پُرفن کا
پھر اے دل نام تو نے لے لیا اُس جی کے دشمن کا

صدائے آہ سے ہر طرح کی آواز آتی ہے
دلِ بیتاب ہے عاشق کا یا باجہ ہے ارگن کا

رُخِ سادہ پہ اُسکے ہے چمک کیسی دمک کیسی
ہوا ثابت کہ چاندی پر ملمع ہے یہ کُندن کا

پرائے گھر کی خاطر مفت دونوں بحث کرتے ہیں
نہ کعبہ شیخ کا ہو اور نہ بُت خانہ برہمن کا

اس دلِ وحشی کی خاطر چشم تر ہے اشک ریز
ہنس کو خلعت ملا ہو موتیوں کے ہار کا

جنسِ عصیاں بیچتے ہوتی سبکدوشی نصیب
گرم ہنگامہ جو ہوتا حشر کے بازار کا

دیکھ کر پست و بلندِ دہر گھبراتا ہے جی
ہو گیا دشوار چلنا راہِ ناہموار کا

اس دوعملی سے نکل کر اک طرف ہو جاؤنگا
ہو گا جب موقوف جھگڑا کافر و دیندار کا

گھٹ گیا زور جب کہ مستی کا
دھیان آیا خدا پرستی کا

سرِ میداں ہے دیکھنا منظور
رنگ قاتل کی تیز دستی کا

ہم نے چشمِ حباب سے دیکھا
ہیچ ہے کارخانہ ہستی کا

جب طبیعت ہوئی بلند اپنی
دل میں آیا خیال پستی کا

ٹوٹی قبروں کو دیکھ لے وکیم
ہے نشاں کچھ پُرانی بستی کا

فراقِ یار میں بیکار جانِ عاشق ہے
نہ رہنے کی ہے خوشی اور نہ غم ہی جانے کا

عبث ہے دولتِ دنیا کی فکر انساں کو
یہ مال و زر نہیں ہمراہ کچھ بھی جانے کا

آہِ رسا سے ہے دلِ پُر دود نامور
چھپتا نہیں ہے فوج میں ہاتھی نشان کا

کھٹکا گھڑی گھڑی پہ ہے ہر بار موت کا
ہر دم خیال رکھتے ہیں ہشیار موت کا

کب تک اُٹھائے صدمۂ دردِ فراق کو
طالب خدا سے ہو دلِ بیمار موت کا

ممکن نہیں کہ جان چھپانے سے بچ سکے
خالی نہیں گیا ہے کبھی وار موت کا

دیکھ کر شکل صنم کی نہ رہی صبر کی تاب ...... اُڑ گیا آنکھ سے خواب

رنگ حیرت کا یہ چہرے پہ نمودار ہوا ...... نقشِ دیوار ہوا

دل کی یا جان کی جس چیز کی خواہش ہو وہ لے ...... آنکھ ترچھی نہ کرے

بے سبب مجھ پہ خفا کس لئے دلدار ہوا ...... کس دن انکار ہوا

نہ جھپکی آنکھ اک دم رات بھر تارے گنے ہم نے
خیال آیا جو رشکِ ماہ کی ماتھے کی افشاں کا

اگر آئینۂ وحدت میں دیکھے آدمی مُنھ کو
رہے باقی نہ دل میں فرق ہندو اور مسلماں کا

پیمبر بھی نہیں خالی رہے سودائے اُلفت سے
سُنا ہی حال اکثر میں نے بلقیس اور سلیماں کا

اُس کے احساں کا بار ہے سر پر
کبھی جس نے اُتارا اک تنکا

دوست میرا وہ بُت ہے ظاہر میں
جانے اللہ حال باطن کا

چل بسے ہائے کیسے کیسے دوست
کن کی یاد آئے بھولیں غم کن کا

گرے تسبیح کے دانے مٹا زُنّار کا رشتہ
مسلماں کا لیا کافر نے دین ایمان ہندو کا

عبث کھوتے ہو نقدِ عمر و کیسہ خوابِ غفلت میں
مُسافر بندہ پرور راہ میں سویا اگر چُوکا

نہ کچھ پوچھو احوال قصرِ صنم کا
نہیں اتنا رتبہ ہے دیر و حرم کا

خدا سے کوئی اُس کے اسرار پوچھے
بڑا ہے بہت رتبہ اہلِ قلم کا

درِ یار سے میں نہ اُٹھوں گا ہرگز
وطیرہ یہ سیکھا ہے نقشِ قدم کا

فقیری مبارک مجھے اے سکندر
میں خواہاں نہیں تیرے جاہ و حشم کا

حبابِ لبِ بحر کا ماجرا ہے
جہاں میں ہیں مہماں ہوں صرف ایک دم کا

بارِ عصیاں سے تھی بھاری میری لاش
ہائے کاندھا چھل گیا دو چار کا

سر دیا ہے مجھے خالق نے تو دے سودا بھی
ہے محبت سے جو خالی تو یہ سر کیا ہوگا

منعمو زیرِ زمیں دفن جو ہو جاؤ گے — رہ کے پھر گنج زر و سیم و گہر کیا ہو گا
باریابی نہیں ممکن ہے فرشتوں کی جہاں — اُس جگہ اس دلِ ناداں کا گذر کیا ہو گا

اسقدر بوجھ جو عصیاں کا نہ ہوتا بھاری — دوشِ یاراں پہ جنازہ مرا ہلکا ہوتا

حساب پاک کیا کچھ سمجھ کے داور نے — ہمارے جرم و خطا کا شمار کیا ملتا

کس طرح کسی غیر کو کر لیتے ہیں اپنا — یہ علم تو ہم کو نہیں آتا نہیں آتا
سب چھیڑتے ہیں اپنی مصیبت کی کہانی — دُکھ درد کوئی پوچھنے والا نہیں آتا

پا بہ زنجیر کیا تارِ نفس سے ورنہ — اب تلک روح سے زنداں میں رہا کیوں جاتا
اے خدا شاہ و گدا دونوں ہیں بندے تیرے — شاہ کے پاس ترے در کا گدا کیوں جاتا
وہ نہ الفت کریں تو زور نہیں — اپنے دل پر ہے اختیار اپنا
آئے دنیا میں اتفاق سے ہم — کیا گذر ہو گا یار بار اپنا
رزق دیتا ہے وہی اور وہی لیتا ہے خبر — شکر اللہ کہ ہر دم ہے نگہباں اپنا
فیضِ اُستاد سے افضالِ خدا سے دیکھو — تھوڑے ہی دن میں مرتب ہوا دیوان اپنا

اُس کی خست ہی نے مٹی میں ملایا اُسکو — ورنہ قاروں نے تو پایا تھا خزانہ اچھا
دولتِ علم سخاوت سے فزوں ہوتی ہے — جو پڑھے آپ وہ اوروں کو پڑھانا اچھا

طفلی میں بھی بتوں کی محبت سے میل تھا — ہر روز و شب پسند کھلونوں کا کھیل تھا

حوصلہ سب پست قاروں کا ہوا | رل گیا مٹی میں زر رکھا ہوا
روتے روتے فرقتِ فرزند میں | آخرش یعقوب نابینا ہوا
اشک پر رکھنا توجہ اے زمیں | ہے یہ لڑکا نازکا پالا ہوا
اس زمانے کے امیروں کو نہیں ہرگز پسند | فیض یا دریا دلی یا سیر چشمی یا سخا
غیر ممکن ہے جو اے وسیم نہ ہو انسان سے | جُرم یا تقصیر یا بے اعتنائی یا خطا
دیوانگانِ عشق کا پُر مغز ہے کلام | سمجھے گا ان کی رمز کوئی بے شعور کیا
دیکھ تو چشمِ عنایت سے کبھی اے صاد چشم | عشق میں میم دہن کے تیرے میں نوں ہو گیا
جھک گیا جب سر تصور میں ہوا حال نعاس | دانۂ خالِ لبِ محبوب افیوں ہو گیا

کوئی کہتا ہے تجھے خوب کوئی مُنھ سے بُرا | تو نے پیدا کیے ہیں گبر و مسلماں کیا کیا
مذہبِ عشق سے انکار نہ وسیم نے کیا | اُسکو سمجھاتے رہے گبر و مسلماں کیا کیا
دوست مطلب کے سب نظر آئے | غور سے میں نے جب خیال کیا
میں نے کیا آپ سے اُٹھا رکھا | جان دی سب نثار مال کیا
ہائے جن کی عمر خوش پوشی میں آخر ہو گئی | کال اُنکے واسطے دو گز کفن کا ہو گیا

کیا تعجب ہے کہ گل کو مہرباں کر دے خدا | کر کے فریاد اپنی قسمت آزمائے عندلیب
چھوٹنا مشکل قفس سے جان دینا کیا ضرور | صبر کر کے پانی پی لے دانہ کھائے عندلیب

کس سے کروں بیان مصیبت فراق کی | افسوس ہے کہ کوئی نہیں رازداں قریب
ہے صفائی ہماری طینت میں | آپ سمجھے ہیں دوسرا مطلب

شیخ جی میکدے کی بھول گئے　　بن کے اب بیٹھے پارسا ہیں آپ
راہِ دشتِ جنوں میں حضرتِ دل　　آپ ہادی ہیں رہنما ہیں آپ
ہم تو پردے میں آ نہیں سکتے　　کیا خبر ہے کہ کرتے کیا ہیں آپ
فراقِ یار میں عاری ہوں زندگانی سے　　میں دیکھوں آئے گی کس دن مری وفات کی رات

کٹ جائے گا گلا کسی ابرو کے عشق میں　　میں دیکھتا ہوں خواب میں خنجر تمام رات

کی اُس نے کڑی بات مگر دل پہ لگی چوٹ　　اس آئینۂ صاف نے پتھر کی سی کی چوٹ

دولت و حشمت نہیں جائے گی ساتھ　　حرص اُس کی اے سگِ دُنیا عبث
کام دنیا کا نہ عقبےٰ کا بنا　　سچ تو یہ ہے میں ہُوا پیدا عبث
کچھ نہیں رہ جائے گا محشر تلک　　ہائے دُنیا پھر ہوئی پیدا عبث

حشر تک بھی نہیں اُمید رہائی کی ہمیں　　پیچ میں آ گئے اُس زلفِ دوتا کے باعث

میرے حق میں گوشۂ مرقد عدالت ہو گیا　　دو فرشتوں نے لیا اک شخص کا اظہار آج
تم تو کہتے تھے کہ پردے میں بُلاؤں کسطرح　　پھرتے دیکھا آنکھ سے تم کو سرِ بازار آج

دل مانگتے ہیں سب یہ تماشا تو دیکھیے　　دیتا نہیں ہے کچھ ہمیں کوئی سوائے رنج
ہجرِ صنم میں ایسی مصیبت اُٹھائی ہے　　محشر تلک بھی دل سے یقیں ہے نہ جائے رنج
مر مر گئے ہیں لوگ گلے کاٹ کاٹ کے　　اے جانِ جاں خدا نہ کرے دل میں آئے رنج

آشنا آنکھیں چُرا لیتے ہیں سُنکر احتیاج
غیر لوگوں سے نکل جاتی ہو اکثر احتیاج

اُن کو کیا پروا مرے کوئی پریشاں ہو کوئی
بے زروں کی سُنتے ہیں کب صاحبِ زر احتیاج

روشن بیاں زباں سے مری مثلِ شمع ہے
رونق ہو میری ذات سے بزمِ سخن کے بیچ

الفت میں ہم سے بڑھ کے زلیخا چلے گی کیا
ہے فرق آسمانُ زمیں مرد و زن کے بیچ

دل توانگر ہے نہیں ہو مجھے زر کا لالچ
ہے اگر کچھ تو فقط کسبِ ہنر کا لالچ

کعبۂ و دیر سے کیوں واسطہ رکھیں عشاق
دل میں اپنے ہے مگر یار کے در کا لالچ

ہم سے کیوں چھپتے کچھ اور نہیں طالب ہیں
چشمِ جاناں سے ہو بس ایک نظر کا لالچ

دل کا خدا کو علم ہے وکیم کو کیا خبر
ظاہر میں لوگ رہتے ہیں دیندار کی طرح

کارِ دنیا سے ہو ممسک کو فراغت کیونکر
ہے گرفتارِ حسابِ زر و دینار میں رُوح

اپنے فعلوں کے ہم ہیں خود مختار
بحث کرتا ہے ہم سے کیا اے شیخ

تجھ سے بیکار پائیں گے جنّت
جا کہیں کر خدا خدا اے شیخ

ایک ہی شخص کے بنائے ہیں
رند و میخوار و پارسا اے شیخ

دل کی گردن اگر نہیں جھُکتی
کیا ہے پڑھنا نماز کا اے شیخ

گنتے گنتے ہزاروں دانوں کو
آج بھی کچھ تجھے مِلا اے شیخ

غیر نے کر دیا تجھے بدنام
اس میں میری خطا نہیں اے شوخ

حشر میں ہونگے نیست ارض و سما　　کچھ نہ ہوگا اس انقلاب کے بعد
آئینہ روئے یار کا دیکھا　　ہم ہیں حیران کل سے خواب کے بعد
چُپ ہوے روتے روتے فرقت میں　　صبر آتا ہے اضطراب کے بعد

کھُل گئی بے اعتنائی یار کی　　آرزو کس کو ہے اور کس کو اُمید
مِل نہیں سکتا ہے اے جانِ حزیں　　اب دلِ گم گشتہ کی تو کھو اُمید
دو دن کی زندگی پہ کرے کوئی کیا گھمنڈ　　مٹی میں ایک روز یہ مِل جائے گا گھمنڈ
سجدے تمام عمر کے بیکار ہو گئے　　شیطان کے نکلنے کا باعث ہوا گھمنڈ
دیکھو نہ آسمان کو دیکھو زمین کو　　کرتا نہیں پسند کسی کا خدا گھمنڈ
آئے گی باغِ حسن میں اک دن خزاں ضرور　　ناحق ہی گل سے چہرے پہ اے دلربا گھمنڈ
اسقدر جوشِ ندامت نے بہائے آنسو　　تر ہوا نامۂ اعمال کا سارا کاغذ

موجود نقدِ جاں ہے اُٹھاؤ مگر نقاب　　لیتا ہے مال مول خریدار دیکھ کر

در پردہ دل ملا نہ ملا وہ علانیہ　　شرم و حیا ہوئی بُتِ رشکِ قمر کی آڑ
کچھ شانِ الٰہی میں نہیں دخل بشر کا　　جب خوب نہیں جانتے ہیں لوح و قلم راز

تم سلسلۂ دل کو مرے کم نہ سمجھنا　　لندن کو خبر دیتی ہے اِس تار کی آواز
سُننے سے شفا ہوتی ہے بیمار کو اک دم　　دنیا میں ہے بے مثل مرے یار کی آواز

ہے مجھ کو اشک فشانی کے وقت پر افسوس　　کہ مفت خاک میں مل جائیں گے گہر افسوس

دمِ اخیر مروں تیرے در کی چوکھٹ پر — فقط یہی ہے ترے جاں نثار کی خواہش
خدا کے گھر میں جلاؤں چراغ میں گھی کے — جو پوری ہو دلِ امیدوار کی خواہش

ذی عقل بھی ذی فہم بھی تھے ہم مگر اے دل — اب مل گئے ہیں خاک میں سب بعدِ فنا ہوش

صورتِ گرداب چکر میں ہی برگشتہ نصیب — کیا میں دیکھوں جا کے بزمِ شاہِ دریا دل کا رقص
اے بتِ رقاص ہوں کیونکر نہ قربانِ خدا — دیکھتا ہوں بزم میں تصویرِ آب و گل کا رقص
دل پھڑک جاتا ہی اپنا بزمِ حال و قال میں — وجد میں لاتا ہے وسیم مردِ کامل کا رقص

نہ ہلو مردمِ دنیا سے خطا پاؤ گے — پھر میں کہتا ہوں کہ وسیم ہی زمانہ ناقص

کس درجہ انھیں نشۂ دولت نے کیا چور — سنتے نہیں زردار جو کرتے ہیں گدا عرض

دنیا میں ہے فقط مجھے دلدار سے غرض — کافر سے واسطہ ہے نہ دیندار سے غرض
وسیم ہمارا یار ہے پردے میں جلوہ گر — یوسف کو ہو گی شہرتِ بازار سے غرض

مطلوب میرے دل کا ہی اے جان تو فقط — دنیا میں ہے اگر تو تری جستجو فقط
اے طفلِ اشک اسکی بھی تجھ کو تلاش ہے — سب کھو کے باقی رہ گئی اک آبرو فقط
باقی نہیں امید کسی سے بھی اے مسیح — روزِ جزا شریک ہے وسیم کا تو فقط
زہد کیسا ہے کہاں کا تقوے — پی مئے ناب کا جام اے واعظ
لال کی آنکھ جو میخواروں پر — کیا نہیں غصہ حرام اے واعظ

اس میں پھنس جاتے ہیں ناداں اکثر　　تیری تقریر ہے دام اے واعظ
اک ذاتِ کبریا ہی کو زیبندہ کبر ہے　　جو بندۂ خدا ہیں اُنھیں ہے غرور منع
دِلگیر نہیں ہی قدرِ کلام و سخن اُنھیں　　کرتے ہیں شاعری سے مجھے بے شعور منع

دو دل میں و جگر میں ہیں اے گلعذار داغ　　سینہ ہے تیرے عاشقِ محزوں کا چار باغ

جنت کو بھی نہ جاؤنگا اس در کو چھوڑ کے　　ایسا گماں نہ لاؤ گنہگار کی طرف

کچھ چھلاوا سا تماشا سا نظر آتا ہے　　آنکھ پھیلا کے اگر دیکھیے دنیا کی طرف
دیکھتے چشمِ تصوّر سے نہیں ہم آزاد　　حشمت و دولتِ اسکندر و دارا کی طرف
لذتِ ظاہر و باطن ہی نصیب اے دِلگیر　　دل ہی خالق کی طرف آنکھ مسیحا کی طرف
اس جہاں سے ہی سفر کا اشتیاق　　بعدِ مدت کے ہے گھر کا اشتیاق
مارِ گنجینہ بنی ممسک کی روح　　بعدِ مُردن بھی ہے زر کا اشتیاق
مل گیا خوبیٔ تقدیر سے اچھا معشوق　　مثل رکھتا نہیں دنیا میں ہمارا معشوق
عشقِ صادق کی بلندی کو نہیں ہی پستی　　تا دمِ مرگ مرے دل سے نہ اُترا معشوق

برباد کیا عمر کو سمجھے نہ ذرا خاک　　اے اہلِ ہوس حرص سے ہاتھ آئیگا کیا خاک
تقدیر میں ہر وقت کی تکلیف لکھی ہے　　عاشق کی طرف ہجر میں آئیگی قضا خاک

اجی ٹھہرو کہاں جاتے ہو کیوں عاشق بنایا تھا　　نہ چھوڑونگا نہ چھوڑونگا میں دامن روزِ محشر تک
کھڑا ہی اک کنارے بیٹھنے کی جا نہیں ملتی　　اگر تقدیر سے پہونچا بھی مفلس صاحبِ زر تک

پھل نخلِ محبت کے لگانے کا نہ پایا
پہونچا نہ کبھی دستِ دعا اپنا اثر تک

مر جائے تہیدست تو اوروں کی بلا سے
دنیا کی محبت ہے فقط دولت و زر تک

زندگی سمجھے ہیں اپنی کب تلک
کرتے ہیں آپس میں کیوں تکرار لوگ

دونوں کے پتلے ایک ہی مٹی کے ہیں بنے
میری نظر میں ایک ہے شاہ و گدا کا رنگ

حسنِ بتاں میں پاک نظر کر کے بارہا
وسیم نے دیکھا آنکھ سے شانِ خدا کا رنگ

لاتا ہے یار قابو میں اپنے پرائے دل
عاشق پکارتے ہیں سدا ہائے ہائے دل

اب کہو کس سے کریں فریاد ہم
ہجرِ جاناں میں ہوے برباد ہم

داغ دل اپنی نشانی دے چلے
عمر بھر تم کو کریں گے یاد ہم

کسی کو ڈھونڈھنے کس سمت کو روانہ کروں
کہاں گیا ہے وہ ہو کے خفا نہیں معلوم

نیکنامی نہ سہی کم نہیں کچھ بدنامی
جانتا کون نہیں تیرے گنہگار کا نام

کس پہ دعوے کریں قسمت کا سُنے کون اُسکو
مجھ کو معلوم نہیں دل کے خریدار کا نام

دن رات مجھ کو چین تہِ آسماں نہیں
دردِ فراقِ یار کا ممکن بیاں نہیں

آنسو نکل ہی آتے ہیں جوشِ فراق میں
رہتا کسی کا حالِ محبت نہاں نہیں

وسیم قمر کے گرد ستاروں کا ہے ہجوم
چیچک کے داغ یار کے رُخ پر عیاں نہیں

اللہ ری حرارتِ جوشِ شبابِ یار
گردن میں ہار پھولوں کے کمھلائے جاتے ہیں

مانو نہ مانو فعل کا اپنے ہے اختیار
اپنی طرف سے ہم تمھیں سمجھائے جاتے ہیں

ہم زندگی میں خاک لپیٹے رہا کیے
مُردے بھی غسل خانہ میں نہلائے جاتے ہیں

وسیم ذرا تو صبر کرو تھوڑی دیر میں — تم جن کے منتظر ہو وہ خود آئے جاتے ہیں

خدا کے واسطے اے شمع رو نگاہِ کرم — تجھی سے اپنی ہم اب لو لگائے بیٹھے ہیں

کس طرح رابطہ دلدار سے اور مجھ سے بڑھے — وہ شہِ حسن ہے اور بندۂ بے زر میں ہوں

آبرو کا بچانا مشکل ہے — تیغ کا سامنا کمال نہیں

عہدِ سابق کا حال کیا معلوم — حسن میں اب تری مثال نہیں

لوگ کیوں انگلیاں اٹھاتے ہیں — جسمِ لاغر مرا ہلال نہیں

جب ملے تم تو رنج بھول گیا — تم کو ہوگا مجھے خیال نہیں

سر کا اثر نہیں ہے تو بیجا غرور ہے — ناحق ہوا بھری ہے کلاہِ حباب میں

دل شاعری پہ جم نہیں سکتا کسی طرح — وسیم نہیں ہے فائدہ ترکِ شراب میں

حشر تک ہوگا نہ مرنا دیکھ کے منھ یار کا — آبِ حیواں کا اثر ہے شربتِ دیدار میں

شکرِ رازق پھر تمنائے دلی حاصل ہوئی — چھوٹ کے وسیم ملی اب نوکری سرکار میں

فرقت میں ضبط عاشقِ بیدل کا دیکھیے — شور و فغاں زباں پہ نہیں چشم نم نہیں

خدا نے سونپی اُسے جیبِ خاص کی تحویل — نہیں ہے دخلِ بشر فقر کے خزانے میں

نہ چھیڑ بھول کے اے شیخ خاکساروں کو — نہیں ہے خیر فقیروں کے آزمانے میں

بیان روے کتابی ہر اک سے ناممکن — تمیز چاہیے قرآن کے بڑھانے میں

اکیلے کھایا تو کیا لطف سچ اگر پوچھو — مزہ زیادہ ہے کھانے سے کچھ کھلانے میں

امتحاں کی کچھ انتہا بھی ہے — دیکھیں کب تک وہ ہم کو کستے ہیں
میکشی سے جو رہ گئے محروم — لب کوثر بھی وہ ترستے ہیں
کال وسیم ہے قدر دانوں کا — پہلے مہنگے تھے اب تو سستے ہیں

شکل جس دم دیکھتا ہوں آپ کی — آپ کو میں آپ میں پاتا نہیں
بارہا عرض مطالب ہو چکا — کچھ وہ میرے حق میں فرماتا نہیں
ہوتی ہے بدگہر کو کہیں قدر آبرو — پاجی سے التجا کا نہ دیکھے نصیب دن
سب کو خیال زیست کا وسیم ہی حشر تک — مرنے کے جانتا نہیں کوئی قریب دن
کچھ حیا کچھ شرم کچھ ڈر کچھ ادب — کیا تمھارے سامنے میں کہہ سکوں
ہے جسقدر تمھارے رخ لاجواب میں — وہ نور حشر تک بھی نہیں آفتاب میں
ہم سے تو ضبط ہو نہیں سکتا شراب کا — فصل بہار آئی ہے عہد شباب میں

عدم کے جانے والو کوئی دم کا رنج فرقت ہے — پہونچکر تم وہاں دم تو ذرا لو ہم بھی آتے ہیں
قیامت تک نہ آئیگا زباں پر حرف شکوے کا — وہ ناحق جبر کرکے صبر میرا آزماتے ہیں

اے مہر و مہ تمھاری طرح جور چرخ سے — گردش میں روز و شب سحر و شام میں بھی ہوں

کیونکر غبار رکھیے دل خاکسار میں — خاک ایسی زندگی پہ جو گذرے غبار میں
شکر خیال یار ہے دل سے زبان سے — لطف وصال دیکھتے ہیں انتظار میں
صبر و شکیب کا کوئی وسیم نہ نام لے — نایاب ہے یہ جنس ہمارے دیار میں

نیکی کی نیک اور بدی کی ہے بد جزا — کرتے ہو تم بُرائی جو ہم سے بھلا نہیں
دخل کیا دنیا کے کاروبار میں — ہم پکڑ آئے ہیں یاں بیگار میں
مُنھ سے دینے کو نہیں کہتے امیر — کیا مٹھائی ہے زر و دینار میں
جانِ جہاں کو رکھوں نہ کیوں اپنی جان میں — اہلِ جہاں کو جان ہے پیاری جہان میں
جن کا کھُلا ہوا تھا زمانے میں دستِ فیض — وہ آج کوڑی مانگتے ہیں ہر دکان میں

میرے یاروں نے نہ کی طولِ سفر پر کچھ نگاہ — زادِ رہ باندھا ہے دامانِ کفن میں کیوں نہیں
کوئی سچا زباں کا یار نہیں — ہم کو دنیا کا اعتبار نہیں
ہے محبت ہر ایک رُوح کے ساتھ — کون دنیا میں دلفگار نہیں
داغِ دل کے سوا نہیں کچھ پاس — کیا میں دوں تم کو مالدار نہیں

کجروی کی دوا کروں کیونکر — راست ہوتا یہ آسمان نہیں
پھر یہ چلتا ہے چال کیوں ٹیڑھی — اب تو پیرِ فلک جوان نہیں
حکمِ خدا سے بُت کی پرستش ہوئی قبول — کعبے سے اُٹھ کے آئے ہیں ہم سومنات میں
ہو مروّت بھی حیا بھی جن میں — دیکھیں اس طرح کی کمتر آنکھیں
ہے مثل یہ کہ دوا ایک کی دو — دل کو کرتی ہیں مسخّر آنکھیں
کیا کیا اے عشق تو نے کیا تجھے حاصل ہوا — خاک میں تو نے مِلایا مُفت مجھ برباد کو
ان بتوں کے عشق نے کی عاقبت میری تباہ — کیا غضب ہے دل سے بھولا ہوں خدا کی یاد کو

ناتوانی سے کوئی اہلِ سفر سُنتا نہیں — آسماں تک میری اے دل کیا رسا فریاد ہو
رہنے والے چار دیوارِ الم سے ہوں رہا — یہ مکانِ عشق دنیا میں اگر برباد ہو

ظاہر میں رنج ہجر ہے باطن میں لطفِ وصل — نزدیک میرے دل سے ہو آنکھوں سے دُور ہو
فضلِ خدا پہ چاہیئے انسان کو نگاہ — کچھ فائدہ نہیں ہے جو دل ناصبور ہو

جو دونوں پانوں نقاہت سے ڈگمگانے لگے — قسم خدا کی سنبھالا جریب نے مجھ کو
کبھی ہے حشر کا کھٹکا کبھی ہے قبر کا خوف — ستایا فکرِ بعید و قریب نے مجھ کو
وہ رحم کھا کے یہ دِرِکیم کے حال پر بولے — کہ دل سے پیار کیا اس غریب نے مجھ کو

کیونکر نہ چشمِ مردمِ دنیا پُرآب ہو — جب زندگی کا حال مثالِ حباب ہو
گناہوں میں نہیں ہوتی کمی کچھ — قیامت کی بڑی دہشت ہے مجھ کو
قناعت نے فراغت کی عنایت — غمِ دنیا سے اب فرصت ہے مجھ کو
آرام گاہ خاک نشینوں کا عرش ہے — سمجھے وہ اس کو جو کوئی عالی مقام ہو
دل گناہوں سے ہوا کتنا سیاہ — نامۂ اعمال ہے میرا سیاہ
شیخ جی سمجھو اُسے مکار تم — جس کی پیشانی پہ ہو گھٹا سیاہ
خط اس طرف ملا مجھے جان اس طرف گئی — قاصد مرا پھرا بھی تو پیکِ قضا کے ساتھ

نہیں کچھ بولتا گویا ہے وہ تصویر پتھر کی — صنم کے دل میں پیدا ہوگئی تاثیر پتھر کی
بتوں کو پوجنے کوئی نہ جاتا دُور سے چل کے — اگر ہوتی نہ منظورِ خدا توقیر پتھر کی

کیا تعجب ہے کہ میری بیکسی کو دیکھ کے — مہربانِ حالِ مضطر داورِ محشر بنے
رنج اور راحت برابر ہو تو کچھ کچھ صبر ہو — چار دن بگڑے زمانہ چار دن یاور بنے

لونڈی بنی وہ مفت میں اپنے غلام کی
یہ فائدہ ملا ہے زلیخا کو چاہ سے

کفن میں کیوں نہ چھپیں ہم گناہگاری سے
خدا کو حشر میں صورت دکھا نہیں سکتے
نہیں ہے پردہ نشینی پہ زور کچھ اپنا
تلاش میں ہیں مگر اُس کو پا نہیں سکتے

دنیا کی حشمتیں تو لحد میں نہ جائیں گی
کیا بار ہے چھوڑ دیجئے اور کیا اُٹھائیے
حد سے زیادہ ہم کو خوشامد نہیں پسند
وسیم کسی کا ناز نہ بے جا اُٹھائیے

اقربا کو پسِ مُردن ہوئی کتنی نفرت
جلد اُٹھایا مجھے ایسا کہ کفن بھول گئے

اپنی آہِ بے اثر سے کچھ نہیں مجھ کو اُمید
کارگر کیا تیر ہوگا جبکہ پیکاں دُور ہے

ناز کیا خاک ہو انسان کو تن خاکی پر
اصل میں دیکھئے تو نقشِ کفِ پا کیا ہے

حضرت دل ہم سے کہئے آپ گھبراتے ہیں کیوں
عاشقی کی ہی تو ناز اُن کا اُٹھانا چاہیئے
کسی کو نہ گھر میں سُنا دفن ہوتے
مکینوں سے چھوٹے مکاں کیسے کیسے
لحد کھد گئی جُھک گئیں ہڈیاں سب
مٹے ہیں ہمارے نشاں کیسے کیسے

تحمّل کرے صدمۂ غم کا کب تک
صنم دل مرا سنگِ خارا نہیں ہے
ہوئی جان سے آخرش بیوفائی
جسے اپنا سمجھے ہمارا نہیں ہے
فقط رکھو وسیم خدا کا بھروسا
کوئی اس جہاں میں تمہارا نہیں ہے

ہوتی نہیں دعا کی رسائی وہاں تلک
دیوارِ قصرِ یار کی کتنی بلند ہے

جنت میں روک ٹوک ہے پھر جاؤں اب کہاں
تقدیر سے مری درِ جاناں بھی بند ہے

اس سے بڑھکر اب کہاں جائیگا میں حیران ہوں
عرش تک تو نالۂ دل کی رسائی ہو چکی

کھٹملوں نے ہجر کی شب میں ستایا صبح تک
خون سے رنگین وسیم چارپائی ہو چکی

دیر و حرم میں بھی نہ ملا یار کا نشاں
اب لے چلے گا اے دلِ وحشی کہاں مجھے

محشر کے دن کا ڈر ہے ہر آدمی کے دل میں
اے روزِ ہجرِ جاناں رتبہ ترا بڑا ہے

واللہ دردِ فرقت ہوتا نہیں گوارا
جی سے ہیں تنگ لیکن قابو میں کب قضا ہے

صفحۂ دل پر اپنے عاشق نے
ٹھیک نقشہ ترا اُتارا ہے

بندگانِ خدا تجھے پوُجیں
یہ بھی اے بُت خدا کی قدرت ہے

فکرِ عقبےٰ کی کیجئے کیونکر ہو
کارِ دنیا سے کس کو فرصت ہے

چار دن کی حیات پر اے یار
نہیں آپس میں خوب ناراضی

بے بُلائے گیا نہ جنت میں
واہ کیا آن بان ہے میری

شعر کہتا ہوں سادہ اے وسیم
بے تکلف زبان ہے میری

آفرینندہ اگر شیخ و برہمن کا ہے ایک
جھوٹ کہتے ہیں کہ ہندو سے مسلماں دُور ہے

عمر بے فائدہ کیوں کھوتے ہو تم اے ولیم | جیسے دنیا کے ہو یوں پیرِ دیں کیوں نہ ہوے
احسان مناسب ہے مری بیخبری پر | للہ کوئی مجھ کو خبر یار کی لا دے

عقدۂ رازِ غیب ہے لا حل | نہ کھلا یہ کسی پیمبر سے
آدمی کمتر آپ کو جانے | اپنے چھوٹے بڑے برابر سے
ہماری لاش ہے عصیاں سے بھاری | اُٹھانے والوں کا کاندھا نہ چھل جائے
صدمۂ آہ سے یہ پھٹ نہ پڑے | اے فلک تیری چھت پُرانی ہے
ترکِ مے کس طرح ہو اے ولیم | جوش پر عالمِ جوانی ہے

جو بلا نوش کیا سُکر بڑھا | جو سے کچھ کام نہ کچھ گندم سے

عدم کی راہ میں چلنا پڑے گا | بشر کو فکر واجب ہے سفر کی
زمانہ کس طرح کا آ گیا ہے | نہیں ہے قدر اے ولیم ہنر کی
رضائے حق پہ راضی ہیں توکل ہی قناعت ہے | نہ ہم کو خوفِ دوزخ ہی نہ ہم کو شوقِ جنت ہے

ہیں اس مقام پہ کوڑی کے مول خالی دست | قمار خانۂ دنیا میں کھیل زر کا ہے

انتخاب کلامِ ولیم (ولیم برویٹ)

جب کبھی ناز سے ترچھی وہ نظر کرتے ہیں | ایک پل میں وہ جہاں زیر و زبر کرتے ہیں
بوسۂ زلف و رُخِ یار ہمیں بھی ہو نصیب | التجا حق سے یہی شام و سحر کرتے ہیں

ہے زمیں فرش تو غم کھانا ہی پوشاک ہے خاک
یوں ترے در کے فقیر اپنی بسر کرتے ہیں
اُن کی بدنامی سے ہی آپ کی بھی رُسوائی
آپ بے فائدہ عشاق سے شر کرتے ہیں

قابو ہمیں آئینۂ دل پر نہیں ملتا
ہر ایک کو تو بختِ سکندر نہیں ملتا

حضرتِ دل مائلِ زلفِ دوتا ہونے لگے
مبتلائے آفت و رنج و بلا ہونے لگے
گر خراماں ناز سے وہ خوش ادا ہونے لگے
ہو تہ و بالا جہاں محشر بپا ہونے لگے
کس طرح مُنھ سے نکلتا میرے بوسہ کا سوال
آپ تو پہلے ہی سے مجھ پر خفا ہونے لگے
جبہہ سائی پر مری کہتا ہے وہ بُت ناز سے
اب تو وسیم بھی ذرا کچھ پارسا ہونے لگے

چشمِ ساغر نم ہے شیشے کو بھی ہے ہچکی لگی
میکدہ بے ساقیٔ گلرو کے ماتم خانہ ہے
پانوں میں ہی اُنکے مہندی خون ہوتا ہی مرا
جان جاتی ہی یہاں واں نازِ معشوقانہ ہے
تم سنبھل کے چلو خدا کے لئے
مُردے چونکیں تہِ زمیں نہ کہیں
کچھ لگاوے مری طرف سے نہ غیر
یار کو اس کا ہو یقیں نہ کہیں
عشقِ بتاں میں جس کا ٹھکانا کہیں نہیں
دل ایسا مجھ غریب کو کیوں اے خدا دیا
کس کے خرامِ ناز نے محشر بپا کیا
سوتے سے مجھ کو قبر میں کس نے جگا دیا
عاشق کو دردِ ہجر میں تکلیف تھی بہت
جھگڑے سے موت نے اُسے آکر چھڑا دیا
ہے کھلونا یہ میرے قاتل کا
دل نمونہ ہے مُرغِ بسمل کا
صبح کے وقت یار جب اُٹھا
ہو گیا گُل چراغ محفل کا
سہتے سہتے فراق کا صدمہ
ہو گیا پست حوصلہ دل کا
مرضِ عشق ہو گیا وسیم
غیر ممکن علاج ہے دل کا

بے جا ہے گماں یار کے ہاتھوں میں حنا کا | سُرخی ہے بہت اُس نے مَلا اور ہی کچھ ہے

مجھ کو مسجد میں تو جانے سے نہیں کچھ انکار | لے کے پر شیشۂ دل زیرِ بغل جاؤں گا
وقتِ آخر میں نہیں اس کے سوا اور علاج | یار آجائے گا اس دم تو بہل جاؤں گا
عاجز آکر مرا دل کہتا ہے مجھ سے وسیم | تنگ آکر ترے سینے سے نکل جاؤں گا

جوش اسکا سا کبھی اس کو میسّر بھی ہوا | چشم خونبار مری کہتی ہے دریا کیا ہے
بخت بیدار یہ کہتا ہے جگا کر مجھ کو | یار آیا ہے تری قبر پہ سُوتا کیا ہے
میرے خط کا کبھی لکھتا ہی نہیں یار جواب | میری تقدیر میں کیا جانیئے لکّھا کیا ہے
حالِ دل وسیم ناشاد کہے کیا تجھ سے | تیرے ملنے کے سوا اور تمنّا کیا ہے

انتخاب کلامِ عاشق (بھوپال)

(شبستان عالمگیری)

محوِ نظارہ ہوا کس کی نظر کے تیر کا | طائرِ دل پر گماں ہے طائرِ تصویر کا
یار کی چینِ جبیں کے عشق میں سرگشتہ ہوں | دوستو مارا ہوا ہوں گردشِ تقدیر کا
اشک کے دریا بہے یہ یادِ زلفِ یار میں | ہے گماں اب موج کے سر پر دامِ ماہی گیر کا
آج میخانہ میں واعظ بنکے پیتے ہیں شراب | شیخ جی قائل ہوں میں اس آپ کی تدبیر کا
صورتِ فرہاد عاشق پھوڑیے پتھر سے سر | سنگ سے بھی سخت ہے دل اُس بُتِ بے پیر کا

نہیں کچھ آسماں پر ابر میں یہ برق تاباں ہے | چمکتا ہو دوپٹے میں ترے مُوباف گیسو کا

وحشت میں جسکے عشق کی آہو کی شکل ہوں
یارب ملے گا مجھ کو وہ رعنا غزال کب

بدنام کرے نہ مفت میں عاشق کو یوں کوئی
ہم کو ہوا نصیب کسی کا وصال کب

رحم آتا ہے مجھے دنیا میں دکھلاؤں کسے
داغِ دل ہے آفتابِ روزِ محشر کا جواب

حق ہے عاشق مدحتِ نواب عالمگیر خاں
دیکھو عالم میں کہاں ہے اس سخنور کا جواب

عشق نے جس کے کیا سینے میں گھر آپ سے آپ
وہ بھی آجائے گا آنکھوں میں نظر آپ سے آپ

کیا ہوا کس نے کئے دل کے جگر کے ٹکڑے
خون ہوتا ہے مرا دیدۂ تر آپ سے آپ

بند آنکھوں کو جو دنیا سے کروں گا عاشق
دل میں آجائے گا میرے وہ نظر آپ سے آپ

کیوں بھاگتے ہیں عاشقِ خستہ جگر سے آپ
واقف نہیں ہیں نالۂ دل کے اثر سے آپ

تمام دن مجھے رونے سے کام رہتا ہے
تمھارے ہجر میں تارے گنے ہیں ساری رات

بجائے دید فراقِ صنم میسر ہے
یہ روزِ حشر سے کچھ کم نہیں ہماری رات

سر اُٹھایا ہے یادِ جاناں میں
اب تو ہو جا تو رہنما قسمت

دیکھو دنیا اسی کو کہتے ہیں
یاں ہے سب کی جُدا جُدا قسمت

ہوں کلیسا میں گاہ کعبہ میں
رہنے دے گی نہ ایک جا قسمت

مہرباں پھر ہوے وہ اے عاشق
دیکھئے اب دکھائے کیا قسمت

جذبۂ شوقِ شہادت سے بہت ہوں بیتاب
قتل کرنے میں مرے کرتے ہو تاخیر عبث

مبتلا اُس پہ نہ ہو جائے کوئی راز شناس
لئے پھرتا ہے دلا یار کی تصویر عبث

کی جبیں سائی تو واں روزنِ در بند ہوا
آگے تقدیر کے ہے رخنۂ تدبیر عبث

آجکل دیکھو تو آثارِ قیامت کی بنا
منع کرتے ہو اب دہر میں تعمیر عبث

نہیں ملتا وہ یار کیا باعث
دل کو ہے اضطرار کیا باعث

نشہ سے یار کو تو نفرت ہے
چشم ہے پُر خُمار کیا باعث

گر نہیں ہے وہ یار عکس فگن
دل ہے آئینہ دار کیا باعث

خون روتی ہے دمبدم قاتل
نگہِ انتظار کیا باعث

اک سیمتن کے عشق میں سیماب وار ہوں
کشتہ ہوں آج کل ہے مجھے زر کی احتیاج

پیشِ نظر مرے چمنِ حُسنِ یار ہے
خواہش ہے باغ کی نہ گلِ تر کی احتیاج

تصویرِ یار خود ورقِ دل پہ ثبت ہے
کاغذ کی ہے تلاش نہ مسطر کی احتیاج

ادنیٰ سا اک غلام ہوں اُس روحِ پاک کا
کیونکر نہ ہووے مجھ کو پیمبر کی احتیاج

عاشق کلام اپنا تو خود سُن بگوشِ جاں
معجز بیاں کو کب ہے سخنور کی احتیاج

دل چھیر کے پہلو سے وہ کب لے گیا قاتل
رہ رہ کے ستاتا ہے مجھے دردِ جگر آج

جان جاتی ہے ترے جانے سے یار
جب تو آجاتا ہے آجاتی ہے روح

جسم کو بے جاں ہمارے چھوڑ کر
ڈھونڈھنے تم کو نکل جاتی ہے روح

خطا ہوئی جو تمھیں دل دیا معاف کرو
کھڑا ہوں کب سے میں دیکھو گناہگار کی طرح

وہ بادہ کش ہوں کہ صوفی ہوں درحقیقت میں
وہ بے خبر ہوں کہ رہتا ہوں ہوشیار کی طرح

حال تنہائی کا اپنی میں کچھ اظہار کروں
گر تو مل جائے کسی دن مجھے تنہا اے شوخ

پرستش اُس بُتِ کافر کی کرتا ہے عاشق
کہ جس کے پرتوِ رُخ سے ہے مہرِ تاباں سُرخ

گل کس کو چمن کس کو کسے سرو و سمن یاد
باقی جو رہا بھی تو رہا گور و کفن یاد

خوابِ عدم دکھاتی ہو اک پل میں آن کر
اس طرح کون تجھ سے بھلا دل لگائے نیند

باندھا تصورِ قدِ جاناں تو سو گیا
عاشق مثل یہ سچ ہے کہ سُولی پہ آئے نیند

گورکن چاہیئے تعمیر ابد تک قائم | قبر عاشق سے قیامت ہے جو سر کا تعویذ

نامۂ سوز درون یار کو کیونکر لکھوں | آہ کے ساتھ ہی رہ جاتا ہے جل کر کاغذ
لکھنے بیٹھا جو میں اُس آئینہ رو کو نامہ | خامہ حیران مرا ہو گیا ششدر کاغذ

گر یونہی ہے خانۂ دل میں یہ الفت کی بنا | گھر بنا بیٹھیں گے اک دن عشق کی بنیاد پر
جوشِ وحشت میں اپنا جامۂ تن | رہ گیا تن میں دھجیاں ہو کر
لے چل اُس بحرِ حسن تک اے ابر | میری کشتی کا بادباں ہو کر
دہنِ زخم دیکھ کر خنداں | تیغِ قاتل چلی زباں ہو کر
تم چُھپکے ہی چُھپکے نہ بنایا کرو باتیں | گو پاس ہوں سُنتا ہوں وے دُور کی آواز

یوں تپیدہ ہو جگر اپنا دلِ زار کے پاس | جیسے بسمل ہو تڑپتا کوئی بیمار کے پاس
کفر سے باندھا ہے اسلام کو اک رشتے میں | پہنا تسبیح کو کافر نے جو زُنار کے پاس
ایک نظارہ سے بسمل تو ہوا ہے عاشق | سیکڑوں تیر ہیں اُس ترک ستمگار کے پاس

ہے بجا گر تو صنم مائلِ خود بینی ہے | ترے آئینۂ رُخ سے ہے سکندر بیہوش
تاب نظارہ ہمیں کب ہے ترے رُخ کے حضور | طور پر تھے ترے جلوے سے پیمبر بیہوش
تا قیامت نہ مُنھ سے بولوں گا | کیا کہا کیوں ہو بے سبب خاموش
جب سے اُس بے دہن کا عشق ہوا | بے زباں ہوں میں روز و شب خاموش
وہ نہ سمجھیں کہ اس کو سودا ہے | دلِ بیخود و بے ادب خاموش

روشنی ہے ترے رُخ کی ہر سو — کیا بنا سروِ چراغاں عارض
ہوا نہ حیف میں رفتارِ یار سے پامال — قلق یہ ہے مجھے کیوں اس میں میں رہا محفوظ
ہم اپنے رنج و مصیبت کو بھول جاتے ہیں — جو دیکھتے ہیں تمھیں تم ہو مرحبا محفوظ

دفن دل کے ساتھ ہی اک روئے روشن کا خیال — ہو سرِ مدفن مرے روشن نہ اب نہار شمع

منتشر کب ہے ہمارے شوخ پُرفن کا دماغ — نکہتِ گُل بن گیا اُس رشکِ گلشن کا دماغ

ایذا قفس کی دل سے جو منظور ہو تو چل — اے مُرغِ روح خانۂ صیاد کی طرف
دیوانہ کر گئی مجھے گُل کی نسیم بُو — ہوش اُڑ چلے ہیں نکہتِ بیمار کی طرف

ناصحا یار سے ملنے کو مجھے منع نہ کر — کس طرح اُلفتِ گُل دل سے اُٹھائے بلبل
وصل کہتے ہیں اسے باغِ جہاں میں عاشق — بس میں بلبل کے ہو گُل گُل کے حوالے بلبل

جب سے یہ دل ہو تری شکل پہ مائل قاتل — نہیں نظروں میں سماتا سرِ کامل قاتل
ہر رگِ تن تری تلوار کا دم بھرتی ہے — مرتے دم بھر خدا مجھ سے گلے مل قاتل

جب سے مجھ عاشق کو وہ بھولا ہوا ہے بیوفا — اس لئے ہر وقت کرتے ہیں خدا کی یاد ہم

وہ کون شے ہے جس میں کہ تو جلوہ گر نہیں — کس دل میں تیرے عشق کا اے جاں اثر نہیں
مجھ کو بہا کے اشک نے پہونچایا یار تک — باقی رہا جو نالۂ دل میں اثر نہیں

بیانِ عشقِ مجازی کی کیا حقیقت ہو — گناہگار سے آتی ہے پارسا کی بُو

نہ دیکھے غیظ سے عاشق کو پھر کوئی واعظ — بسے دماغ میں گر چشمِ فتنہ زا کی بُو

نزع میں جب اُس نے پکارا مجھے — ہو گیا جینے کا سہارا مجھے

ہو کے تصدق میں قدم چوم لوں — گر کہیں مِل جائے وہ پیارا مجھے

سُن کے ہوا دل جو مرا شاد شاد — کس نے بتاؤ یہ پکارا مجھے

سوزنِ عقل نے گو بخیہ گری دکھلائی — دستِ وحشت نے مگر جامہ دری دکھلائی

جرمنی نسل کے شعراء

(۱) نواب ظفر یاب خاں ۔ صاحب

(۲) فرانسس گادلیب کوئن ۔ فراسو

(۳) جان اِسمٹ

صاحب (نواب ظفریاب خاں)

خفا کیوں ہم سے ہو تو اے بُتِ بے پیر کیا باعث
سبب، موجب، گنہ، کچھ واسطہ، تقصیر کیا باعث

مٹا دو اب تو لوحِ دل سے تم حرفِ کدورت کو
خط آئے پر جو خط کرتے نہیں تحریر کیا باعث

ہوا ہے غرق دریا آشنائے زلفِ لہریا ں
نہ پوچھو موج کیوں پانی ہے ہو زنجیر کیا باعث

جگر اور دل کے میرے سامنے دونوں نشانے ہیں
لگاتا کیوں نہیں ظالم نگہ کا تیر کیا باعث

یہ وہ آہِ جگر ہے موم کر دیتی ہے پتھر کو
ترے دل میں نہیں پر شعر و تاثیر کیا باعث

مبارک موسمِ گل ہو یہ دیوانوں کو اے ہمدم
جنوں ہوتا ہے کیوں میرا گریباں گیر کیا باعث

کسی آئینہ رو کو آج دیکھا ہے کہیں صاحب
جو تو حیراں ہے شکلِ طوطیٔ تصویر کیا باعث

بیٹھے ہیں غیر یوں مرے دلبر کے آس پاس
جوں خار و خس روش کے گل تر کے آس پاس

ہے زلف حلقہ زن خطِ دلبر کے آس پاس
یا اژدہا ہے فوجِ سکندر کے آس پاس

لختِ جگر نہیں ہیں نمایاں مژہ کے گرد
بسمل پڑے تڑپتے ہیں خنجر کے آس پاس

صدقے ترے اسیر نہ کر دامِ زلف میں
دے چھوڑ مرغِ دل کو پھر اس سر کے آس پاس

پروانہ جوں نثار ہو فانوسِ شمع کے
پھرتا ہوں اس طرح سے ترے گھر کے آس پاس

صاحب ہے آرزو مرے دل کی یہی مدام
سر ہووے آستانۂ دلبر کے آس پاس

دیکھی جو قامتِ ستم ایجاد کی طرح
نظروں سے گر گئی مری شمشاد کی طرح

گالی ہے بات بات میں بوسہ پہ جھڑکیاں
ارشاد کی وہ شکل یہ امداد کی طرح

نشتر لگائے ہے رگِ جاں میں ہر ایک پل
نوکِ مژہ ہے چشم وہ فصاد کی طرح

ہے صاف شکل آئینہ زانو وہ تس پہ قہر
روئیں عیاں ہیں جوہرِ فولاد کی طرح

دل کیوں بنے نہ رشکِ پرستان کہ جلوہ گر ۔۔۔ یاں ہے خیالِ دوست پریزاد کی طرح
گرچہ ہوئے ہیں عاشق و معشوق یاں بہت ۔۔۔ یعنی ہر ایک ہی ہے ایجاد کی طرح
ہم تم بھی فیضِ عشق سے مشہور ہو گئے ۔۔۔ لیلی و قیس، شیرین و فرہاد کی طرح

صاحب چمن میں کس کے تماشے کو دیکھیے
بن کر کھڑا ہے سرو یہ آزاد کی طرح

بام پر بیٹھا تو ہے تو پہن کر پوشاک سُرخ ۔۔۔ ہو نہ خونِ عاشقاں سے دامنِ افلاک سُرخ
بہ گیا دل خون ہو آنکھوں سے پوچھا تو نے پھر ۔۔۔ جیب و داماں کیوں ہے تیرا عاشقِ غمناک سُرخ
بحرِ خوں ہے اسقدر کشتوں کا تیرے موجزن ۔۔۔ مثلِ سرخاب اب نظر آتا ہے یہ پیراک سُرخ
اشک گلگوں کے نہیں قطرے یہ ہم نے بہر شغل ۔۔۔ چشم کے پنجرے میں پالے ہیں بُتِ بیباک سُرخ
کب نمایاں ہے شفق بُلبل یہ ہے جوشِ بہار ۔۔۔ عکسِ گلشن سے ہوا آئینۂ افلاک سُرخ
اشکِ خونیں ماتمِ شبیر میں گرتے ہیں کیا ۔۔۔ ہے گلے میں میرے یہ تسبیح خاکِ پاک سُرخ

کس کو گلگشتِ چمن کی ہے ہوا صاحب کہ اب
ہے برنگِ تختۂ گل سینۂ صد چاک سُرخ

کیوں تو رکھتا ہے بھلا جانبِ گلزار نظر ۔۔۔ اپنے مکھڑے پہ کر آئینہ میں اے یار نظر
کیا ہے ابرو کو چڑھا کی ادھر اے یار نظر ۔۔۔ مُرغِ دل کی ہے دلِ مُرغ نمط یار نظر
خوب لگتی نہیں نظروں میں شعاعِ خورشید ۔۔۔ جب سے آیا ہے ترا طُرۂ زرتار نظر
دے ہے تشبیہ میاں تیغِ صفاہانی سے ۔۔۔ جس کو آئے ہے تری ابروئے خمدار نظر
مردماں سمجھو نہ تم اشکِ مسلسل کا تار ۔۔۔ پہنے ہے عشق میں اُس بُت کے یہ زُنّار نظر
ناتواں حسرتِ دیدار سے ایسی ہے کہ آہ ۔۔۔ بن عصائے مژہ اُٹھتی نہیں اے یار نظر
تختِ دل کی مرے یوں نوکِ مژہ پر ہے نمود ۔۔۔ آئے ہے جیسے کہ منصور سرِ دار نظر
دل کو میں نذر کروں اپنے سراسر صاحب ۔۔۔ آوے گر اب کی مجھے پھر وہ مرا یار نظر

عارض پہ تیرے خط نہیں اے مہ جمال سبز
لایا ہے پر یہ طوطیٔ حسن اب نکال سبز

آوے چمن میں اوڑھ کے گر سر پہ شال سبز
ہو روبرو نہ ایک بھی اُسکے نہال سبز

کیونکر نہ اُسکا طائرِ حُسن آہ صید ہو
رو کے رہے ہے آئینہ جوہر سے جال سبز

ہر رنگ میں ہے اُسکی ہی نیرنگیوں کا رنگ
ہے ایک پیشِ اہل نظر رنگ لال سبز

اپنا ہی ایک خشک ہے نخل اُمید آہ
ورنہ ہوا ہر ایک شجر اب کی سال سبز

کچھ بدر کا ہی دیکھ تجھے مُنھ نہ ہو سفید
ابرو کے روبرو بھی نہووے ہلال سبز

سرسبز ہووے کیونکہ نہ صاحب مری غزل
ہے دل میں خطِ سبز کا اُس کے خیال سبز

ہے میرے بُت کی نامِ خدا یہ ستم تراش
بن جائے دیکھ کر بُتِ آذر صنم تراش

خط لکھنے کو اُسے نہ دِلا تو قلم تراش
درکار کلکِ آہ کو ہے کیا قلم تراش

مژگانِ چشم تولیں جو لے کے نگہ کی تیغ
کیونکر نہ فوجِ صبر کے ڈالیں عَلَم تراش

فرہاد سے ہو کوہ کنی کب نہ وہ اگر
شیریں سی رکھے روبرو شکلِ صنم تراش

ہو جائے لطف کی نظر اے حضرتِ مسیح
صاحب کے دل کے صفحہ سے حرفِ الم تراش

دیکھے ہم نے ترے رشکِ مہِ تاباں عارض
اب چھپاتا ہے عبث تو تہِ داماں عارض

ہو خریدار زلیخا کی طرح شوخی سے
دیکھے اُس ماہ کے یوسف جو عزیزاں عارض

ہمنشیں پوچھوں میں کیا وجہ اب اسکی کہ ترے
یعنی کیوں خط سے مخطط ہیں یہ جاناں عارض

عندلیبِ دلِ عاشق کے سبق لینے کو
بوستاں ایک ہی ہے اور گلستاں عارض

دمبدم آئینہ کیا دیکھ کے پھولے ہے تو
ہم نے جانا کہ ہیں اچھے ترے جاناں عارض

دل کو کیا صبحِ وطن یاد رہے اے صاحب
شانۂ زلف کے ہے شامِ غریباں عارض

دم ہے آنکھوں میں نہیں قاتل تجھے تاخیر شرط — صیدِ بسمل کو ہے ترکِ چشم کی تکبیر شرط
بن لڑائے آنکھ پروانے سے رہنے کا نہیں — شمع کے سر کو ہے رکھنا شب تہِ گلگیر شرط
دل ہی گر لینے کی خواہش زلف کا مت چھوڑ دھیان — یعنی پاس اپنے ہے رکھنا دامِ ماہی گیر شرط
تا وہ حیرانی کو میری دیکھکر ٹک رحم کھائے — اُسکے در پر ہے لگا دینی مری تصویر شرط
تا نہ عالم میں لگاوے پھر کسی سے کوئی دل — لاش کو میری ہے کرنا شہر میں تشہیر شرط
ہوں میں دیوانہ کمر پر اُس گلِ خوبی کے آہ — ہے رگِ گل سے صبا کرنی مجھے زنجیر شرط

لگ گیا تو تیر صاحب ورنہ پھر تُکا تو ہے
پھینکنا ایک اُسکی جانب آہ کا ہی تیر شرط

کیا عزمِ سفر اُس مہ نے کیا کہہ کر خدا حافظ — ہوا گردش میں طالع کا مرے اختر خدا حافظ
خیال اُس کی مژہ کا ایک پل دل سے نہیں جاتا — لگا دیوانہ رکھنے ہاتھ میں خنجر خدا حافظ
کہیں سیماب سا اُڑ نہ جائے بیقراری سے — نکالے طائرِ دل نے ہیں بال و پر خدا حافظ
یوں ہی گر اشک کے قطروں میں لختِ دل کا آنا ہے — تو چشمِ دل کا مردم بیچ چکا اب گھر خدا حافظ

نہیں کچھ دل میں ڈر صاحب کے ہونگے حشر کو میرے
مرے حامی مرے یاور وہ پیغمبر خدا حافظ

گر پریرو سے کیا چاہے ملاقات شروع — کر دلا کچھ عملِ حُب کی تو آیات شروع
متبسم ہوئے غنچے تجھے کیا باغ میں دیکھ — چشمِ نرگس نے کئے گُل سے اشارات شروع
ناصحو میں تو کروں وصل کی تدبیر اور تم — قصہ و پند کرو قبلۂ حاجات شروع
چشمِ مستِ بُتِ کافر کا دلا چھوڑ خیال — تو نے بے وجہ یہ کی سیرِ خرابات شروع
دل کو رکھنے لگیں بس ہجر کی راتیں مشکل — ہوئی یہ وصلِ دو روزہ کی مکافات شروع
نان و قلیہ کے لئے شیخ جی لاتے ہیں یہ حال — برت[1] کے واسطے کی زورِ کرامات شروع
دیکھ گریہ کو مرے خلق کہے ہے صاحب — اب کے موسم سے ہوئی آگے ہی برسات شروع

[1] لفظ ہندی یعنی روزہ

پاتا ہے کون آپ سے عیار کا دماغ | ہے ان دنوں کچھ اور ہی سرکار کا دماغ

خورشید رُو کے ذرہ نہ دل میں اثر کیا | گو ہے فلک پہ آہ شرربار کا دماغ

آہستہ آہِ سینے سے کیجو مرے گذر | نازک بہت ہے اس دلِ بیمار کا دماغ

ٹک سیر کو گیا تھا اُدھر رشکِ گُل مرا | جب سے ہے اور ہی گل و گلزار کا دماغ

خوف و رجا میں تاب کجا رہیے اب تو یاں | اقرار کا دماغ نہ انکار کا دماغ

کرتے ہیں مردمانِ صدف پُر گہر یہ طعن | ٹک دیکھیو یہ چشمِ گہربار کا دماغ

انساں تو چیز کیا ہے نہیں پاتے قدسیاں
صاحب غلامِ حیدرِ کرار کا دماغ

بغیر تیرے کرے اُسکا کوئی کیا انصاف | تو عاشق اپنے کا کر اب اے دلربا انصاف

قبا تو وا کرے ہر گل کی بلبلیں کھولیں | یہ کیا روش ہے تری تو ہی کر صبا انصاف

کریں ہیں بیٹھ کے بالائے بوریا انصاف

وہ بعدِ مرگ بھی آیا نہ قبر پر میری | ہوا نہ مجھ سے بے آئے یہ قضا انصاف

میں داد خواہ ہوں کس سے ہیں سب اُسیکی طرف | مرے تو حق میں ہے سارا جہان نا انصاف

مری بھی داد سنانے دے اے مرے صاحب
کہ تم سے چاہتے ہیں شاہ اور گدا انصاف

خدمت کریں یہ چشم کی بھی مردماں تلک | آوے وہ شوخ چشم جو میرے مکاں تلک

اُس بت کے تیغ ابرو کی ثانی نہ دیکھی تیغ | کی جستجو میں ہند سے لے اصفہاں تلک

آیا نہ بعدِ مرگ بھی تربت پہ وہ کبھی | کھویا میں جسکے عشق میں دل اور جاں تلک

تجھ بن صبا ہے کون ہوا خواہ جس کا ہاتھ | بھیجے خبر قفس سے مری گلستاں تلک

چھاتی ہے کس کی جو تری محرم سوا کوئی | پہونچائے ہاتھ دھگدھگی اور عطرداں تلک

میں کیا کروں اثر ہی چرا جائے جی اگر | پہونچی کمندِ آہ بھی شب لامکاں تلک

معنی ہر ایک مصرعہ سے روشن ہیں کیا ترے
صاحب ہے جس کی دھوم خطِ کہکشاں تلک

گر وصفِ زلفِ یار لکھے مو بمو قلم — ہو جائے ایک قلم یہ مرا مشکبو قلم
ہے فصلِ گل وبال نہ صیاد سر پہ لے — مرغِ چمن کے سر کو نہ کر دیکھ تو قلم
نظروں میں یار کے رگِ گل کی لگی ہے پیچ — وصفِ کمر لکھوں میں اگر لے کے مو قلم
لکھنے جب اسکو بیٹھوں ہو نمیں وصفِ دل کا حال — کاغذ گرے ہے ایک سو اور ایک سو قلم
دے اُسکو کیونکہ نامہ مرا جا کے نامہ بر — ڈرتا ہے سر کرے نہ کہیں تند خو قلم

صاحب اُسے نہیں غمِ محشر اگر تو پھر
کاغذ پہ کیوں یہ روتی ہے رکھ رکھ کے رو قلم

بیٹھ اک دم یار کے دل کو گوارا ہو نہ ہو — مرغ میں ہوں دیکھئے ملنا دوبارا ہو نہ ہو
کیا گیا ہے کوہکن چھاتی پہ رکھ کر کوہِ غم — بات عالم میں یہ اُس کی نقش خارا ہو نہ ہو
دیر قاصد نے لگائی اور چلی جاتی ہے رات — دل دھڑکتا ہے کہ گھر میں وہ پیارا ہو نہ ہو
گوشۂ ابروئے قاتل ہلتے ہی میں نے کہا — یعنی میرے قتل کا ہے یہ اشارا ہو نہ ہو
آہ و نالے کی چلا ہے فوج تو لے ساتھ قیس — دیکھیئے ملکِ جنوں کا پر اجارا ہو نہ ہو

صاحب اُسکے زلف کے حلقہ میں دیکھو خال کو
جلوہ گر ابرِ سیہ میں یہ ستارا ہو نہ ہو

لگ مرے سینے سے وا اٹک کر کے محرم کی گرہ — تا کھلے میرے دلِ پر درد و پر غم کی گرہ
دیکھ مژگاں کی ترے جنبش تھمے کیونکر نہ اشک — پنجۂ خورشید ہی کھولے ہے شبنم کی گرہ
ہے دلِ شامت زدہ از بس اسیرِ ناتواں — کھولیو آہستہ شانہ زلفِ پر خم کی گرہ
شکلِ آتش ہو نہ سرکش آبرو چاہے ہے اگر — بندھ رہی ہے باد سے اُس خاکِ آدم کی گرہ
عاقبت جانا ہے خالی ہاتھ یاں سے منعمو — باندھ کر رکھئے عبث ہو دام و درہم کی گرہ

کس روش کھووے ہے صاحب آنکر بادِ نسیم
صبح ہر تارِ رگِ گل سے یہ شبنم کی گرہ

نظر آیا مجھے شب بام پہ پیارا اپنا
بارے اب کچھ ہے بلندی پہ ستارا اپنا

شمع کے چہرہ پہ یوں پیچاں رہے ہے موجِ دُود
جسطرح مُنہ پہ لٹوں کو کوئی جو گن چھوڑ دے

ہے امامِ پاک کی تجھ کو قسم مت چھیڑ جان
ٹوٹ ہی جاوے گا ڈورا دیکھ سُمرن چھوڑ دے

قصیدہ در مدح نواب ظفر یاب خاں بہادر صاحب من تصنیف مکرم الدولہ بہادر بہادر بیگ خاں غالبؔ

(از انتخاب)

جو شخص اہلِ فضل ہیں اور صاحبِ کمال
گردوں کو اُنکے ساتھ ہے نت جنگ اور جدال

از بسکہ اس کے دور میں ہے سفلہ پروری
محتاج جگ میں اہل ہیں نااہل ہیں نہال

دے ہے جواب صاف یہ آئینۂ فلک
نادان ہے وہ جو کوئی اس سے کرے سوال

دشمن تو خلق کا ہے یہ گردونِ دوں ولے
اہلِ کمال کو یہ رکھے ہے شکستہ حال

کیا قدر و قیمت اپنے سخن کی ہو اب اُنھیں
نزدیک جسکے ایک ہے یاں گوہر و سفال

تھی بسکہ مجھ کو شکوۂ دوراں سے گفتگو
کرتا تھا بے تمیزیٔ عالم سے یہ مقال

سُنتے ہی اسکے وہ ہیں خرد نے کہا خموش
ناداں گیا ہے اب ترا کس طرف کو خیال

یہ بات ہے درست جو کہتا ہے تو ولے
جو قدر دانِ اہلِ سخن ہیں سو خال خال

ہے نکتہ رس جہاں میں چنانچہ بس ایک شخص
وابستہ جسکی ذات سے ہے فضل اور کمال

نواب قدر دان ظفر یاب خاں ہے وہ
بخشش نے جسکی ابر نمط کر دیا نہال

ہر چند ہو جہان میں اہلِ کرم کوئی
لیکن عدیل اُسکا ہو کوئی سو کیا مجال

از بسکہ اُسکے عہد میں ہے عیش اور طرب
نے خاطرِ شکستہ ہے نے دل پُر از ملال

وہ اُسکا دستِ جود و کرم ہے گہر فشاں　　نیساں بھی جسکے سامنے کھینچے ہے انفعال

رفعت کو منزلت کی میں اُسکے کہوں سو کیا　　ہے چاکروں میں جسکے یہ خورشید اور ہلال

مطلع ثانی

اے وہ کہ تیری مدح کی اب یاں کسے مجال　　ہے ذات تیری مجمع صد خوبی و کمال

ہمت تری کرے نہ کبھو اس پہ اکتفا　　ہوویں تمام کانِ جواہر اگر جبال

محتاج پھر ہوا نہ کسی کا تمام عمر　　اک بار جس گدا نے کیا تجھ سے کچھ سوال

دریا دلی پہ آئے جو دستِ کرم ترا　　قطراتِ ابر کی طرح گوہر ہوں پائمال

حدِ ادب ہے آگے تو غالب خموش رہ　　شاید کہ ہووے طول سخن موجب ملال

کرتا ہوں میں کلام یہ یعنی دعا پہ ختم　　ہووے الٰہی عمر تری صد و بست سال

جو آرزوے دل ہو سو وہ کامیاب ہو　　اور تیرے دوست شاد ہوں دشمن ہوں پائمال

(بیاض فراسو)

قصیدہ در مدح نواب ظفر یاب خاں بہادر صاحب من تصنیف شاہ نصیر دہلوی

(از انتخاب)

جہاں میں یمن قدم سے ترے بربِ غفور　　ہر ایک طرف ہوئی محفلِ نشاط و سرور

سُرور و عیش و مینا رہے چہار طرف　　نوائے بربط و قانون و نغمۂ طنبور

کرے ہے رقص فلک ہو زمیں پہ مستانہ　　صدائے کوس طرب کا یہاں تلک ہے شور

سبو بدوش ہے کیا باغ دہر میں غنچہ　　کہ گل ہی کثرتِ شبنم سے رشکِ جامِ بلور

بلند دست مژہ کیوں نہو کہ ہے ہم چشم　　ہلال عید سے ابروئے ساقیٔ مخمور

برنگِ غنچہ ہوئی ہے شگفتگی حاصل　　دلِ فسردہ مرا بھی غرض ہوا مسرور

تری جناب میں نواب آفتاب سریر　　قصیدہ اب مجھے لکھنا یہاں ہوا ہے ضرور

رقم کروں ہوں تری مدح میں یہ اک مطلع　　کہ جس سے مطلع خورشید میں دو چند ہو نور

نگاہِ لطف و کرم ہو کہ مطلعِ ثانی | پڑھوں ہوں یعنی میں اب ہو کے باریابِ حضور
بیان واقعی یہ ہے کہ عہد میں تیرے | کم از نگینِ سلیماں نہیں ہے چشمِ مور
ہُما یہ سایہ فگن ہے ترا جو ابرِ کرم | ہوا پہ اپنی ہوا آج باندھتے ہیں طیور
نگاہِ لطف سے رکھتا ہے تو محیطِ سخن | دلِ فگار خلایق پہ مرہمِ کافور
سدا ہے خلق نمک خوارِ مطبخِ سرکار | کہ نانِ گرم بہ از مہر رشکِ چرخِ تنور
دکھائے جنبشِ ابرو اگر تری شمشیر | تو برق آنکھ ملائے نہ اُس سے تا مقدور
عنانِ عزم کو کیا کوئی تیرے موڑ سکے | ترے قدم پہ سر اپنا رکھے ہیں اہلِ غرور
رقم میں کیا ترے سرنگ کی کروں تعریف | کہ جسکا دامنِ زیں مثلِ صبح ہے پُر نور
شکوہِ فیل بھی کچھ کم نہیں ہے کوہ سے اب | جو نام لیجے تو ہو جائے ہے دہن معمور
عرق فشاں وہ نہیں اب ہے جوشِ مستی سے | ستارہ ریز نظر آئے ہے شبِ دیجور
زبانِ خامہ ہے فرسودہ دیکھ طولانی | اب آگے چھیڑیے کس مُنہ سے اور کچھ مذکور
صلہ میں اسکے ہی نواب آج خلعت و زر | جو بخشدے تو نہیں ہمت و کرم سے دُور
نصیر ختم دعا پر کر اس قصیدے کو | کہ وصفِ جاہ و حشم کس سے ہو سکے محصور

جہان اور ظفریاب خاں بہادر ہو
نشاط و عیش رہے دست بستہ اُسکے حضور

(بیاض فراسو)

انتخاب کلامِ فراسو

دیوان غزلیات در صنعت تجنیس مکرر

شکوہ یار نہ کر دل تو عبث ہر جا جا | راز پنہاں کو نہ کر خلق میں بے پروا دا
ایک بوسہ کو بھی وہ اب مجھے ترساتا ہے | کوئی بے ترس نہیں میرے بُتِ ترسا سا

منفعل آپ کے رخسار سے ہے گر گلِ سُرخ　　دلِ پُر داغ سے اپنے بھی خجل ہے لالا
بُتِ کافر ترے کوچہ میں اگر آ نکلے　　شیخ صاحب کا نہ ہرگز ہو کبھی برپا پا

تیرے مُنھ کے دید کی رکھتا نہیں مہتاب تاب　　اور لبوں کو دیکھ کر ہے منفعل عناب ناب
دل مرا یوں حلقۂ کاکل میں پھنس کر رہ گیا　　جوں ڈبادیوے شناور کو کوئی گرداب داب
سنگ پر در کے ترے سر کو پٹک کر اپنے آج　　تیرا کھلواؤں گا میں اے ماہرو ہر باب باب
شیخ بک بک کر مُرید اپنے کی کھاتا ہے جان　　جب تلک روغن میں سالن کے نہو غرقاب قاب

دیکھ کر چل ہیں فراسو کے پڑے لختِ جگر
دیکھ پاؤں کے تلے مت یہ گلِ شاداب داب

قتل کا میرے ارادہ ہی اگر دل میں ترے　　جُرم کے قابل تو کر لے پہلے کچھ اثبات بات
کہکشاں ہی منفعل ایسی نہیں اے ماہرو　　ہے تمھاری مانگ کے آگے رہِ ظلمات مات
شیخ ہی کیا اے صنم طوفِ حرم کو چھوڑ دے　　گبر مجھ کو دیکھ کر مارے بفرقِ لات لات

لگ گیا جس سے فراسو دل وہی محبوب ہے
عشق میں کب پوچھتا ہی کوئی نیکو ذات ذات

مہر و مہ شمع گل بہار ایک دو تین چار پانچ
جلتے ہیں تجھ سے گلعذار ایک دو تین چار پانچ
محنت و درد و رنج و غم اور الم یہ رات دن
کرتے ہیں مجھ کو خوار و زار ایک دو تین چار پانچ
نالۂ و گریہ آہ و اشک اور فغاں ترے بغیر
میرے ہوے ہیں دوستدار ایک دو تین چار پانچ

طاقت و تاب و خواب و خور اور قرار پیش کش
لایا ہوں اپنے اے نگار ایک دو تین چار پانچ

فہم و ذکا و جان و تن اور یہ دل مرے ہوے
تیرے غلام میرے یار ایک دو تین چار پانچ

وحشت و ضبط اور جنوں داغ و الم ہم اے صنم
دے چلے تم کو یادگار ایک دو تین چار پانچ

عشوہ نگہ ادا و ناز اور ہے غمزہ ہر کاب
ساتھ ہیں تیرے شہسوار ایک دو تین چار پانچ

مینا و جام و آئینہ نرگس و چشم جلد آ
کھینچے ہیں تیرا انتظار ایک دو تین چار پانچ

دولت و دین و مال و زر اور جہان تجھ پہ سب
کر دیے ہم نے سب نثار ایک دو تین چار پانچ

پڑھ تو فراسو اور غزل جلد ردیف پھیر کر
بیٹھے ہیں گرد غمگسار ایک دو تین چار پانچ

کر کبھی تو دل ہمارا غیرتِ شمشاد شاد   دے کبھی عاشق کی اپنے قاتلِ بیداد داد

منہ شتابی سے دکھا جا کھول کر دلدار در   ورنہ جاوے گا کوئی دم میں ترا بیمار مر
دل کبھی میں نے نہیں ہرگز کسی بت کو دیا   کیوں مرے سر باندھتے ہیں آپ کی سرکار کر
حیف تیرے دل پہ کیا پتھر پڑے شیریں دہن   کوہکن کے غم میں پھوڑے ہی سر کہسار سر
بزم میں مستوں کی جا نکلے تھے شاید کیا کہیں   دُردمے ہیں کس لیے ہی شیخ کی دستار تر
لکھ بدل کر قافیے کو اے فراسو شعر تو   ہو غزل جس میں تری مشہور اب وہ کار کر

چاہنے والوں پہ کھینچے کیوں نہ وہ شمشیر شر
قاتل عالم ہے اسکے حسن کی توفیر فر

دیکھ اُس لیلی منش کی حسن کی توفیر فر
مثل مجنوں ہو ہمارے دل میں بھی تدبیر بر

تھی ہمارے بر کو خواہش بر میں آوے سیمبر
پر نہ آئی بر ہزار افسوس یہ تدبیر بر

کر ہے گوشِ گل نہیں سنتا کسی کی وہ فغاں
رو نہ اے شبنم عبث بلبل نہ کر تذکیر کر

خشک ہوں آنسو نہ کیونکر چشم میں آ مرداں
دل مرا سہما ہے کھا خونیں نگہ کا تیر تر

ہو قدم رنجہ ہمارے گھر کبھی خانہ خراب
بند رکھے کب تک اپنا دیدہ تقدیر در

شیخ کو کہہ دو گدھی پر چڑھ حرم کو جا شتاب
خوش نہیں آتی ہو اب رندوں کو یہ تاخیر خر

کر دیا آخر کو پائے دلبر سرکش کی نذر
اے فراسو اب بیاں کیجیے گا کیا تفسیر سر

ہم نے تدبیریں بہت کیں وصلِ دلبر کے لیے
بس کہ کیا کیجیے نہیں آئی کوئی تدبیر بر

قصر گو مثلِ فریدوں ہے ترا تو کیا ہوا
عاقبت جانا ہے اے مردم بنا تعمیر مر

غازہ افشاں تیرِ مژگاں تیری ابرو ہی کماں
خون سے صیدِ دل میں ہی تیر مژہ کا تیر تر

جاہ کی ہم کو ہوس نے خواہشِ توقیر فر
ہم گدا صحرا نشیں ہیں ہے ہمیں تدبیر بر

حیف کس تدبیر سے اُس نے بنائی تھی بہشت
پر نہ کچھ معلوم تھی شداد کو تقدیر در

خوبرو کوچے میں تیرے ہو گیا ہی قتلِ عام
تیرے کوچے میں نظر آئی ہمیں تکبیر سر

اُس جواں نے تیر مارا تھا کبوتر کو مرے
اب تلک اچھا نہیں ہوتا وہ زخمِ تیر تر

کیوں نہ ہوں اعضا سے ہم آ غیرتِ گلزار زار
ان دنوں میں ہو گئے تیرے بہت اغیار یار

بزم میں اسکی نکل آنکھوں سے مت کر فاش بھید
ورنہ پاوے گا یہاں تو دیدۂ خونبار بار

ہے مزاج از بسکہ نازک اُس گلِ شاداب کا
باندھ مت باتوں کا اُس سے صاحبِ گفتار تار

پھیر یو اُسکی رضا سے منھ نہ اے منصور تو
واسطے تیرے کرے تیار گر دلدار دار

دیکھ مت کر اُس سے تو ہرگز زیادہ اختلاط ۔ کاکلِ پیچاں ہے اُسکی اے دلِ بیمار مار

اے فراسو جو کہ ہیں درویش دل برداشتہ
کرتے ہیں دنیا کا وہ سب از رہِ انکار کار

کھینچے نہ کیونکہ آہِ شرر بار بار بار ۔ بے ڈھب ہوے ہیں آپکے اغیار یار یار

آنکھوں نے میری آبروئے ابر دی گھٹا ۔ رو رو کے تیرے غم میں دلا زار زار زار

تیری نگہ کی تیغ میں بُرِش ہے اس قدر ۔ ڈالے ہے جسکے زخم پہ تلوار وار وار

خوبی دکھاتی ہے دہن وچشم کی ترے ۔ غنچہ سے آنکھ نرگسِ بیمار مار مار

ہیکل سے کیا فقط مرے جی کو نہیں ہے کل ۔ جاتا ہوں دل کو دیکھ ترا ہار ہار ہار

خوش آئے سیرِ گل اُسے کیونکر کہ تم بغیر
ہے دل فراسو کا گلِ بے خار خار خار

کوہکن ہی نے نہیں پھوڑا سرِ کہسار سر ۔ عشق کی آتش نے لاکھوں کر دیے فی النار نر

ہم نہیں کہتے کہ ہم پر جور کر یا ظلم کر ۔ جس سے عالم میں بھلا کہویں تجھے وہ کار کر

پرورش کرتا ہے اشجارِ مژہ کی تو عبث ۔ کچھ نہیں ملنے کا اس سے دیدۂ خونبار بر

وصل اُسکا کیونکہ آئے عاشقِ مفلس کے ہاتھ ۔ مانگتا ہو ہر گھڑی جو غیرتِ گلزار زر

زاہدِ خشک آگیا تھا بیچ میں رندوں کے کیا ۔ جو ہے مے سے آج تیرا جبہ و دستار تر

لے خبر جلدی سے آکر اُسکی اے میرے مسیح ۔ ورنہ جائے گا کوئی دم میں ترا بیمار مر

خیر چاہے تو فراسو اُسکی محفل میں نہ جا
لائے گا ناحق وہ مجھ سے دلبرِ سرشار شر

چشمِ شفا رہی نہ طبیبوں سے مردماں ۔ اُس چشم نے مجھے کیا بیمار مار مار

عالم سے جس نے دل تجھے بیگانہ کر دیا ۔ ہوتا وہ کیوں نہیں بُتِ عیار یار یار

ساقی شتاب آکہ چمن میں ترے بغیر ۔ ہے فصلِ گل میں بھی دلِ میخوار خوار خوار

فرہاد ایک ہو گیا حمال کوہِ عشق　　ورنہ کسی سے اُٹھتا ہے یہ بار بار بار

گُل کی طرح سے سنبل کاکل کے ہجر میں　　ہیں اپنے جیب و دامن و دستار تار تار

غیروں کے سر کا طرّہ نہ کر گلبدن کہ ہم　　چھاتی سے ہیں لگے ترے جوں ہار ہار ہار

جینے سے کیوں نہ ہاتھ اُٹھاؤں میں اب بلا　　بیٹھا ہے میرے قتل کو تیار یار یار

ابرو کو رشک مہ کے فراسو جو دیکھ لے

اپنی ہلال پھینک دے تلوار وار وار

لختِ دل نکلے ہیں اب تو بار بار　　زور لایا دیدۂ خونبار بار

نالہ و زاری کروں کیونکر نہ میں　　دل ہے میرا غیرتِ گلزار زار

تجھ کو اے شیریں نہیں معلوم کچھ　　کوہکن کی جان سے ہے کُہسار سار

چشمۂ خوبی ترے مُکھڑے پہ اب　　پیتے ہیں پانی سدا ہم وار وار

اُسکی چھاتی پہ فراسو ہار دیکھ

دیدیا دل ہم نے آخر ہار ہار

ہے ترے مژگاں کا تازہ دل میں زخم تیر تر　　کھینچتا تس پر ہے کیوں ابرو کی تو شمشیر شر

مثل مجنوں کے ہو نہیں حیرت زدہ اے دوستو　　عشق میں لیلی وشوں کی ہو مجھے تدبیر بر

وصل تھا جب تو کھُلے تھا اب سدا رہتا ہی بند　　کھُولتی ہے دیکھیے کب وصل کا تقدیر در

سودا ہے زلفِ یوسفِ ثانی کا اسقدر　　روتے ہیں ہم کھڑے سر بازار زار زار

اُس رشکِ مہ کے دانتوں پہ جس دن سے دانت ہے　　ہوتی ہے چشم میری گُہر بار بار بار

منصور جو خوشی سے سر دار پر گیا　　شاید کہ جانتا تھا وہ سر دار دار دار

گلدستہ سی فراسو غزل میری دیکھ کر

ہووے دلِ حدیقۂ پُر خار خار خار

گر کریں افشا جہاں میں اسکا سب ہم راز راز — عشق سے تو بھی نہ آوے عاشقِ جانباز باز

ہمدم اپنا اسطرح رہتا ہے نالہ دوستو — جسطرح مطرب کا رہتا ہے سدا دمساز ساز

ہو نیاز و عجز بھی میرا پذیرا گاہ گاہ — یوں سدا لازم نہیں اے دلبرِ طنّاز ناز

پنجۂ مژگاں ہے کیا تیری نگہ کا سخت گیر — صید سے دل کے نہیں آتی ہے یہ خونباز باز

شیشۂ دل چور رہا اس غم میں اپنا دلربا — پی نہ تو نے ایک دن بھی ہم سے باہم مل کے مُل

گر یونہیں جاری رہے گی چشم میری رات دن — سیل یہ توڑے گی بحرِ بیکراں کے پل کے پُل

یک قلم ہنسنا ترا یہ دیکھ کر اے غنچہ لب — مُنھ سبھی کلیوں کے گلشن میں گئے ہیں کھل کے کھُل

جو فراسو ناگہاں دلبر وہ آ نکلے اِدھر
تو ابھی کھُل جائیں عقدے ہجر کی مشکل کے کُل

دیکھ کر گلشن میں ہر دم تیرے دانتوں کی دمک — زخمِ دل پر ہو چھڑکتی بوندِ شبنم کی نمک

یوں سرِ مژگاں پہ میرے لختِ دل ہی جلوہ گر — جیسے نیزہ پر نظر آتی ہے پرچم کی چمک

کل جو میں نے عرض کی اُس بات کی اُس شوخ سے — پاس سے میرے گیا بتلا کے اک دھمکی دھمک

مُنھ چھپایا ابر کے پردے میں مہ نے ہو خجل — رات چلمن سے جو برقِ حُسن کی چمکی چمک

راستبازوں کا فراسو کیوں نہووے جی نڈھال
قہر ہے اُس تیغۂ ابروے پُرخم کی خمک

پی کے دو مے مست بیٹھا ہی رہا اے جی میں ہی — بھیجے مثلِ کباب اب تل کے دل کو اُن تلک

یوں نظر آتا ہی مُنھ اودے دوپٹے سے ترا — جسطرح ابرِ سیہ سے جھلکے سورج کی جھلک

یہ نہیں اشراف کے کرتا نیازوں کو قبول — اور اُٹھاتا ہے سدا اسفل کے یاروں کو فلک

کیا پریشانی کھولا اب اپنی میں بختِ سیاہ — بال وہ جھٹکے ہوے دل کے بنے جنجال جال

گر نہیں دل میں کہ مجھ پر کیجیے مہر و کرم
سن تو لیجیے جان تھوڑا سا مرا فی الحال حال

لعل و دُر ہیں اشک و لختِ دل ابھی ضائع نہ کر
اے فراموش مفت میں ہوتا ہے یہ پامال مال

لگا کہنے میں کچھ اُن سے تو غصہ ہو لگے کہنے
کیا کر تو نہ مجھ سے آنکر یوں آجکل کل کل

ارادہ میرے گھر چلنے کا مدت میں کیا تو نے
خدا کے واسطے کا فرنہ یوں ہر دم مچل چل چل

روز و شب دیتا ہے مجھ کو عشق کا پیغام غم
مدتیں گذری ہیں دل سے کر گیا آرام رم

اک جہاں نالاں ہے میرے نالۂ شبگیر سے
اب تو یہ جور و ستم کیجیے بُتِ خودکام کم

جب تلک ہے دم میں دم دم کا ترے ہمدم ہوں میں
غیر کی خاطر نہ دے مجھ کو ستمگر اندام دم

آبروئے عشاق کی ملجائے گی سب خاک میں
مت کہیں محفل میں ہو نا دیدۂ بدنام نم

کون ٹھہرا ہے فراموش میکدہ میں یاں کے آہ
عاقبت جاتا رہا یاں چھوڑ اپنا جام جم

جب سے ملتا ہے ہمارا وہ بُتِ خودکام کم
کر گیا ہے تب سے یارب دل سے کچھ آرام رم

چشمِ میگوں نے صنم کی کر دیا ہے مجھ کو مست
ابر کا پیالہ لگے ہے مجھ کو تیرا جامِ جم

غیر کے آگے نہ ہووے دیکھیے افشائے راز
اُس کی محفل میں نہ ہو جو دیدۂ بدنام نم

طائرِ دل کوئی پھنستا ہے مرا اے دوستو
مجھ کو دیتا ہے عبث زلفِ سیہ کا دام دم

روز کی وعدہ خلافی ہے تری شیریں دہن
اب تو لگتے ہیں تمہارے قول و اقسام ہم

جبکہ ہم پاتے نہیں تم کو فراموش گھر کے بیچ
باندھتے ہیں دل میں اپنے تب بہت اوہام ہم

جب تلک دل کا نہ ہوگا تجھ سے اے خودکام کام
تب تلک ہرگز نہ ہووے گا مرا آرام رام

دشمنی ہفتاد و دو ملت سے رندوں کو نہیں
شیخ جی کو بندگی تم کو برہمن رام رام

دل ہمارا لے لیا مژگانِ چشمِ یار نے
طایرِ دل کو ہوئی یہ شاخِ کج بادامِ دام

مطربِ خوش نغمہ ہے اور یار ہے اور باغ ہے
دے تو اب جم جم ہمیں اے ساقیٔ فرجام جام

بات میری بھی کبھی اے غیرتِ ایمان مان
میں فدا ہوں جان و دل سے مجھ کو مت انجان جان

تیرے تارِ زلف سے ہم طالبِ زنار ہیں
حسن کا ہم کو تو اپنے دے نیا نادان دان

ہے بنایا تم کو اے دلدار اپنے نور سے
آب و گل سے ہی بنائے حق نے کیا انسان سان

آرزو ہے یاں تری گفتارِ شیریں کی صدا
غیر کی باتیں سنیں میرے یہ کیا امکان کان

غیروں میں اپنے منھ سے کہوں ہوش ہاں نہ ہوں
مطلب کی بات آپ سے کہیئے کہاں کہوں

کیونکر میں آؤں تیرے سخن کی لپیٹ میں
جبتک کہ تجھ سے واقفِ رازِ نہاں نہ ہوں

اغیار دوں کو یار کے کیوں پاس آنے دوں
چھاتی پہ مونگ کس لیئے صاحبدلاں دلوں

مرجاؤں اُسکے ہاتھ سے ہو اسمیں آبرو
تیغہ کے نیچے اُسکے میں کیوں جاہلاں ہلوں

پردے میں مانگتے ہو عبث دل مرا اجی
سینے سے دل نکال دوں اے دلبراں بُروں

تم سے تو جان تک بھی میں حاضر ہوں جانِ من
مانگے جو اور کوئی تو اے قدرداں نہ دوں

کیوں شیخ و برہمن کی کروں پیروی بھلا
ملت میں اُسکی کس لیئے میں کاملاں ملوں

ٹٹی کی اُوٹ کھیلوں فقر سو شکار کیوں
کیوں اُنکے اب طریق پہ جوں گمرہاں ہوں

کچھ مرغِ دل ہی یاں نہیں زلف کا اسیر
دیکھے ہیں اُسکے اور گرفتار اک دو تین

کیونکر کروں میں خواہشِ وصل اُن سے یاں بھلا
اغیار ہیں لگے پسِ دیوار اک دو تین

بیمارِ چشم ہے تری نرگس ہے یا ہیں ہم
بتلا دوا اور بھی کوئی بیمار اک دو تین

دل داغ داغ آتشِ حسرت سے ہو گیا
ڈالے گلے میں شوخ نے جو ہار اک دو تین

عاشق تمہارا سایۂ بالِ ہما سمجھ | بیٹھے ہیں آ ترے پسِ دیوار اک دو تین
گل ہی نہیں شہید فقط تیغِ یار کا | دیکھے بخوں طپیدہ بہ گلزار اک دو تین
دس بیس سو پچاس سے ڈرتے نہیں ہیں ہم | لڑنے کو گر رقیب ہیں تیار اک دو تین
ملنے کا وعدہ کر کے تو پھرتا ہے دمبدم | اقرار کے بھی ساتھ ہیں انکار اک دو تین
چشمِ امید رکھوں نہ اُس سے کبھی دلا | اک بوسہ پر کرے ہی وہ تکرار اک دو تین

انداز و ناز اُسکے فراسو میں کیا کہوں
ہیں یوں تو پاس اور طرحدار اک دو تین

قسم ہو تیرے ہی سر کی میں سر دینے کو حاضر ہوں | اگر دیوے مجھے قاتل یہ تیری تیغِ ابرو رو
تجھے دیکھا ہے اے سروِ رواں گلشن میں جدن سے | ہمیشہ سرو پر بیٹھی کرے ہیں قمریاں کو کو

ڈرے کیونکر نہ اُس سے پھر ہمارا اے فراسو دل
کہ عقل و دل کے حق میں لولوے گوشِ اُسکا ہی لُولُو

دوستو پاس مرے اُسکو بلاؤ لاؤ | کہ اجی آتشِ دل اسکی بجھاؤ جاؤ
جھوٹے وعدوں پہ تمہارے تو نہیں ہمکو یقیں | قسمیں چلمن سے ذرا منہ کو دکھاؤ کھاؤ

ہم تصور سے پریرو کے فراسو خوش ہیں
غم نہیں ہمکو ذرا بھی وہ نہ آوے آوے

تن کو کردے ماہِ نو کی الفت جانکاہ کاہ | تیرے ابرو سے جو ہو پردہ نشیں آگاہ گاہ
منفعل بحد ہے تیرے سامنے کس طرح آئے | بسکہ رکھتا ہے رُخ پُر داغ رشکِ ماہ ماہ
خاک کو میری نہ ٹھکرا نخوت و انداز سے | دیکھ کر ٹک تو چلا کر اے بتِ گمراہ راہ
سوز و درد و نالہ و اشک و بحسرتِ دل رکھتے ہیں ہم | جس طرح رکھتے ہیں اپنے پاس اہلِ جاہ جاہ
زیست تک ہم تو کرینگے اپنی چاہت سے نباہ | تو نہ رکھے دل میں الفت دلبر دلخواہ خواہ
روز و شب مسجود ہے ساری خدائی آپ کی | جو گدا ہو آپ کا ہو جائے شاہنشاہ شاہ

صبح تک دیکھی فراسونے تری رہ شام سے
کرکے وعدہ خوب آیا تو بھی بے پرواہ واہ

قاصد کو بھیجئے کہ صنم کو بُلائے لائے
قسمیں خدا کی خط کو ہمارے دکھائے کھائے

یعنی کہ اسکو روتے ہی گذریں ہیں رات دن
دوری میں تیری کیونکہ بھلا گھر سہائے ہائے

جاناں کی طرف سے یہی رہتا ہے غم مجھے
ایسا نہو کہ گھر سے کسی اور جائے جائے

جانے نہ دوں گا اب تجھے جھوٹی قسم نہ کھا
معلوم کیا ہے پھیر یہاں تو نہ آئے آئے

دل ہم تو کر چکے ہیں گم اپنا ہر ایک طرح
مختار اب وہ زلف ہے اُسکی چھپائے پائے

کیوں نہ مغرور پھرے مجھ سے تو لڑکے لڑکے
خلق کہتی ہے ترے روز اکڑکے کڑکے

دیکھ کوچے میں مجھے اُس نے جو کھڑکی سے کہا
کیوں کھڑا ہی تو یہاں آج بگڑکے گڑکے

وہی زہر کے بھی پیالے کو پی لے
تری زلف کے جو کہ کالے کو کیلے

جو چاہے خجل ابر میں برق ہووے
ہیں کان میں جلد بالے کو بیلے

جھگڑا دکھاتا ہے جو محرموں کو
تو انگیا پہ اپنی مسالے کو سی لے

انتخاب غزلیات فراسو

(یہ انتخاب اُن غزلیات کا ہی جو ذخیرۂ گنبد گیتی کی مختلف مثنویات کے متن میں شامل ہیں)

ہوا ہے خبط یا سودا ہوا ہے
خدا ہی جانے دل کو کیا ہوا ہے

کبھی جو زخم دل اچھا ہوا ہے
تو پھر دردِ جگر پیدا ہوا ہے

سیہ بختی نہ پوچھو میرے دل کی
تمھاری زلف کا سودا ہوا ہے

خدایا کس طرح گذرے گی اوقات
وہ کافر سر بسر ایذا ہوا ہے

کہیں ہو نوح کا طوفان برپا
کہ دریا عشق کا اُمڈا ہوا ہے

ہمارے دل کا اے رشکِ گلستاں بلائے جاں قدِ بالا ہوا ہے

وہ پرچہ بھی نہیں لکھتے فراسو

ہمارا جس سے دل پرچا ہوا ہے

یہ کس کی زلف و رُخ کی یاد میں ہے کہ نالاں ہے مرا صبح و مسا دل

لیا دل کو ہمارے اک نظر میں نگاہِ الفتِ جاناں کے صدقے

تصور اُن میں رہتا ہے پری کا میں اپنے دیدہ حیراں کے صدقے

رہوں ہوں یاد میں اُسکی بآرام میں اُس آرام بخشِ جاں کے صدقے

مشبک دل ہے جس سے اے فراسو

دل و جاں سے میں اُس مژگاں کے صدقے

سہوں کب تک یہ ہجراں کی تباہی بلا دلبر کو میرے یا الٰہی

قلم بھی جان پر روتا ہے میری یہ آنسو ہیں نہ سمجھو تم سیاہی

رہوں کیونکر نہ میں حسرت زدہ سا چبھی ہے دل میں اُسکی خوش نگاہی

نہیں تجھ بن مجھے یک لحظہ آرام یہ میرے اشک دیتے ہیں گواہی

بیاں اُسکا نہیں ہوتا عزیزو غمِ فرقت جو کرتا ہے خرابی

تمھاری زلف میں جب سے پھنسا ہے مرے دل کو ہے بیحد پیچ و تابی

کرے ہے نرگسِ شہلا کو حیراں تمھاری چشمِ مستِ نیم خوابی

عجب ڈھب سے نگاہیں لڑ گئی ہیں دلوں میں برچھیاں سی گڑ گئی ہیں

نظر آتا نہیں کچھ روتے روتے مژہ آنکھوں کے آگے اڑ گئی ہیں

جب اتنا بولتے ہیں جھوٹ زاہد　زبانیں اُن کی مُنھ میں سڑ گئی ہیں
عرق آلودہ رُخسار سے تمہارے　گلوں پر اُوس گویا پڑ گئی ہیں

مری خاطر ہیں کیوں آہوں سے بیزار　مجھے اُنکا ہے اور اُنکو مرا پاس
فراسو تم سے وہ ہوتا جدا کیوں　تمہارا کچھ بھی گر ہوتا ذرا پاس

بیتابیٔ دل سے ہے سروکار　جس دن سے میں تجھ سے آشنا ہوں
تو جان نہ جان اے فراسو　جی جان سے تجھ پہ میں فدا ہوں

تو توڑ کے سب سے جوڑ مجھ سے　لے مان مرا کہا فراسو
ناحق ہی خفا جو تم رہو گے　تو زیست ہے میری کیا فراسو
ہیں شعلے بھرے مرے جگر میں　اور آگ تو مت لگا فراسو
قسمت کا لکھا تھا سو ہوا آہ　دے کون اُسے مٹا فراسو
اک بات میں تجھ سے پوچھتا ہوں　دل کو مرے کیا ہوا فراسو
تجھ سا نہیں کوئی بے مروت　اس بات کا ہے گلا فراسو

اے ابرِ شبِ فراق رو دے　رونے پہ میں مستعد ہوا ہوں

آنے کی خبر ہے تیرے لیکن　آتا نہیں اعتبار دل کو
گردش نے تری تو جی سے کھویا　اے گردشِ روزگار دل کو

ہوئی غم میں تمام زندگانی   ہے مرگ کا نام زندگانی

گر پختہ مزاج ہو تو سمجھو   ہے رشتۂ خام زندگانی

پیدا ہوئی جب تبھی سے لائی   مرنے کا پیام زندگانی

یہ صبح سے حال ہے تو کیونکر   ہوگی تا شام زندگانی

ہرگز نہ کرے سرائے تن میں   بے یار مقام زندگانی

یوں زیرِ فلک کرے ہے تم بن   ق   صاحب یہ غلام زندگانی

جس شکل سے مُرغِ نوگرفتار   کاٹے تہِ دام زندگانی

بہتر ہے غمِ فراق سے مرگ   سُن لیجے کلام زندگانی

بس مجھ سے تو ہاتھ اُٹھا میں تجھ کو   کرتا ہوں سلام زندگانی

اے مایۂ جاں نہ ہو جو تو پاس   ق   آوے کس کام زندگانی

خیراتی یہ سُن بقولِ جامی   اے بے تو حرام زندگانی

معلوم نہیں کہ خواب دیکھا   شب چہرۂ ماہتاب دیکھا

اُس پارۂ جاں کو مثلِ سیماب   دیکھا تو پُر اضطراب دیکھا

جی تن میں نہیں نہ جان باقی   ہے عشق کو امتحان باقی

جل بُجھ گئے مثلِ ہیزمِ خشک   یاں کس کا رہا نشان باقی

میں خشک شجر سا ہوں چمن میں   ہے پوست اور استخوان باقی

سب گل کے گداز ہو گیا تن   ہے شمع نمط زبان باقی

یاں قصۂ غم ادا ہوا ہے   اور واں ہے ادا و آن باقی

کھاتا ہے ہر ایک رشک مجھ سے   یہ رہ گئے قدردان باقی

یہ نیستی ہے کمالِ ہستی — دنیا سے مجھے اُٹھائے اُمید
سر تیرے قدم سے کیوں اُٹھاؤں — جبتک نہ مری بر آئے اُمید
ترسایا ہے تونے مجھ کو کیسا — بدلا تو خدا سے پائے اُمید

اک دن بھی کیا نہ تجھ سے شکوہ — سو ہم نے ترے ستم سہے چپ
کرتے رہے نالہ ہائے فریاد — کس دن ترے آگے ہم رہے چپ

جو شخص ہیں دوستی میں پورے — اُن کا ہوں میں دوستدار جیسے
بیمار و خراب زار ہو کر — ہم بیٹھ رہے ہیں ہار جیسے

زلف میں پھنس گیا ہے جی اپنا — دل پریشان ہے اجی اپنا
اُسکی چوُٹی کی چوٹ ہے دل میں — جس پہ جی دیوے ناگنی اپنا
دل تو ایسا ہے یہ نہیں ڈرتا — مرنے جینے سے بھی کبھی اپنا

شکل زیرِ نقاب بدرِ منیر — رہتی ہے زیر شیشہ چوں تصویر
کرو صد برگ و جعفری پہ نظر — کہ وہ عاشق کی شکل کے ہیں نظیر
نہیں بچنے کا آہ دل میرا — چشمِ جادو ہے اُسکی مژگاں تیر

جھوٹی قسمیں نہ کھا تو اب اتنی — غم ترا مجھ کو کھا گیا ظالم
یاد کیسی ہے دے گیا دل کو — اور سب کچھ بھلا گیا ظالم
کچھ بھی دنیا میں خوش نہیں آتا — کیا ستم دل کو بھا گیا ظالم

تپ غم سے رُلا رُلا کے مجھے — زورِ طوفاں اُٹھا گیا ظالم

انتخاب غزلیات مندرجہ بیاض شورِ بیڑھی

یہ جو دشمن غمِ نہانی ہے — یہ بھی اک دوست اپنا جانی ہے
درد ہے غم ہی ناتوانی ہے — مرگ کا نام زندگانی ہے
غافل ہم اُس سے وہ رہی ہم سے — عمر رفتہ کی قدردانی ہے
سوزِ دل کس طرح زباں پر آئے — لب ہے خاموش بے زبانی ہے
نظر آجائے گی کمر تیری — ہم یہ سمجھیں کہ غیب دانی ہے
ہے توانائی سے بہت بہتر — اب جو یہ اپنی ناتوانی ہے
قصر تعمیر کر چکے ہیں بہت — منزلِ گور اب بنانی ہے
جس کی الفت میں جی دھڑکتا ہے — اب تلک اُس کو بدگمانی ہے
اور بھی اک غزل فراسو پڑھ — اب یہ ہنگام شعر خوانی ہے
روے روشن ہی ترا پیشِ نظر دیکھیں تو — آنکھ کرتے ہیں اُدھر شمس و قمر دیکھیں تو
داغ دل کا ہے خریدار ہمارا لالہ — کیسۂ گل سے یہ لے آیا ہے زر دیکھیں تو
چشم سے چشم ہے دیکھیں تو تجھی کو دیکھیں — تو ہی پھر آوے نظر ہم کو جدھر دیکھیں تو
چشمِ عالم میں ہو خورشیدِ قیامت بے نور — حشر کے روز مرے داغ جگر دیکھیں تو

گل کھاتے کھاتے سینہ یہ رشکِ چمن ہوا — جو داغ دل اُٹھا وہی لعلِ یمن ہوا
رو کر اُڑھائی چادرِ آبِ رواں اُسے — مُردہ کوئی جو آگے مرے بے کفن ہوا
تا حشر رکھا مجھ کو امانت زمین نے — میلا مرا نہ ایک بھی تارِ کفن ہوا
داغ وفا کا سکہ جو عاشق پہ چل گیا — بازارِ عشق میں جو وفا کا چلن ہوا

ہوئے ہیں جب سے ہم عاشق تمھارے مصحفِ رو کے — ہمارے دل پہ معنی کھل گئے ہیں بیت ابرو کے
چم و خم پیچ دیکھ اُسکا ہوا دم بند سنبل کا — پریشاں تم نے گلشن میں کیئے جو بال گیسو کے
فلک پر ہے جو میزاں اُسکے دونوں پلّے ہیں خالی — مرے حق میں وہاں بھی جھکتے ہیں پلّے ترازو کے
وہ لطف آمیز چشمک رمز ہم کو یوں سجھاتی ہے — ان آنکھوں کیلئے تو ڈھونڈھ لاتا سُرمہ جادو کے

بطرز زور و بل خم ٹھونکتا ہے بزم شعرا میں
کبھی مضموں فراسو کو جو یاد آتے ہیں بازو کے

جو سوزش دل سے آہوں سے عیاں ہے — جہاں آتش ہے واں اُٹھتا دھواں ہے
بدولت عشق ہے گنجینہ سینہ — جو داغ دل ہے با مہر و نشاں ہے
کہاں سے آئی اور جاتی کدھر ہے — یہ جوں ریگ رواں عمر رواں ہے
پڑی ایڑی پہ آکر اُس کی چوٹی — زمیں کے سر بلا سے آسماں ہے

زمینِ شعر بالا ہے فراسو
زمینِ شعر سے پست آسماں ہے

دل لیکے تم نے جی بھی لیا کیا مضائقہ — کیا کام دوستی میں کیا کیا مضائقہ
دل دیکے تم نے پھیر لیا کیا مضائقہ — مال اپنا تھا دیا نہ دیا کیا مضائقہ
آنکھوں سے جو نہ دیکھا نہ کانوں سے تھا سنا — دکھلا ان آنکھوں نے دیا وہ کیا مضائقہ
حسن و جمال تجھ کو دیا کیا مضائقہ — عاشق بھی تیرا ہم کو کیا کیا مضائقہ
بر کوہِ طور حضرت موسیٰ کی قوم کو — جلوہ نیا دکھائی دیا کیا مضائقہ
تجھ سے شب وصال میں پائیں گے ہم جزا — دل سے ہمیں بھلا ہی دیا کیا مضائقہ
ثابت نہ جرم مجھ پہ کیا قتل کر دیا — ظالم یہ تو نے خوب کیا کیا مضائقہ

خوشنود اُسکو رکھا فراسو نے جان دی
الفت کا پاس اُس نے کیا کیا مضائقہ

درِ جاناں پہ گر اپنی جبہ سائی ہوتی — دیر و کعبہ میں ہماری نہ رسائی ہوتی

تیرے درباں سے اگر اپنی صفائی ہوتی — آستاں پر ترے بے کھٹکے رسائی ہوتی

ہاتھ میں تیرے اگر اُس کی کلائی ہوتی — دلِ بے چین کو عاشق کے کل آئی ہوتی

عشق میں غم نہ جو معشوق کا عاشق ہوتا — روح کو کس لئے قالب سے جدائی ہوتی

بیٹھتا زنگِ کدورت نہ دلِ عاشق پر — آئینہ رو سے اگر اُسکے صفائی ہوتی

پاؤں ہرگز بھی نہ رکھتا وہ زمیں پر اپنا — کبک نے چال اگر تیری اُڑائی ہوتی

پشتِ پا مارکے ہم تخت سے ہو جاتے دُور — جو میسر ترے کوچے کی گدائی ہوتی

لکھ غزل دوسری اور ایسی فرآسو صاحب

اور کوئی طرز نئی اس میں سمائی ہوتی

باغ میں فصلِ بہاری اگر آئی ہوتی — بوے گُل ناک میں بلبل کے سمائی ہوتی

بخدا ہم سے جو اُس بُت سے لڑائی ہوتی — صلح ہوتی نہ کبھی جمع خدائی ہوتی

ہوتا گر حسنِ طلائی کا وہ تیرے عاشق — پاے دیوانہ میں زنجیر طلائی ہوتی

غم و درد و الم اندوہ فغاں کا ہے ہجوم — ایک دل اسمیں پھر کس کس کی سمائی ہوتی

اپنی تقصیر نہیں یار زمانہ ہے بُرا — کرتے ہم جسکا بھلا اُس سے بُرائی ہوتی

شب کو جاتا میں اگر گھر میں مہ تاباں کے — آہِ سوزاں نے مری شمع دکھائی ہوتی

مست کر دیتا میں اُس بُت کو خوش الحانی سے — مجھ کو کچھ یاد اگر نغمہ سرائی ہوتی

عاشقی میں نہ خلل تیرے فرآسو آتا

آنکھ ناصح کو اگر تو نے دکھائی ہوتی

انتخاب کلام مطبوعہ

پھبتا ہے کیا ہی تجھ کو اے یار مُسکرانا — ٹک واسطے خدا کے اے یار مُسکرانا

گر جائیگی سبھی کی نظروں سے اُسکے آگے
اے برق دیکھیو مت زنہار مُسکرا

ہمارا یار ہم سے جب تلک باہم نہ ہووے گا
جو دل میں درد ہے ہرگز دوا سے کم نہ ہووے

ہاتھوں نے نہ اک تار گریبان میں چھوڑا
پانوؤں نے نہ اک خار بیابان میں چھو

دم خفا مجھ سے ہوا اور میں خفا دم سے ہوا
رفتہ رفتہ یہ مرا حال ترے غم سے ہو

سر بدن سے ہو جدا اور ہاتھ شانے سے جُدا
پر نہ سر میرا ہو تیرے آستانے سے جُدا
کیا بہانے تھے تجھے اے چشمِ آنسو بزم میں
ہو گیا وہ یار مجھ سے اس بہانے سے جُد
یوں دلِ آوارہ اپنا اے نذرا سو گم ہوا
مرغ وحشی جیسے ہووے آشیانے سے جُد

بیعت کروں نہ کیونکر پیرِ مغاں کی زاہد
ہے دستگیر مستاں مشکل میں جام و مینا
پُرخوں یہ چشم و دل ہیں اپنے ہمیں غنیمت
گو اب نہ ہو ہماری محفل میں جام و مینا

دیکھا ہے جب سے پیرہن اُس نو بہار کا
دامن نہیں ہے ہاتھ میں صبر و قرار کا

حال اس نوبت کو پہونچایا مرا اس عشق نے
دیکھ کر ہر کوئی اشک آنکھوں میں بھر لانے لگا

جو آپ کی دُوری میں دل پہ مرے غم گذرا
فرہاد پہ کم گذرا مجنوں پہ بھی کم گذرا

ابرو کماں کے تیر ستم میں نے سیکڑوں رکھے ہیں تو دہٗ دلِ ندوگیں میں داب
رو لو فرآسو کھول کے دل بزم یار میں تا چند غم کو رکھو گے جانِ حزیں میں داب

وصل ہی اسکی دوائی سو دوائی ہی سخت جی نہ چھوڑے گا مرا دردِ جدائی ہی سخت

جو درد و الم کی جگر چاک سے جاگیر تو سوزشِ غم کی دلِ بریاں ہے میراث

ہم کو کبھو تو بھلا نامے و پیغام بھیج دن کو ہی یا رات کو صبح کو یا شام بھیج

گاتے ہیں قولِ معرفت مرغِ چمن علے الصباح ہلتے ہیں آکے وجد میں سرو سمن علے الصباح
بندِ قبا نہ پھول کے شرم سے کھولے باغ میں دیکھے صبا کھلا اگر تیرا بدن علے الصباح
بھولے فرآسو عقل و ہوش محو ہوے بیک نگاہ آج سنے جو رشکِ مہ تیرا سخن علے الصباح

واں ہی تمہاری بزم میں مے سرخ جام سرخ یاں ہیں سرشکِ خون سے آنکھیں مدام سرخ

رکھو اسکے تصور میں سدا دیدۂ تر بند لازم ہی کہ کاشانۂ خلوت کا ہو در بند

اپنے تو بخت سکندر پہ فرآسو مت اکڑ دیکھ ذلت مرگیا آخر کو دارا کھینچ کر

بلبلیں بولی ہیں ہر دم نالۂ جانکاہ کر گوشِ گل کیوں کر دیا تو نے مرے اللہ کر

ہو کیوں نہ مہر و مہ کا دماغ آسمان پر   دن رات جبہہ سا ہی ترے آستان پر

قامت ہے مثلِ سرو دہن غنچہ رُخ چمن   کیا ہی بہارِ حسن ہے اس نوجوان پر

جس کے لئے بچھائے ہیں پھولوں کے سیج روز   وہ گل کبھی نہ آیا ہمارے پلنگ پر

حیرت رہی نہ دیدۂ مہتاب کو فقط   تکتے رہے تمام ستارے پلنگ پر

پڑتی نہیں ہی کل کسی کروٹ ذرا مجھے   پھرتا ہوں لوٹتا ہوا سارے پلنگ پر

اے دل مضطر تو زیرِ خاک نالوں کو نہ چھیڑ   چین لے اب تو عدم کے سونے والوں کو نہ چھیڑ

کیوں وبالِ جاں کیا چاہے ہی ناصح زندگی   تیرہ بخت اُس زلف کے آشفتہ حالوں کو نہ چھیڑ

بیٹھے ہیں غیر یوں مرے دلبر کے آس پاس   ہو خار جس روش سے گلِ تر کے آس پاس

اے مردماں یہ دیکھو کہ پھولوں کی سیج ہے   لختِ جگر نہیں مرے بستر کے آس پاس

مرا ہے سوز و گداز سے دل گہے با آب و گہے با آتش

کہ جیسے رہتی ہے شمع محفل گہے با آب و گہے با آتش

لب پہ تمھارے صبح سے تا سرِ شام ہی چہ خوش   سمجھے یہ ہم کہ آپ کا تکیہ کلام ہے چہ خوش

لیتے نہیں سلام بھی میرا کبھی غرور سے   آپ کے اس غرور کو میرا سلام ہے چہ خوش

خوب غزل ہی گرم سی شعر ہیں پُر شرر سبھی   بارے فراسو تیرا بھی کیا ہی کلام ہے چہ خوش

کیجے مکھڑے پہ ترے مہر کا قرباں عارض   کہ یہ مہتاب سے چمکے ہے دو چنداں عارض

دل فراسو جب سے اُسکی چشم میگوں پر ہے غش   مست رہتا ہوں میں کر کے ہوشیاری سے فراغ

گئی نہ دل سے تہ خاک الفتِ معشوق
برنگ خار ہوں بے جاں بدولتِ معشوق

آہِ سوزاں کا مرے ہرگز اثر ہوتا نہیں
لگیو اے بیدرد اس تیرے دلِ پُرفن میں آگ
ماس کا سنجاف ہے یا آہِ سوزاں سے مرے
اے فراسو ہے لگی دلدار کے دامن میں آگ

قاصد یہ کہیو اُس بُتِ مغرور سے الگ
کب تک رہو گے عاشقِ رنجور سے الگ

آج کس نے ہے پیا ساغرِ مُل بر سرِ گُل
کہ پڑے جھومتے ہیں مستی سے گُل بر سرِ گُل
کب تری مانگ میں موتی کی لڑی ہے ظالم
بوندیں شبنم کی مگر آئی ہیں ڈھل بر سرِ گُل
گوشِ نازک ہے نہایت ہی نہالِ گُل کا
دیکھ بلبل نہ کر اس رنگ تو غل بر سرِ گُل

چراغ خور سے اگر ہو لالے کا داغ روشن مراد حاصل
تو کیوں نہ خوش ہو کے بولے بُلبل چراغ روشن مراد حاصل

یار سے دُور ہو گئے ہیں ہم
سخت رنجور ہو گئے ہیں ہم
جلتے دل کی فراسو کرکے سیر
موسیٰ طور ہو گئے ہیں ہم

وہ دل مرا مانگے ہے میں وصل کا طالب ہوں
انکار ہے اور وہ ہے اقرار ہے اور میں ہوں
وہ دن گئے جب تیرا دیدار تھا اور میں تھا
اب در و آنکھوں کے دیوار ہے اور میں ہوں
غارت گر ایماں کو دے بیٹھا فراسو دل
بُت خانہ کے اب زیرِ زُنّار ہے اور میں ہوں

خوب نہیں اسقدر حُسن پر کرنا غرور
لے لیکے انگڑائیاں دیکھو ہو پرچھائیاں

پڑے ہیں کاٹنے پیری میں اب عذاب کے دن
وہ نوجوانی کہاں اور کہاں شباب کے دن

کہوں میں دل کے تڑپنے کی کیا حقیقت آہ　　خدا کسی کو دکھائے نہ اضطراب کے دن

کل پڑتی نہیں دل کو بن دیکھے تری صورت　　اس عالم صورت میں صورت کے یہ معنیٰ ہیں
ساتھ اپنے سدا لشکر ہے گریۂ و نالہ کا　　شوکت اسے کہتے ہیں حشمت کے یہ معنیٰ ہیں
ہم خاک ہوے تو بھی در سے نہ ٹلے تیرے　　الفت اسے کہتے ہیں چاہت کے یہ معنیٰ ہیں

نہ تخت روم کی خواہش نہ ملک شام لیتے ہیں　　تمھارے نام کو ہم صبح سے تا شام لیتے ہیں
میں تو پڑا ہوں در پر اُن کے اُن کو کچھ فرمانے دو
بھوکا تھا اس ناز کا میں بھی گالیاں مجھ کو کھانے دو
تجھے معلوم ظالم اُس گھڑی چاہت ہماری ہو　　لگے تیرا کہیں دل اور تجھ کو بیقراری ہو
یوں ہم آغوش ہوں پری کے ساتھ　　جسطرح جسم ہووے جی کے ساتھ
آئے ہوس میں وصل کی دشنام لے چلے　　کیا یاد ہم کریں گے کہ انعام لے چلے
آہ و فغان و گریہ و سوز و تپاک و دود　　کیا ہم بھی ساتھ اپنے سرانجام لے چلے

انتخاب کلام فراسو

قصیدۂ در مدح جناب زیب النسا بیگم

اُٹھا کے دست دعا میں نے جو سحر اک بار　　جناب حق میں کہا یوں کہ ایزد غفار
برنگ غنچہ رہوں دل گرفتہ میں کب تک　　نکال اب تو جگر سے مرے الم کا خار
وہیں دیا مجھے مژدہ نسیم صبح نے آ　　کہ اب تو رکھ نہ پریشان دل کو سنبل وار
خزاں کو دیس نکالا ملا ہے گلشن سے　　چمن میں آئی ہے اب یہ خوشی سے لیل و نہار
کیا گذار ہے پھر رونق چمن نے یہاں　　کہ جس کے ابر کرم سے جہان ہے گلزار

جنابِ اقدس نواب فیض بخش جہاں | کہ جس کا نام ہے زیب النسا بعزّ و وقار
سلے ہے مٹھی میں اپنی ہر ایک غنچۂ زر | کہ رکھ کے خوان میں گُل کے کرے وہ اُن پہ نثار
نہ لے جہاں میں کوئی نام ابرِ نیساں کا | جو ابرِ فیض کا اُن کے اگر کروں تذکار
نسیمِ صبح سے ناگاہ جو سُنی یہ بات | خوشی ہو میں نے کہا مثلِ عندلیب ہزار
کہ میں بھی بُلبلِ خوشگو اُسی کے باغ کا ہوں | کہ جن کی مدح میں ہی دام الب اظہار
غرض جناب میں کرتا ہوں اس لیئے یہ عرض | کہ ہے قدیمی فراسو یہ بندۂ سرکار
یہ جب تلک کہ زمین و زمان قائم ہیں | اور آسمان پہ ہے ماہ و مہر پُر انوار
برنگِ گل ہوں سدا دوست تیرے خرم و شاد | خزاں نمط ترے بدخواہ ہوں ذلیل و خوار

مبارکباد عطاے خلعت از سرکار بادشاہی بنام نامی گرامی حضرت حضور زیب النسا بیگم بہادر

حضرت ہو تمھیں خلعتِ زرتار مبارک | اور دولت و اقبال ہو ہر بار مبارک
حق رکھے سدا بزمِ طرب میں تمھیں مسرور | ہے نوشی فصلِ گل و گلزار مبارک
ہے دستِ کرم آپ کا جوں ابرِ گہر بار | ہو آپ کو یہ ابرِ گہر بار مبارک
اور آپ کی تلوار جو ہے برق جہاں سوز | اُس کا ہر دشمن پہ سدا وار مبارک
بہتر ہے یہ سایہ ہے سدا بالِ ہما کے | ٹوپی پہ سدا طُرّۂ پردار مبارک
تعریف کروں آپ کے گیا رنگ محل کی | ہووے یہ محل تم کو ہوادار مبارک
یوں پالکی کی شان ہی جوں سیپ میں گوہر | ہو تم کو یہ اے گوہرِ شہوار مبارک
یوں فیل کے ہودج میں ہو جوں مہر فلک پر | ہو آپ کو وہ فیلِ فلک دار مبارک
فدوی ہے تمھارا بدل و جان فراسو | ہو اُس کو تمھاری کفِ زربار مبارک
کرتا ہوں دعا پر میں یہ اب ختم غزل کو | ہوں آپ کے بندے کو یہ اشعار مبارک
دیکھو نہ کبھی خواب میں بھی گردشِ دوراں | تم کو یہ سدا طالعِ بیدار مبارک

ہوں دوست سدا آپکے مسرور بعشرت | دشمن کو نہ ہو دور یہ زنہار مبارک

قصیدۂ مبارکباد عید پاسکو و مدح حضرت زیب النسا بیگم بہادر دام اقبالہ

آج سوئے باغ جو ناگہ ہوا میرا گذر | دیکھتا کیا ہوں کہ ہراک سمت کو باد بہار

پھرتی ہے دیتی ہوئی جاروب صحن باغ میں | درمیاں تختوں کے تا کوئی پڑا رہوے نہ خار

جس طرف دیکھا صف آرا غنچہ و گل ہیں بہم | مُشت میں لے کے اپنے دُر سبھی بہر نثار

پھرتی ہے نرگس ہراک جانب کو بہر اہتمام | ہاتھ میں اپنے عصا لے کر بہ مثل چوبدار

اور جو شمشاد کو دیکھا تو بشکل سبز ہے | ہر خیاباں پر کھڑا ہے بن کے از بس طرحدار

قمریاں ہی قہقہے کرتی نہیں ہر ایک سو | چہچہے بلبل بھی کرتے ہیں سر ہر شاخسار

الغرض اپنی بدل کر سج ہر اک اہل چمن | ہیں کھڑے ملکر مبارکباد کے سب انتظار

آج وہ دن ہے کہ روح القدس نے جسدم کیا | اس جگہ کو چھوڑ کر گردون اعلیٰ پر گذار

اس لئے دینے مبارکباد یہ اہل چمن | ہیں کھڑے اُس کو کہ جو ہے نام پر اُسکے نثار

یعنی وہ فیاض عالم منبع فضل و کرم | مالک جاہ و حشم اور صاحب عالی تبار

نام سے اُس کے اگر چاہے کوئی ہو مطلع | ہر سر مصرع سے لے اک حرف تا ہو آشکار

(ز) زیب دیتا ہے کہوں جو کچھ میں اُسکی شان میں | (ی) یاورِ بیکس ہے ذات اُسکی جہاں میں نامدار

(ب) باریابی کے لیے مجرے کو اُس در پہ مدام | (ا) آن کر شاہ و گدا رہتے ہیں نت امیدوار

(ل) لاکھ کیا بلکہ کروروں بخشدے ہے آن میں | (ن) نام کو اُسکے ہے حاتم سے زیادہ اشتہار

(س) سب یہ ظاہر ہے سخاوت جو ہے اُسکی ذات میں | (ا) الغرض رکھے سلامت ہی اُسے پروردگار

ذات پر تیری مبارک ہو یہ عید پاسکو | رہوے یہ جاہ و حشم تیرا ہمیشہ برقرار

جو کہ ہیں بد خواہ تیرے اے کرم بخش جہاں | گردش افلاک سے رہویں ذلیل و زار و خوار

اور جو فدوی فراسو ہیں مرے خالق انہیں | شاد اور مسرور رکھے تا قیامت کردگار

قصیدہ بسنت در مدح زیب النسا بیگم بہادر دام اقبالہا

اگرچہ پھولی پھلی ہے بصد بہار بسنت
پہ تیری بزم طرب سے ہے شرمسار بسنت

کرے نہ جب تلک آکر حضور میں مجرا
نزار واقعی رہتی ہے بیقرار بسنت

کہے نہ کیونکہ تجھے شاخ زعفران عالم
ہوئی ہے قطع ترے تن پہ جامہ وار بسنت

بندھی ہی گرچہ ہوا بسکہ اس کی عالم میں
کہ گل کے دستہ پہ آتی ہی ہو سوار بسنت

یہ در پہ آکے بٹھاے رہے ہی پہروں گھڑی
کہ پائے محفل عالی میں تاکہ بار بسنت

غرضکہ اب ہے وہ رشکِ چمن تری سرکار
کہ جس سے رہتی ہی معمور کاروبار بسنت

یہ عرض رکھتا ہوں تیری جناب عالی میں
بنلگے لایا جو ہوں میں گناہگار بسنت

نگاہِ لطف وکرم ہو فراسو پر ہر دم
ہو سازگار سرِ موسمِ بہار بسنت

جہاں میں جتنے ہیں وابستگان خیر اندیش
رہے بغل میں سدا اُن کی گلفشار بسنت

عدو ہیں جتنے تمہارے سدا رہیں غمگیں
ہمیشہ سایہ سے اُنکے کرے فرار بسنت

قصیدہ در مدح حضرت بیگم صاحبہ زیب النسا بہادر بہ تقریبِ دسہرہ

فیضِ باری سے گہربار ہے جوں ابرِ کرم
باغ عالم میں ہی ہر تختۂ گل رشکِ ارم

کیجیے غور کہ کیا بادۂ عشرت سے مُدام
ساغرِ گل کو سدا کرتی ہی شبنم شب نم

غنچۂ لالہ کے مینا پہ ہے مینا کاری
جس کی مے سے لبِ نرگس بھی ہی نافرماں کم

مے کے سو شیشے ہیں ہر خوشۂ انگور لیئے
نرگسِ مست نہ کیوں تاک کو تاکے پیہم

ہے ستم شاخ ہزاری پہ نواسنج ہزار
سُن کے صد برگ بصد برگ و نوا ہے خرم

مہر سے سایہ کرے کیوں نہ شعاعِ خورشید
کاکلِ سنبلِ پُرپیچ ہے درہم برہم

پھول کے پھول کے طرّہ نے دکھائی یہ بہار
جس روش رایتِ نصرت پہ زری کی پرچم

گلِ خورشید کے سورج مکھی ہی ہاتھ میں کیا
رُخ اور رنگ پہ گرمائے نہو رنگِ الم

جعفری اور گلِ شرفی کی دولت سے
صحن گلزار سدا پُر ہے بدینار و درم

سُرخرو ہو کے ذرا سبزے کی سرسبزی دیکھ
ہر طرف کو ہی بچھا فرش سمور و قاقم

دیکھ گلزار میں میں نے یہ غرض تازہ بہار
پوچھا یوں موجِ نسیمِ سحری سے ہمدم

سچ بتا آج یہ کس روزِ طرب کی ہے دُھوم
جو ہی یہ عالمِ گلشن پہ پھبن کا عالم

مجھ سے تب اُس نے یہ پھر آکے کہا اے غافل
آج آیا ہے دسہرہ کا مبارک مقدم

اس لئے غنچۂ و گل ہاتھ میں زر لے لے کر
واسطے نذر کے تیار ہوے ہیں باہم

کہ یہ سب جا کے اُنھیں دیویں مبارکبادی
نام سے اُن کے ہی خوش رہتا ہی سارا عالم

تب یہ سُنتے ہی کہا مطلع ثانی میں نے
جو تجلّی میں نہیں مطلعِ خورشید سے کم

مہر سا مہر سے یوں وا ہے ترا دستِ کرم
گویا عالم میں پھر آیا ہے دوبارہ حاتم

چرخ پھرتا ہے سدا کاسۂ خورشید لئے
تا ترے در پہ کرے آکے گدائی اک دم

گل کے بوٹے ہی نہیں فیض سے تیرے زردار
شاخ پُر میوہ ہی بارے ترے احساں سے خم

موج زن بسکہ ہے دریاے عدالت تیرا
پانی یاں پیتے ہیں اک گھاٹ سدا شیر و غنم

کیا تری تیغ میں برش ہے عیاذاً باللہ
کہ علم اُس کو اگر خواب میں دیکھے رُستم

قالب اپنا ہی تہی جان سے کیا دیکھے وہ
گاؤ سر کا بھی وہ سر وقت سحر پاوے قلم

چرخ کے دل پہ ہی زخم اُسکا نہیں کاہکشاں
مہ نہیں پھاہا یہ رکھا ہے لگا کر مرہم

ہو شبِ وصل کی بھی جلد روی اُس سے گرد
تیرا شبدیز خراماں ہو اگر لگ کے قدم

اور ہو گرم تو جوں برق چمک وہ کھلا دے
کہ زمیں پر نہ ذرا نقشِ قدم کا ہو رقم

فیض تیرا ہی کہ ہے چرخ رواں اے فیاض
ہے عماری کہ وہ ہی گنبدِ عرشِ اعظم

دیکھ کر ہودجِ زریں میں تجھے بولے خلق
ہے تلک کرسیِ اعلےٰ پہ بشکلِ آدم

باندھ کر لین چلے جبکہ تری قاہرہ فوج
یوں نمودار ہوں ہر طرف نزی کے وہ علم

جوں خطِ برق کا ہو ابرِ سیہ میں جلوہ
یا شبِ مہ میں چمک کاہکشاں کی باہم

ہے وہ مسجودِ جہاں خیمۂ عالی تیرا
کیا مناسب ہے حریم اسکا اگر ہووے حرم

بسکہ دارائے جہاں ہے تو سکندر طالع
آصفِ جاہ و جلال اور سلیمان حشم

بس ثنا مجھ سے ہو کب اسکی جو ایسا ہووے
ذات پر جود و سخا اور جنابِ اکرم

میں فراسو وہ ترا ہوں سرِ ملکِ اشعار
جس کے آگے ہو لبِ طوطیٔ گویا ابکم

سنگِ بیکاری سے ہی شیشۂ دل چور مرا
جو ہر گردوں سے ہوں جوں زلفِ پریشاں برہم

بہرہ یاب آپ سے سب ادنیٰ و اعلیٰ تک ہیں
میری بھی غور رسی کیجیے از روئے کرم

جب تلک باغ جہاں میں ہی بہارِ ابدی
اور ہی سبزۂ افلاک شگفتہ خرّم

ہوں نمک خوار ترے گُل کی زمیں سے شاداب
اور دشمن ترے برباد ہوں از صرصرِ غم

قصیدہ در تعریف حضور زیب النسا بیگم بہادر و مبارکباد ہولی

باغ جہاں میں آئی لے کر بہار ہولی
کھیلے ہے ہو شگفتہ ہر گلعذار ہولی

ہر ایک کے ہے بر میں پوشاک کیا بسنتی
سج دھج یہ گلرخوں کے ہو لے نثار ہولی

پچکاری ہر کلی ہے اور گُل عبیر بر کف
گلشن میں مچ رہی ہے بے اختیار ہولی

ہے آپ ہی اگرچہ رشکِ بہار ہولی
لیکن نثار تم پر ہے بار بار ہولی

فردوس کی طرح ہی رنگیں وہ چھب تمہاری
ہے جس کے شوق میں یوں پُر اضطرار ہولی

دستِ کرم تمہارا اس رنگ زرفشاں ہے
حاتم کی بھی سخاوت یاں شرمسار ہولی

دانا سخن رس ایسا حق نے کیا ہے تجھ کو
اب جس سے عقلِ لقماں بے اعتبار ہولی

بازو میں زور یہ کچھ رکھ کر کماں میں جس دم
تم نے جو لیس پھینکی دشمن کے پار ہولی

ہرگز نہیں ستارے سوراخ ہیں یہ سارے
شاید کہ چرخ پر بھی نیزوں کی مار ہولی

جس کی جناب ایسی بحرِ کرم بھلا ہو
اُس پر پئے نہ پانی کیوں وار وار ہولی

کیجے قبول میرے اشعار یہ کرم سے
ہوں آپ کو مبارک ایسی ہزار ہولی

ہے جب تلک اقامتِ روزِ بسنت کی یاں | اور جب تلک جہاں میں ہے برقرار ہولی
جو دوست ہیں تمہارے جوں گل رہیں شگفتہ | دل میں چُبھے عدو کے مانند خار ہولی

مدح نواب ظفریاب خاں بہادر

آپ کا وصف جو کرے نہ رقم | تو زبانِ قلم کروں میں قلم
رشکِ نقش و نگارِ مانی ہیں | بخدا آپ کے رقوم قلم
اس سے نکلے ہیں گوہرِ معنی | آپ کی ہے دوات بحرِ کرم
خطِ گلزار سے تمہارے سدا | صفحۂ کاغذیں ہے باغ ارم
اور خطِ شعاعی سے بخدا | مہر گی ہے شعاع سے توام
دیکھے خطِ غبار جو کوئی | دل سے اُس کے غبارِ غم ہو عدم
کیا لکھوں وصفِ خطِ نستعلیق | ہے جواہر سا ایک ایک رقم
اور خطِ شکستہ بخشے ہے | دل شکستوں کے واسطے مرہم
اُس کی بس خوشنویسیوں کو دیکھ | وصف میں ہے ہمیشہ لوح و قلم
حلقۂ زلف ساں ہے ہر اک لفظ | اور نقطے ہیں رشکِ خالِ صنم
آپ کا زورِ پنجہ کیا کہیے | ہے خجل جس سے پنجۂ ضیغم
ہو شجاعت میں اسقدر یکتا | کہ نہ تم سے دوچار ہو رستم
اور سخاوت پہ دل ہے اتنا کچھ | کہ فدا کیجیے دلِ حاتم
جلد یاں اسقدر ہیں گھوڑے میں | دوڑ جس کی غزال کا ہے رم
ہے قدم اسکا رشکِ موجِ نسیم | اور جھپٹے ہے شرار کی ہمدم
بزمِ عالی ہے اسقدر رنگیں | ہے بجا جس کو کہیئے محفلِ جم
آپ کی سُن کے شکریں گفتار | طوطیٔ خوش سقال ہے ابجم

آپ کا میں ہوں بندۂ دلبند | آپ سے رکھتا ہوں میں چشمِ کرم
چشمۂ مہر آپ ہیں جوں مہر | چشمِ الطاف کھوئیے مت کم
یعنی ذات مبارک نواب | رشکِ حاتم ہیں آپ فیضِ شیم
اب دعا پر کروں میں ختم کلام | تا نہ طولِ سخن سے ہو برہم
خانۂ دوستاں ترے آباد | بزمِ اعدا ہو حلقۂ ماتم

قطعہ مُبارکباد روز دیوالی

کیا گرم طرب ہو کے تو آئی ہے دیوالی | رونق سر نو خلق میں لائی ہے دیوالی
ہیں پھُول کھلے مثل چراغوں کے ہر اک طرف | گلزار نے بھی آج منائی ہے دیوالی
ہر سرو چراغاں ہی طرح کا ہکشاں کے | یہ دل میں سما کے بھی سمائی ہے دیوالی
بارش یہ کری کھیل بتاشوں کی جو تو نے | یاں آب گھٹا کی بھی گھٹائی ہے دیوالی
عالم ہے کھلونوں کی عجب جلوہ گری کا | عالم یہ نیا ساتھ تو لائی ہے دیوالی
یاں شیریں دہن مل کے سبھی کھیلیں ہیں تجھ کو | ہر ایک ادا تیری مٹھائی ہے دیوالی
کب اُسکے مقابل ہو دیوالی کی تجلی | جیسے یہ فراسو نے منائی ہے دیوالی

قطعہ در مبارکباد عید نظال مبارک

آئی عیدِ نظال مثلِ بہار | کیا جس نے جہان کو گلزار
آج عیش و طرب کرو صاحب | حسب ارشاد عیسیٰ مختار
تم کو عالم میں آئیں یہ موقعے | ایسی عیدیں کرو ہزار ہزار
اور فراسو پہ ہو نگاہِ مہر | تم سے راضی ہو ایزدِ غفار
نوح کی عمر سی ہو عمر تری | ہے فراسو کی یہ دعا ہر بار

قطعہ

مرے گناہوں پہ صاحب دھیان کیجیے گا | یہ اپنا مہر سا دل مہربان کیجیے گا
سحابِ فضل کو فرمائیے گا اب ارشاد | یہ دستِ خشک مرا گلستان کیجیے گا
میں باغِ فیض تمہارے کا ہوں گیاہ نمط | کچھ اور مجھ پہ نہ ہرگز گمان کیجیے گا
فلک بھی سجدہ کرے گا تمہارے در پہ آ | جو مدح آپ کی صاحب بیان کیجیے گا
یہ دوست آپ کا دل سے فراسو صاحب ہے | دلِ کریم کو ٹک مہربان کیجیے گا

انتخاب اشعار حمدیہ

ہے فیضِ حمدِ خدا سے عجب طرح کی بہار | جہاں جہاں ہی یہ کون و مکاں صفِ گلزار
زکاف و نون شد رنگِ نقوش گوناگوں | ہے مبدا جز و کل ممکنات بوقلموں
کرے ہے دفترِ توحید کو قلم انشا | اب اُسکی جس نے دو عالم کو کر دیا پیدا
ہزار موج ہیں گر اسکی بحر سے ظاہر | ہر ایک قطرے میں وہ آپ ہو گیا باہر
وہ لاکھ طرز کے جلوے یہی دکھاتا ہے | ہزار رنگ سے وہ دل میں آسماتا ہے

خدایا کر مجھے وحدت سے آگاہ | اسیرِ دامِ کثرت ہوں میں ہر راہ
جہاں آئینہ آسا پُر صفا ہے | ترے ہی عکس سے جلوہ نُما ہے
جہاں کا ہے برنگِ گلستاں ڈھنگ | بہارِ فصل سے بہتر ہے ہر رنگ
غرض ماہی سے دیکھا ہم نے تا ماہ | ترے ہی نور کا جھمکا ہے اللہ
تری ہی مہر سے ماہِ دل افروز | نمایاں زلف و رُخ سے ہی شب و روز
تری بخشش سے ہی اے ربِ غفار | عدم سے ہی ہوئی ہستی نمودار
عدم کو تو نے دے کر بخت مندی | عیاں کی ہے یہ پستی اور بلندی
کیا ہے خلق کو تو نے ہی مخلوق | بنائے تو نے عاشق اور معشوق

محبت کی تجھی سے دل میں ہے راہ — تو دے ہی چشم و دل کو گریۂ و آہ

کبھی جوں یوسف اوج جاہ دیوے — کبھی فقر و حضیض چاہ دیوے

کبھی آوارہ رکھے جوں صبا تو — کبھی جوں کوہ رکھے جا بجا تو

کرے اوراقِ گل ساں گاہ باہم — کبھی جوں گنجفہ کر دیوے برہم

کبھی تو مثلِ گل خندان رکھے — کبھی شبنم نمط گریان رکھے

کبھی طالب بناوے گاہ مطلوب — کبھی غالب تو رکھے گاہ مغلوب

کبھی موہوم ہوا اور گاہ مفہوم — کبھی معلوم ہوا اور گاہ معدوم

تری صورت کی ہے یہ سب کرامات — تری ہے لاشریک اے میرے رب ذات

دو عالم کا ترے ہی ہاتھ میں کار — جو کچھ چاہے کرے ہے تو ہی مختار

ترے ہی ہاتھ ہے نبضِ دو عالم — کہ صحت ہے تری حکمت سے ہمدم

جسے چاہے تو مارے اور جلاوے — جدا چاہے کرے چاہے ملاوے

کرم سب پر ہے تیرا ہر فرما — جو کچھ کرتا ہے تو ہے وہ ہی اچھا

جو منہ میں سو زباں ہوں غنچہ آثار — فراموسے نہ ہو توحید اظہار

زباں پر اس قدر جو گفتگو ہے — مرے دل میں ہمیشہ آرزو ہے

الٰہی میں ہوں لبریزِ گناہاں — ولیکن ہوں تری بخشش پہ نازاں

معاف اپنی سبھی جرم و خطا ہو — جو تیری بندگی اک دم ادا ہو

کٹی لہو و لعب میں زندگانی — تری کچھ یاد کر ہم نے نہ جانی

رہی جرم و گنہ کی بسکہ عادت — نہ ہرگز کچھ ہوئی ہم سے عبادت

نباہے مجھ کو ہوں ہشیار یا مست — نہ چھوڑے دستگیری گر تری دست

گناہوں سے ہوں پُر تیرا میں بندہ — رہوں گا منفعل جب تک ہوں زندہ

رہیں گی چشم تر تا حشر روتی — خجالت کے سدا موتی پروتی

گناہوں سے نہایت ہوں میں دلریش ۔ مثل ہی کردنی خویش آمدہ پیش

کٹی غفلت میں میری زندگانی ۔ نہ جانی قدر تیری پر نہ جانی

کر اپنا فضل اب مجھ پر عنایت ۔ سُجھا دے اب مجھے راہِ ہدایت

تو ہی تو چارۂ بیچارگاں ہے ۔ تو ہی قوت وہ ہر ناتواں ہے

رکھ اپنی ہی محبت میں ہمیشہ ۔ مرے دل کو تو کر دے عشق پیشہ

ترا ہی عشق ہر دم رہنموں ہو ۔ مرا دل غنچہ آسا غرقِ خوں ہو

مجھے الفت میں تو دیوانہ کر دے ۔ شرابِ عشق سے مستانہ کر دے

تو دے صد داغ الفت میرے دل کو ۔ تو کر گلریز میری آب و گل کو

جو تیرے عشق کی ہو مجھ کو مستی ۔ بھلا دوں دل سے میں صورت پرستی

یہ دل میں ذوق معنی کا اُٹھے جوش ۔ کہ ہو عشقِ مجازی سب فراموش

ترا غم گر کرے ہنگامہ سازی ۔ تو دنیا سے ہو مجھ کو بے نیازی

فراسو ہے تری الفت کا طالب ۔ کہ تیری ذات ہے ہر شے پہ غالب

ایزدِ کبریا کی حمد بیاں ۔ کروں آبِ گہر سے دھو کے زباں

اُس نے دونوں جہاں کیے پیدا ۔ اُس کی صنعت پہ میں ہوا شیدا

عرش اور کرسی اور لوح و قلم ۔ ملکِ ہستی یہ اور ملکِ عدم

آسمان و زمین و ماہ و مہر ۔ سب کی ہی پرورش میں اُسکی مہر

اُس نے بھیجے یہاں پیمبر سب ۔ اولیا انبیا و غوث و قطب

جان و دل اُس کے نام پر شیدا ۔ حسن اور عشق کو کیا پیدا

اُس کی قدرت کا ہی چمن میں رنگ ۔ ایک کُن سے ہی صد سخن میں رنگ

رنگ نیرنگیوں کا ہے گل میں ۔ ہے اثر نالہ ہائے بلبل میں

لکھ نہ سکا سو تو اُسکا حمد و بیاں — خلق جس کے ہے نُور سے تاباں

حمد اُس کی ادا ہو تجھ سے کہاں — خشک ہوئی ہے پر سخن میں زباں

وصف اُس کا کہا نہیں جاتا — اور چُپ بھی رہا نہیں جاتا

لیجیے چُوم اُس کے دونوں ہاتھ — عشق اور حُسن کو بنایا ساتھ

ہے اُسی سے چمن کا آب و رنگ — جس نے بلبل کو بھی دیا آہنگ

دل میں عاشق کے بھر دیا ہے درد — آہِ معشوق کو دیا دمِ سرد

عشق کا دل میں ہے اُسی کے درد — جس کا دل گرم اور دم ہے سرد

اسقدر ہے شراب عشق کی تیز — دیدۂ و دل کے جام ہیں لبریز

بحرِ الفت میں اسقدر ہوں غرق — کفر و دیں میں نہیں سمجھتا فرق

نورِ صبحِ بہار پر دیکھا — سبزۂ نو عذار پر دیکھا

کروں پہلے حمدِ خدا وندگار — کیا جس نے عشقِ بتاں آشکار

کہیں عشق اور حسن پیدا کیا — دلوں کو کہیں اُس نے شیدا کیا

ہر اک رنگ میں آپ ہو کر عیاں — دکھاتا ہے کیا کیا وہ نیرنگیاں

کہیں نازنیں اور محبوب ہے — کہیں عاشقِ زار مجذوب ہے

چمن میں کہیں سبزہ و گل ہوا — کہیں وہ دل آشفتہ بلبل ہوا

محبت کی آڑ اُس نے لے لی کہیں — بنا قیس وہ اور لیلی کہیں

کہیں دلرُبا شوخ شیریں رہا — کہیں بن کے فرہاد غمگیں رہا

کہیں شمع ساں بزم میں آگیا — جھلک نور کی اپنے دکھلا گیا

پھر آپہی وہاں جا کے مائل ہوا — کہ پروانۂ سوختہ دل ہوا

غرض لے کے ماہی سے یاں تا بماہ — اُسی کی محبت کی ہے جلوہ گاہ

جو چاہا کہ عشق اپنا ظاہر کرے ۔ دلوں پر خلائق کے ظاہر کرے

اُسی کے سبب سے ہوا ہے عیاں ۔ ثریّا سے یاں لیکے تا لامکاں

زیادہ بیاں کچھ لیئے کیونکہ لب ۔ سبب اسکا یہ ہو کہ جاے ادب

زباں نے مری زور پایا کہاں ۔ کرے جو کہ قدرت کا سارا بیاں

از گناہاں زیر نقصانیم ما ۔ لیکہ خود را بندہ ات دانیم ما

میں سراپا خستہ پُر تقصیر ہوں ۔ پُر گنہ ہوں اس لیئے دلگیر ہوں

از گناہاں در پریشانی منم ۔ ہست اُمید از تو نادانی منم

تیری خدمت سے میں کب معزول ہوں ۔ چاہتا ہوں بندۂ مقبول ہوں

چاہیئے بخشے مجھے تو کبریا ۔ نطفۂ آدم سے ہوتی ہے خطا

رستہ کے باشد اسیر دامِ تو ۔ گر شود آزاد باشد رامِ تو

کیجیو مت آستاں سے اپنے دور ۔ مجھ کو رکھیو گمرہاں سے اپنے دور

در حمایت تست جملہ اولیا ۔ در کفالت تست جملہ انبیا

خالقِ آدم و میکائیل تو ۔ مبدعِ توراۃ و ہم انجیل تو

سرّ اسرافیل و عزرائیل تو ۔ مالکِ ہابیل و ہم قابیل تو

ثنائے صانعِ بےچوں ہے بہتر ۔ کیا کاخِ فلک جس نے منوّر

بسانِ چار دیوارِ عناصر ۔ کیا اُس نے چراغِ جاں منوّر

انتخاب مثنویات

حمدِ خداے پاک لکھوں میں ۔ وصفِ کُل ادراک لکھوں میں

سب میں شامل اور جدا ہے | وہی خدا ہے وہی خدا ہے
رنگ اُس کا ہر گل میں پیدا | جز میں ہے اور کل میں پیدا
شعلہ میں اور طور میں وہ ہے | ظلمت میں اور نور میں وہ ہے
کل اور جز میں شان وہی ہے | سب قالب میں جان وہی ہے
مجھ سے کب ہو صفت خدا کی | وہ نوری اور میں ہوں خاکی
ارض و سما اور مہر سے تا مہ | ہے وہ سب میں اللہ اللہ
دیدۂ غور سے جس جا دیکھا | نہاں ہے سب میں سب میں پیدا
کعبے میں ہے اُس کا چرچا | بُت خانے میں اُس کی پوجا
مُہرِ خموشی لب پر بہتر | عجز و ادب ہے سب پر بہتر

مذمّتِ میخواراں

یہاں ہے گرم دورِ جامِ گلگوں | کیا صوفی کے دل کو جس نے پُرخوں
سحر اور شام ڈھلتی ہے برانڈی | پڑی قدموں میں روتی ہے برانڈی
جلیسِ بزمِ مے ہے صاحبوں کی | انیسِ جاں یہ شے ہے صاحبوں کی
خدا کا خوف نہ عیسٰے کا ہے ڈر | نہ ہے اندیشہ کچھ از روزِ محشر
اسی کی رات دن ہے یاں مدارات | عداوت جی کو ہے ایمان کے سات
اسی بد کا پڑا ہے عکس کالا | ہے جرمِ مہ میں اس نے داغ ڈالا
اسی کالی برانڈی کا نشاں ہے | گھٹا نیلی بروے آسماں ہے
اسی کا چرخ پر سایہ پڑا ہے | جو نیلا ابر آ سر پر کھڑا ہے
بہت بارش کا باعث ہے سو کیا ہے | برانڈی میں یہ پانی چھانتا ہے
شفق سے کب ہوا چرخِ کہن سُرخ | حرارت سے ہی مے کے اُسکا تن سُرخ

تلے اوپر کہاں ہیں آسماں سات — پھپھولے پر پھپھولے ہیں یہ ہیہات
تپش اسکی نہیں یہ بے سبب اب — خمارِ نشہ سے ہے مہر کو تپ
گلاسوں کی ہے یہ کثرت تواتر — ہجوم انجم کا ہو جوں آسماں پر
ہوئی ہے اسکی شدت اب یہاں تک — شرارت اُس کی پہونچی لامکاں تک
فلک جو شکل بوتل کی بنا ہے — بشکلِ جام گردش میں ہوا ہے
نہ کیوں ہو چرخ ہفتم پر زحل تنگ — سیہ اُسکا حرارت سے ہوا رنگ
سحر کو مہر جو گردوں پہ آیا — نشہ کا نام سُن کر تھرتھرایا
فلک پر رقص یہ زہرہ کوکب ہے — کہاں ہے ناچ یہ لرزہ کی تپ ہے
جو بوتل انجمن میں سرنگوں ہے — عطارد کا گلے پر اُسکے خوں ہے
فلک پر کب ہیں اختر جگمگاتے — لرزتے نشہ سے ہیں تھرتھراتے
ہوا ہے قہر یہ اللہ کیسا — چلا ہے دورِ مے کا آہ کیسا
نشہ میں کوئی اوندھا لوٹتا ہے — کسی کا پائجامہ پھٹ گیا ہے
نشہ میں جو کہ بیخود ہو گیا ہے — کفن میں جیسے مردہ سا پڑا ہے
دعا یہ ہے مری اے ربّ غفار — یہ ہو جاوے جہاں سے جلد فی النار

پسّو نامہ

اب تو پسّو بہت ستاتے ہیں — رات کو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں
تن ددوڑوں سے پھل رہا ہی تمام — شب کو آتا نہیں ذرا آرام
سارے اعضا میں اُٹھتی ہی خارش — اور خارش میں تھی درد و تپش
تن کیا ہم نے سُرخ کھُجلا کر — جم گیا خون جابجا آ کر
پسو دیتے ہیں اب بہت آزار — سوتے ہیں چارپائی پر لاچار

خواب کیجے کہاں بعیش و نشاط　　ہر جگہ پستوؤں کی ہے افراط
خالی اُن سے کوئی مکان نہیں　　چین اب زیر آسمان نہیں
گہ تہِ پشت سُرسُراتے ہیں　　گاہ پہلو میں کاٹ کھاتے ہیں
تنگ ہے خلق پستوؤں کے ہات　　نیند آتی نہیں کسی کو رات
شیخ کو جانیو نہ شب بیدار　　پستوؤں کے سبب سے ہیں بیزار

انتخاب مثنوی فارسی مسمیٰ "ظفر الظفر"

(فتح نامہ انگریز)

بایں رزم نامہ چو پرداختم　　نخستیں ز میرٹھ بیاں ساختم
زخیلِ سیاہان بدکار خو　　ز آقاے خود روسیہ رزم جو
بہر سو ز دیدن نظرہ وختند　　تر و خشک ہیزم بہم سوختند
ز ہر سو سیاہاں ہمہ کینہ خواہ　　برفتند در عرصۂ رزم گاہ
زن و مرد ہم کمسن اطفال را　　بکشتند در جا و ہر جا بجا
نہ بیند کسے زندہ ناموس خود　　ہراساں شد از جانِ مایوس خود
ہر پشتۂ مردگاں صد ہزار　　فتادند زاغ و زغن بے شمار

حکیم خردمند والا مقام　　کہ بٹسن ازاں ڈاکٹر بود نام
کہ از دستِ کوتہ زبانِ دراز　　ہمی داشت در صاحباں امتیاز
ہماں ڈاکٹر بٹسن ہوشمند　　ز دستِ زمانہ کشیدہ گزند
بناچاری از قدرتِ کردگار　　کہ از خواب و خور ہم نمی داشت کار
ز دہلی بروں گشت آں دلفروز　　خدا را پرستش کناں چند روز

رسیده بهر چند پور پیاده پا | نه عقبش کسے نے کسے پیشوا
بر آن خرقهٔ گیروا رنگ داشت | بهر رنگ او رنگ نیرنگ داشت
که در گردنش سبحه از چوب بود | که رد راج آنرا بخوانند هنود
ز چوب سیه سبحه بر سینه بود | که بالاے او در گلو تونبه بود
کدوے تهی مغز را تونبا نام | همی کرد با هندواں رام رام
نمیداشت جز کُرته دیگر لباس | تنش بود عریاں خودش بیجا اس

همه روز با صاحباں آمدند | رسیدند و از من اماں خواستند
که یک یک دراں صاحباں کجکلاه | گرامی تر از صد هزاراں سپاه
رسیدند بر ما کرم داشتند | پریشاں دل و چشم نم داشتند
همی خواستم بے نیازی کنم | بواماندگاں چاره سازی کنم

دریں رزم باشند بسیار کس | که از زندگی خود کشادند نفس
رعونت نباشد دلِ پاک را | بزیور چه زینت تنِ خاک را
جهاں زیرِ فرمانِ او رام شد | چو دل رام گردید آرام شد
جهانے چو از عدل آباد شد | بعهدش دلِ عالمے شاد شد

بیا ساقی از بخت برگشته ام | خراب و پریشان و سرگشته ام
که از تشنگی جان بیتاب شد | مرا خواهشِ بادهٔ ناب شد
بیا خضرِ ما شو دریں دم شتاب | تو از بده دو سه جامِ شراب
شود خاطرِ غمزده را سرور | بکن از دلِ ما غم و رنج دُور

زساهل شروع شد ستم پروری　　بهر سو شروع گشت غارتگری
روا کرد بیدادها بے حساب　　که رفت از دلِ خلق آرام و خواب
رسد را نمودند غارت بهم　　بشد رهبراں را اذیّت بهم
جهاں در جهاں گنج بر داشته　　هنود و مسلماں دو سر داشته
سپاهاں پراگنده از هر درے　　که همراه ساهل شدند بے زرے
پے غارت هر چند پور آمدند　　بسا اهل تلنگان باهم شدند
باغوائے افغان هر چند پر　　پے غارت ما رسیدند شر
همه آں دهاقینِ آتش پرست　　پے سوختن داد آتش بدست
سپاهل گرفتند کساں را ازاں　　رسیدند بر فرقِ ما ناگهاں
که در خواب بودیم من آں زماں　　رسیدند تلنگانِ باگوجراں
همه کس گرفتند اشیا و گنج　　که در دستش افتاد بے دستِ رنج
رسیدند بر فرقِ ما بے دریغ　　نهادند سنگین کشیدند تیغ
زن بختی بانٔی مرا بسته کرد　　زجا یک تنِ هر دو را خسته کرد
زشرم و حیا سرنگوں داشتم　　که از گریه حالِ زبوں داشتم
نه آمد کسے بر سرم دوستدار　　فلک کرد با حالِ ما چشم چار
که از چوب بشکست پشت و کمر　　نه آمد سوئے رحم بیدادگر
تن و جسمِ ما هر دو گشته فگار　　رواں خوں ز تن اشک از دیده زار
همه مال و اسباب را خواستند　　کشیدند و بستند و برداشتند
گرفتند همه زیور و سیم و زر　　شدم بسته لب خامش و چشم تر

بیا اے بروجِ شرف آفتاب　　بده آں مئے احمر لعل ناب

بیا اے دل افروز جاں تازہ کن | جہاں را بہ نشر پُر آوازہ کن
بیا ساقی اے مایۂ انبساط | جہاں را جمالِ تو باغ نشاط
شدند از کمالِ شرف کامراں | گرامی رفیقاں ہمہ افسراں
بہ لطفِ خداوندِ جاں آفریں | بر آمد مُرادِ مُحبّانِ دیں
تو با زیب ایں بزم را ساز دہ | بدستم عنانِ سخن باز دہ
کہ سازم من ایں داستاں اتمام | فرازیم سرور دل خاص و عام

فتح نامہ گفتم بہ لفظِ دری | کشادیم بر خویش کسوت زری
فراسو دلم از سخن سیر نیست | سخن ہا چو تیر ست شمشیر نیست
شد آرایشِ نظم ایں داستاں | بہ سیر و تماشاے خورد و کلاں
دریں داستاں سفتہ شد گوہری | پری پیکراں را شود زیوری
دریں قصہ نظمے بہ چستی گذشت | کتاب سخن را درستی گذشت

انتخاب دیوان فارسی از فراسو صاحب

بر صفحہ احدت چو رواں شد رقمِ ما | حقا کہ یکے شد دو زبانِ قلمِ ما
در عالمِ حیرت چہ سرور ست فراسو | چوں عمر شرارست وجود و عدمِ ما

دمے اے شعلہ خورحمے کہ در کوے تو افتادم | برنگِ کاہ ہمراہِ صباطے کردہ منزلہا
بہ ہنگامِ وصالِ دوست عمرِ خضر میخواہم | بگوییم تا بہ پیشِ شوق مجمل ہا مفصل ہا
در دل او اثر نہ کرد افسوس | نیست در نالہ ام رسائیہا
ہاں منم دیوانہ ات برکن جدا سر از تنم | کا کلت زنجیر ما و ابروت شمشیر ما

بر درِ میخانہ سر چوں برہمن سودم بسے | رامِ ما ہرگز نہ شد یارب بُتِ بے پیر ما

چساں از قیدِ عشقت اے پری بیروں کشم پا را | کہ دامِ طائرِ دل کردہ زلفِ چلیپا را
مکش تیغِ جفا اے رشکِ گلشن بر سرِ عاشق | چہ سازی زیبِ دستارت گلِ آزردگی ہا را
عجب دریا دلی در شیشۂ خود ساقیا داری | طلسم است ایں بہ کوزہ بند کردی موجِ دریا را

نیست خط بر عارضِ چوں ماہِ تابانِ شما | سبزۂ سیراب می دارد گلستانِ شما

عاشقِ مفلس دلدادۂ بے سامانم | برد شوخے ز کفم نقدِ شکیبائی را
مجبوریٔ عقلست گرفتاریٔ دنیا | خود را نہ فروشی بہ خریداریٔ دنیا
تا کے برخ آئینہ مشغول بمانی | آرایشِ دنیاست ز گل کاریٔ دنیا
دوش از برِ ما رفت و با اغیار بہ آویخت | آزردگیم گشت ز غمخواریٔ دنیا
گشت خاکِ درت اورنگِ جہانبانیٔ ما | گشت نقشِ قدمت افسرِ سلطانیٔ ما

مارا دلِ برفتہ ز عشقِ تو سبز بود | مزروعِ ما از دمیدنِ ایں دانہ شد خراب
در وجد آمدند ز شوقتم پری رخاں | در بزمِ غیر نغمۂ مستانہ شد خراب
در عشقِ شمعِ روے تو پروانہ شد خراب | در گردِ باد کوے تو دیوانہ شد خراب
آب و گلم نیامدہ در کار ہیچ خلق | سوراخ در سبو شد و پیمانہ شد خراب
من شدم از وضعِ یار ہیا خراب | سینہ ام از داغ دار ہیا خراب
چشم مارا کرد زار ہیا خراب | دل شد از شعلہ فشار ہیا خراب

مثلِ آئینہ چشم وا دارم | چہ بلا درد انتظارے ہست
گشتہ ام مائلِ لبِ میگوں | مستی و شوق بادہ خوارے ہست
مدتے شد بہ ہجر می نالم | نہ تسلی نہ غمگسارے ہست
مہر و اخلاق تو اے یار وفادار کجاست | مہربانیست کجا شفقتِ بسیار کجاست
من چرا بندۂ حسنت نہ شوم جانِ جہاں | بہ جہاں چوں تو دگر شوخ طرحدار کجاست

دل داغدار خوب تر از لالہ زار ہست | از لالہ زار خوب دلِ داغدار ہست
نرگس کجاست آنکہ بہ صحنِ چمن شگفت | ایں چشمِ عاشق ست کہ در انتظار ہست

از جلوۂ تو حالِ فراموش شدہ دگر | برقے عجب بہ خرمنِ خار و خسک گذشت

زنداں رسیدہ را بہ تماشا چہ حاجت ست | شد موسمِ بہار بہ غوغا چہ حاجت ست
باشد مرا خمار شکن چشمکِ پری | مارا بہ جام و شیشہ و صہبا چہ حاجت ست
منصور خواند راز انا الحق بروے خاک | در دل خیالِ عرشِ معلا چہ حاجت ست

درونِ سینہ چو بشکست دشنہ ہاے دلم | براے من ز ازل آمد ایں عذاب درست
ز عمر رفتہ بسر شد اگر چہل سالم | نماند یاد مرا چوں خیالِ خواب درست
دلم شکست ز جورش مگر بہ کن ناصح | ز مومیائیِ وصلش پے صواب درست

از سرِ دنیاے دوں یکبار می باید گذشت | از امیدِ وعدۂ دیدار می باید گذشت
برد چوں بادِ خزاں رنگِ طراوت از بہار | ہمچو بوے گل ازیں گلزار می باید گذشت

گر فرا آسو رشحۂ معنی چکد از شعر تو | از بہارِ ابر گوہر بار می باید گذشت
فریب عاشقی خوردم فرا آسو | چرا ظاہر کنم رازم نہان نیست
کجا خیزد صدائے آشنائے | کہ این جانم درائے کاروان نیست
چرا بر مسندِ جسم می نشانند | مرا خوشتر زکوئے دوستان نیست

نغمۂ شیریں دہنم آرزوست | بادِ بہارِ وطنم آرزوست
شورِ قیامت شود از گورِ من | نشو و نمائے کفنم آرزوست
دیدیم چہ خوش خواب کہ زان چشم پر آبست | سامانِ شراب است و کباب است و ربابست
گاہے نہ رسیدی بہ تماشائے طپیدن | از آب دم تیغ ہمہ دم دم آبست
قتلم کردی مبارکت باد | تیغِ جورت سرم بُریداست

من از غمِ روزگار رفتم | مارا غمِ روزگار نہ گزاشت
آمد غمِ او بہ خلوتِ دل | امید در انتظار نہ گزاشت
عمریست کسے زلطفِ مرہم | بر سینۂ داغدار نہ گزاشت
یارا زبادہ برافروختہ رخسار کجاست | تا ازاں بہرہ برم دولتِ بیدار کجاست

یارب دلم دو نیم ز تیغِ نگاہ کیست | چشمم کہ گریہ میکند این داد خواہ کیست
دردِ ہجراں را دوائے دیگراست | نسخۂ دیگر شفائے دیگراست
دردلم آہِ سحر مثلِ صباست | درچمن زارم ہوائے دیگراست
بیوفا را باوفا بودن خوش است | دلربا را آشنا بودن خوش است
نامرادی میدہد ہردم مُراد | درجہاں بے التجا بودن خوش است
ہمچو سلطاں گر نداری تخت و تاج | با گدا بر بوریا بودن خوش است

طوقِ وفا در گلو آمده چوں فاختہ
کارِ من افتادہ است از قدِ دلجوے دوست

کعبہ و ہم بتکدہ کافر و دیندار را
ہست چو قبلہ نما دیدۂ من سوے دوست

آبروے بسملاں گہ بسر خاک و خوں
گاہ سرِ کشتگاں بر سر زانوے دوست

جان بلب آمدہ این خشکیٔ لب را چہ علاج
دیدہ چوں آئینہ دادند طلب را چہ علاج

غیر با یار خوش نمے آید
پیشِ گل خار خوش نمے آید

در فراقِ تو جانِ من مارا
زیست زنہار خوش نمے آید

غیر ہمراہِ یار می آید
ہم خزاں ہم بہار می آید

دلِ من ہمچو صید مضطرب است
شاید آں شہسوار می آید

می کنم رقص ہمچو دیوانہ
کاں پری در کنار می آید

گاہ گاہے چہ شود گر تو قدم رنجہ کنی
ہست از خانۂ تو خانۂ من گامے چند

ایکہ یک لحظہ ندارم بفراقِ تو قرار
حالم آخر چہ بود گر شود ایامے چند

مست و مدہوش مدام ست فراسو صاحب
ہست نوشیدہ ز میخانۂ تو جامے چند

خال ابرو چہ عجب ترک پسر ہا دارند
بہرِ قتلِ دلِ من تیغ و سپر ہا دارند

ایں چنیں حسن و ادا ہا کہ تو داری باللہ
نہ ملک ہا نہ پری ہا نہ ملک ہا دارند

بہ سیرِ گلشنِ فردوس ہم نہ گردد خوش
ہر آں دلے کہ بہ ہجرِ تو خار خار بود

دمے بہ کلبۂ احزانِ من کرم فرما
کہ مہر و لطف نہ اطوارِ شہریار بود

عزمِ گلستاں بتِ من می کند
رونقِ دیگر بہ چمن می کند

بجلوهٔ نازِ تو بزمِ چمن برافروزد — چراغِ چشمِ گُل یاسمن برافروزد

چشمِ فتانِ تو صد فتنه اگر انگیزد — نیست عاشق کہ ز نظارهٔ تو پرهیزد

بغض از دل چو بدر رفت وفا پیدا شد — زنگ از آئینہ کم گشت صفا پیدا شد
من ندانم چہ فسون غیر بہ گوشش بدمید — کز دلِ یار وفا رفت و جفا پیدا شد

مرا اندیشہ می آید رنجِ ساعدِ نازک — بہ آزارِ دلِ ما در پئے آزاری باشد
نماند چون پریشانی دل و جانِ مرا بارے — دلم آشفتہ تر از طرهٔ طرار می باشد

دولت آنست کہ او را نرسد بیم زوال — عوضِ گنج مرا خلوتِ جانان باید
نالہ ها می کنم و گریہ بسے می آید — چہ کنم در دلِ من یاد کسے می آید

بر درِ کعبہ و بُت خانہ مقید نہ شوم — عشق هرگز طلبِ سبحہ و زُنار نہ کرد

خلعتِ حسرت چہ بر قدِ دلِ ما خوشنماست — در رُخ ما هر زمان موجود سیمائے دگر
صد امیدِ ما بدستِ نا اُمیدی شد اسیر — گریہ ام در آستین است از تمنائے دگر
آرزوئے صدر داری بر روش افتادہ باش — میرسی از خاکساری ها بہ بالائے دگر
عاشقان را در قیامت بر جمالش کار نیست — دیدهٔ عاشق نمی بیند تماشائے دگر

دلم کنی چو بُتِ سنگدل تو خانهٔ خویش — کنم چو سنگِ حرم سنگ آستانهٔ خویش

بگوشِ او برسد گر کلامِ رنگینم　　میانِ باغ نہ بلبل کشد ترانۂ خویش

بجاں رسید و بجاناں نہ شد رسیدنِ دل　　ہماں چکیدنِ اشک ہست و ہم طپیدنِ دل
بہ پوشِ دیدۂ ظاہر نگہ بحضرتِ عشق　　کہ سجدہ ہست وراں جا بسر خمیدنِ دل
ز جیبِ فکر سر خود بروں نمی آرد　　بدید غنچہ پر مگر پیرہن دریدنِ دل
فراسو آہ بہ ہجرِ تو سوزہا دارد　　گہے چو شمع بیا بہرِ حال دیدنِ دل

مدام گردِ بتِ گلعذار می گردم　　فتادہ ایم و لے سایہ وار می گردم
بہ بیں ہوائے سرِ من کہ گردِ خانۂ دوست　　چو گرد باد بصد اضطرار می گردم
دلِ چو پارۂ سیماب در بغل دارم　　کہ اشک بار چو ابرِ بہار می گردم
خریدارش شوم با صد دل و جاں　　اگر او را سرِ بازار بینم
ز بہر خیزم بہ محشر ہم فراسو　　گر او را ہمرہِ اغیار بینم

ز فیضم گلستاں شدہ دشتہا　　مژہ ہمچو ابرِ کرم داشتم
برفتم فراسو و گفتم دعا　　سبک عزمِ ملکِ عدم داشتم

در محفلِ خویش بے تو ساقی　　از چشمِ پر آب جام دارم
آزردہ مشو ز مستیم ہیچ　　در دستِ دگر زمام دارم
غائب مشو ز چشمِ من اے نورِ دیدہ ام　　من بر بیاضِ دیدہ شبیہت کشیدہ ام
جانم بیا کہ جاں بلبم دل طپیدہ ام　　صد بار دیدہ ام و ہنوزت ندیدہ ام
گرد چوں مو مرا سیہ بختی　　کاکلش را بلائے خود دیدم

ز ناکامی نہ ریزم فاش اشک از غیرتِ دشمن
نہاں در موے چشم خونفشانم ہست طوفانم

من آں رندم کہ در شورِ قیامت
ہزاراں شور و غوغا میرسانم

چو گریاں دید مارا باغباں گفت
کہ دودِ دل بہ گلہا میرسانم

برد آں شوخ ز جاں صبر و قرارم چہ کنم
نکنم چوں دم نے نالۂ زارم چہ کنم

دیدۂ دواغ دل آشوب قیامت دارد
در شبِ تار ستارہ نہ شمارم چہ کنم

نہ نمایم ز عدم قصدِ رسیدن بوجود
دیدہ بر بندم و از خوابِ گراں برخیزم

ہیچ امید شگفتن ز لبِ لعلش نیست
صبح از صحنِ چمن چاک گریباں گزرم

سخت تنگ آمدم از قیدِ تعلق ایں جا
شوم آزاد و ازیں بند شتاباں گزرم

نشاں زنگِ دوئی بر رخِ آئینۂ دل
یا در کعبہ نشیں یا سرِ بت خانہ نشیں

چوں گدایاں پے نانے بگدائی مخرام
ساغرِ مے خور و رندی کن و مستانہ نشیں

علاجِ سوختگاں کن ز راے سوختگاں
کہ گفتہ اند شد آتش دواے سوختگاں

برنگِ شیشۂ مے آتش از بغل برخاست
بہ بزم بادہ کشاں گشت جاے سوختگاں

گہے بگریہ و گاہے بہ خندہ می سازم
خیالِ روے تو باشد ہواے سوختگاں

ہر چہ ساماں ہیشِ خود داری بذ دلدار را
در محبت بے سر و ساماں می باید شدن

بستہ کن دل را بزلفِ کافرِ عاشق کشی
بند چوں در رشتۂ ایماں می باید شدن

ترا از عالم نورستگی یا دست اے ناداں | تو چوں بلبل شدی نالاں و عالم غنچہ ساں خنداں

بسکہ بدست سیم ہوش نمی دارم من | پند ناصح چہ کند گوش نمی دارم من
ز تیغ تو واگزاشت نماز | ہر کہ از خونِ خویش کرد وضو
پرچۂ دل بجاے نامہ دہم | قاصدِ اشک می رود آنسُو
از سرِ عشق لالہ رونہ گزشت | داغم از دستِ ایں دل بد خُو
دلِ خود کن فرا سو صاحب صاف | جلوہ آراست روے او ہر سُو
ہلالِ آسماں یکسو دا بروے صنم یکسو | چناں باشد کہ داسے یکسو و تیغِ دو دم یکسو

ہر دم از سینہ کشم نالۂ و آہے تازہ | گر سوے غیر کند یار نگاہے تازہ
بسکہ خونناب جگر مردم چشم آرد | او نگاہے چو کند بر سرِ راہے تازہ

شنیدہ ام ز لبِ بلبل ایں سخن تازہ | بہار تازہ و گل تازہ و چمن تازہ
ز فیضِ ابرِ بہاری شدہ چمن تازہ | نہالِ سرو سمن تازہ نسترن تازہ
ز حالِ زارِ غریباں کجا خبر داری | تراست انجمن افروز انجمن تازہ
کسے نہ گفت بہ یوسف ز گریۂ یعقوب | کہ برد باد بوے بوے پیرہن تازہ
بناں زود دلا نیست وقتِ خاموشی | کہ عندلیب بہ باغ است نوحہ زن تازہ
من از شاخ نرگس گرفتیم خامہ | نویسیم بہ برگِ گلِ شوق نامہ

دل و جانم ربودی زندہ باشی | مرا بے جاں نمودی زندہ باشی
اگر در غم شود ایں جملہ عالم | ہمیں گویم کہ تو فرخندہ باشی

مرا کے پنجۂ گل می فریبد — تو با دستِ حنا پایندہ باشی

نقابے در کشیدی بر رخِ خویش — بہ محفل شکلِ ما را دیدہ باشی

رخِ خود را تو خود گردیدہ باشی — چو زلفِ خود بخود پیچیدہ باشی

بوصلت نیز شادی مرگ باشم — چرا بیجا زمن رنجیدہ باشی

خواہم کہ تو بسیار غزل خواں بدر آئی — از بزمِ سخنگو و سخنداں بدر آئی

تا صبح نہ بر باد رود خاطرِ جمعت — در شام چو با زلفِ پریشاں بدر آئی

آویختہ ام شانہ صفت در موے گیسو — اندیشہ مرا نیست از یں روز سیاہ ہے

من قانع ام از رنگِ رخ کاہ ربائے — از کس نہ گرفتیم بمنت پر کاہ ہے

ما راز پریشانیٔ خود خاطر جمع است — ہرگز نہ کشم منتِ آں زلف سیاہ ہے

بے لعلِ لبت غنچۂ دل ناتواں شد — جاں را ز پیامِ تو شود رسم و راہ ہے

صد حشمِ عنایت ز تو داریم فراسو — نظارہ میسر چو شود بر سرِ راہ ہے

رباعیات

اے آمدنت قرار و جانِ دلِ ما — اے شمع رخت زیب دہِ محفلِ ما

یک تیغ نگاہِ تو تمنا دارد — مقتولِ تغافلت دلِ بسملِ ما

آں دلبرِ طناز بسنتی پوش است — از دیدنِ او جان و دلم مدہوش است

بر جانِ فراسو تو منہ تقوے را — آں یار پریزاد اگر مینوش است

در سایۂ چغد چوں ہُما پیدا نیست | چوں دردِ دل مرا دوا پیدا نیست
بیگانہ فراموشدہ زابنائے جہاں | در صحبتِ آں یار و آشنا پیدا نیست

ہر صبح نوائے ارغنوں می آید | ہر شام شراب لالہ گوں می آید
ہر وقت دگر حال فسرا سو بینی | ہر چیز کہ از خاک بروں می آید

ایں خمکدہ را حالِ دگر می بینم | از جیب سرو کارِ دگر می بینم
فارغ نشود بہ توبہ ہرگز زگناہ | عذرِ گنہ از گناہ بتر می بینم

زاہد کہ بظاہر است عابد دلخواہ | از مکر و فریب است بباطن گمراہ
بر فعلِ بدش چناں چنیں باید گفت | لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

انتخاب کلام جان اسمٹ

جھوم جھوم صحرا پر ابرِ کوہسار آیا | نو جنوں مبارک ہو موسمِ بہار آیا

اطالی نسل کے شعراء

(۱) کرنل جین بپٹسٹ فیلوز	جاؔن
(۲) میجر جولین فیلوز	طاؔلب
(۳) سر فلارنس فیلوز	مطلوؔب

نمونۂ کلام کرنل جان بٹیپٹ فیلوز متخلص بہ جاؔن

جاں بعجز و نیاز می دارد | از بزرگاں وسیلہ می دارد
ناشناس ست رمز دانائی | بتو دارد رجا شناسائی
پُر ز عصیان و جرم ہاے کثیر | دور خوبی کسے بسے تقصیر
یا الٰہی تو مکرمت فرماے | سر مارا تو ہوشمند نماے
تو غفور رحیم و من بدکار | ہر چہ بہتر بود برانم دار
از سر مصرعہ حرفِ نام حقیر | تو علیمے گناہِ من بپذیر

کریا کرم کن کہ من کہترم | بپیچاں ز راہِ خودے حق سرم
اگر نیکم و گر بدم پُر گناہ | بجز تو کسے نیست دیگر پناہ
چناں کن کہ ہستی سزاوار آں | مکن با من آنساں کہ ہستم چناں
تو غفار ہستی و من بدترم | امید از تو داریم فضل و کرم
بپایاں بدار اے خدایا مرا | کہ دیگر ندانیم غیر از ترا
بدنیا بپیچاں تو ایں بندہ را | مکن خوار و زار ایں سرافگندہ را
الٰہی چو بسیار درماندہ ایم | کرم کن کہ بسیار ناخواندہ ایم
گناہاں کہ داریم بیش از شمار | تو از فضل آں جملہ را درگذار
بروزِ قیامت کہ آئندہ است | ازاں روز ایں بندہ ترسندہ است

دراں روز مارا مکن شرمسار
مگرداں ز ایماں دلم زینہار

نمونۂ کلام طالبؔ

ز جولین

(میجر جلین فیلوز)

ہائے طالبؔ دیکھنے کو اُسکی صورت کیلئے
مُرغِ دل تڑپے ہے کیسا اُڑ کے ملنا چاہیئے

ہر رنگ و گُل میں تیری قدرت کھلی ہوئی ہے
تصویر تیری یہ ہی خود کیوں چھپا ہوا ہے

تو شکل اپنی مجھ کو جب سے دکھا چکا ہے
ہے دن کو آہ و نالہ شب گریہ وُبکا ہے

کیا کیا کروں بیاں میں سوزِ دروں کی حالت
سینہ ہی سارا بریاں دل بھی جلا پُھکا ہے

فرہاد و قیس و وامق پہونچے بمنزلِ عشق
ڈھونڈھا ہی جس نے جس کو آخر وہ پا چکا ہے

انسان ہو کے آیا چاہے جو فضل کر دے
اپنا شفیع عیسے چاہے جو فضل کر دے

اندھے کو آنکھ بخشے گونگے کو دے زباں وہ
اُس پہ یقیں جو لایا چاہے سو فضل کر دے

انتخاب دیوان مطلوبؔ

(۱۲۸۶ ہجری)

عیسیٰ مسیحا ناصری برحق ہے جلوہ نور کا
انساں کی صورت سے بنا قدرت سے شعلہ طور کا

یہ جزو لاینفک کا نکتہ زندگی نے حل کیا
اس عمر کا بڑھنا ہوا گھٹنا شبِ دیجور کا

ہے عشق کی یہ انتہا مطلوبؔ طالب بن گیا
اب میرے آگے کم ہوا رتبہ بہت منصور کا

الحب کا عمل رکھتے ہو قابو میں مقرر — بے زر بھی تمہارا ہوا زردار تمہارا
ہیں اشک ترے غم سے خمِ چشم میں لبریز — پی پی کے سدا سیر ہے سرشار تمہارا

جو مجھ سے گریزاں ہے وہ کچھ تجھ سے نہیں دور — اے جذبۂ دل اُسکو مرے پاس بُلا لا
بجلی نے تری برق کو بیتاب بنایا — بالے سے خجل ہوگیا مہتاب کا ہالا
برگشتہ جو وہ مردمکِ چشم ہے مجھ سے — مطلوب نظر آتا ہے کچھ دال میں کالا

دل وصل میں کھلتا ہے مرا مثلِ گُلِ تر — تو ہجر سے اُس کو نہ بنا ناگُلِ لالا
اک دم میں ابھی آتشِ وحشت کو بجھا دے — بہتر ہے کہ ٹوٹے نہ مرے پاؤں کا چھالا
اُمید قوی ہے کہ دلی تیری مُرادیں — برلائے گا مطلوب خداوند تعالے

نقرئی کاسہ جو یہ بدر بنا پھرتا ہے — حُسن کی تیرے یہ کرتا ہے گدائی مہتاب

پھینک دیتی ہے نگہ جنبشِ ابرو دیکھو — تیرے چلّے سے نکالے ہی کماں آپ سے آپ
سُرمگیں آنکھ کا تیری جو کہیں ذکر کروں — بند ہو جائے ابھی میری زباں آپ سے آپ

اپنی سی تیری جو صانع نے بنائی صورت — نہ چھپی حُسن کے پردے میں چھپائی صورت
مہر سے میرے یہ کس مُنھ سے مقابل ہوگا — بدر پھرتا ہے لئے اپنی پرائی صورت

اُس بُت کی خامشی سے یہ عقدہ کھُلا مجھے — کلمے سے آئے ہیں لبِ شیریں دہن کے چوٹ

ذکر جاناں ہی کا اکثر ہے زباں زد اُسکے　　میں یہ کہتا ہوں کہ زاہد کی ہی تقریر عبث
حاشیہ چڑھ گیا مطلوب یدِ قدرت سے　　مصحفِ رُخ پہ یہ خط کی نہیں تحریر عبث

تیرے گر بام تلک کاش رسائی ہو جائے　　بخدا مجھ کو تو پھر شوکتِ معراج ہے آج
آبرو بار پہ ہے زلفِ پریشاں مطلوب　　چادرِ کعبہ یہ اُوڑھے ہوے حجاج ہی آج

رمز کو اُسکی نہ پوچھوں گا کہ ٹیڑھی کھیر ہے　　سہل اُسکے ہر کنائے میں نکل آتا ہے پیچ
چڑھ گیا مطلوب تیرے آتشِ دل کا دھواں　　چرخ سے وہ بڑھ کے دیکھیں کس پہ اب لاتا ہی پیچ

وعدۂ جور و جفا میں بھی وفا درکار ہے　　بیوفا تجھ کو کروں میں ورپشیماں کس طرح
مصحفِ رُخ کی تلاوت شیخ جی سے بن چکی　　بوڑھے طوطوں سے پڑھا جاتا ہی قرآں کسطرح

ہے میری آہ نخلِ دلِ شعلہ زن کی شاخ　　جوں برق بنکے چمکے ہی چرخ کہن کی شاخ
باتوں میں شاخسانہ لگاؤ نہ میری جاں　　اس گفتگو سے تیری قلم ہے سخن کی شاخ

حالتِ وجد میں شب رقصِ صنم نے کر دی　　ایک ٹھوکر میں مرے دل کی ریاست برباد
اس سبب سے نہیں پروا مجھے شکوے کی اسے　　ہجر کی وصل میں ہی ساری شکایت برباد
اتفاقاً ترے کوچے سے جو ناصح گذرا　　عمر بھر کی ہوئی سب اُسکی ریاضت برباد

عشقِ مجاز کر جو حقیقی نہ ہو سکے　　جس جا شجر نہ ہو تو غنیمت سمجھ ارنڈ
جن کے مزاج عشق سے ہو جائیں معتدل　　ایذا نہ دیوے گرمی نہ اُنکو ستائے ٹھنڈ

نقل تصویر تری میں ورقِ دل سے نہ دوں
دو جہاں کوئی بھی گر دیوے مجھے فی کاغذ

حال اپنی شبِ فرقت کا جو مطلوب لکھے
تجھ پہ غالب ہے کہ چھا جائے سیاہی کاغذ

ہم ترے عشق میں ہیں حرص و ہوا سے بیباک
ہے مثال اپنی تو مرغابئ غرقاب کا پر

تیری کلغی ہی سے قائم ہے وجودِ عنقا
ورنہ پیدا ہی نہیں طائرِ نایاب کا پر

پر سے طاؤس کے مطلوب ہوا پست ہما
مورچھل ہے جو شہِ حسن کے آداب کا پر

جتنی تھی سب نکل گئی اتنی فقط ہوس رہی
پھینکئے نقدِ جان بھی تجھ پہ سے یار وار وار

کوچہ دلربا کی خاک کرتی ہے سب حجاب پاک
دامنِ حرص چاک چاک جامہ خودی کا تار تار

کیسے ہوں کارگر وہاں اہلِ وفا کے توڑ جوڑ
اسکے ہیں ربط و ضبط میں جور و جفا کے توڑ جوڑ

مجھ کو ہے اسمیں گفتگو کرتا ہے کیوں حجاب تو
ہونے دے یار دو بدو پردا اٹھا کے چھیڑ چھاڑ

تو نے اک آن میں وہ یار بتائی تجویز
سات پردوں میں جو گردوں نے چھپائی تجویز

منظور اسکو ہو جو بلانا ہزار کوس
ہوں مثلِ برق کیا مرا جانا ہزار کوس

میں تھک گیا یہ عشق کی منزل شطے ہوئی
ہے اک قدم بھی اب تو اٹھانا ہزار کوس

کس نے مطلوب نہیں کی خواہش
سب کو ہے میرے حسیں کی خواہش

شوق سے در پہ ترے گھس جائے
کس کو ہے یار جبیں کی خواہش

کیا قہر ہوا لوا در سنو یہ لطف و کرم کے طور سنو
سب کہتے ہیں جسکو جور سنو وہ اسکی عنایت ہے خاص

یاس میں کس کے گیا کب اور کسی سے کیا غرض
ہے مجھے اک تجھ سے مطلب اور کسی سے کیا غرض
ہے فقط مطلوب کو تیری رضا کی جستجو
ہجر ہو یا وصل کی شب اور کسی سے کیا غرض

یہ خوشخرام تیرا ہے تعلیم یافتہ
طاقت کسی کی ہی جو بدے آسماں سے شرط
اُسکا جگر تو دیکھ یہ کیا ہے جگر ہے آہ
جسکی لڑی ہوئی ہی کہاں آسماں سے شرط
جس شوخ کا ہے روزنِ دیوار آفتاب
ہیں اُسکے دیکھنے کی بدُں آسماں سے شرط

رنج ایسے ایسے میرے دل پہ لاتا ہے لحاظ
روبرو اُسکے بہت مجھ کو ستاتا ہے لحاظ

غفلت میں بھی دیکھوں میں تجھے دیدۂ دل سے
ہرچند نہ ہو دیدۂ بیدار کا موقع

کاکل سے میری آہ کا شعلہ دھواں ہوا
کالے کے آگے سچ ہی کہ جلتا نہیں چراغ
مطلوب تیرا دل ہے وہ جامِ جہاں نما
لگتا ہے جس سے عالم جاوید کا سُراغ

اُسکو گلوں نے باغ میں تسلیم کر لیا
خوشبوے زلفِ یار جو لائی صبا لطیف
جور و جفا میں رنج میں اور دردِ ہجر میں
پایا ہے لطفِ یار سے ہم نے مزا لطیف
اُس گل کی نازکی جو لطافت پذیر ہے
شعلہ ہے عشق کا مرے دل میں بسا لطیف

مصحفِ رُخ خطِ گلزار سے تحریر ہوا
کلکِ قدرت نے یہ مضمون لکھا نستعلیق
سلطنت بہرِ تصدق نہ مہیا نہ سہی
جاں نثاری کی ہے مطلوب کو اُسکے توفیق

جنگجو مجھ کو نہیں تیرے ستم سے چشمک　　　کیوں ہی پھر تجھ کو خدا جانے کرم سے چشمک
آنکھیں پتھرا کے ہوا جسم سراپا پتھر　　　تھی بتوں کو جو بہت میرے صنم سے چشمک

کہہ دو کہ میرے خوں سے وہ ہرگز نہ آئے تنگ　　　ہولی میں خوب دھوم مچا کر اڑائے رنگ
پچکاری وہ بھرے جو مرے اشکِ چشم سے　　　خوں میرے دل کا دیکھ اُڑے سُرخیٔ پتنگ

تو مجھ سے دل کے لینے میں پہلو تہی نہ کر　　　صاحبدلوں کا کام ہی لینا ثوابِ دل
چشمِ سُبو سے مے سے ہی دل ساغرِ شراب　　　آنکھوں سے اُس پری کے اُٹھایا حجابِ دل

مجھے زلفِ معنبر کی جو خوشبو سے معطّر　　　بھٹکائے ہوئے ہند سے تا تار گئے ہم
دریائے حقیقت کا کنارہ نظر آیا　　　اس بحرِ مجازی کے جو اُس پار گئے ہم

ہو صورتِ وصال تو پھر زندگی کہاں　　　قائم ہی ہم سے غم کی غذا اور غذا سے ہم
مطلوب تیرا کثرتِ غم سے ہے لاعلاج　　　واماندہ ہی اثر سے دوا اور دوا سے ہم

دو نفی سے تو ہی اثبات کی صورت جاناں　　　تیری اک ہوگئی مشہور نہیں خوب نہیں

دیکھو اساتذہ نے یہ اُلٹی مثال دی　　　ابرو کی ہی صفت کہیں پیدا ہلال میں
سوکھا پڑا ہے گرمیٔ فرقت سے کشتِ دل　　　آنکھوں سے اڑ گئی ہی نمی خشک سال میں

گو بادشہ ہے دل تو مری ہی وزیر جان　　　اس سلسلے میں میرا جگر ہے امیر جان

مطلوب شعر گوئی سے گر تجھ کو عشق ہے
برکت علی نحیف کو اپنا مشیر جان

تو جو اے جانِ جہاں ناز سے ہو جلوہ نما
کور چشموں کو بھی نورِ بصری پیدا ہو

بیتاب ہوا سینے میں میرے دلِ سوزاں
بیڈھب یہ پڑا معدنِ سیماب میں شعلہ
رخ سے ہوا تیرے دلِ مطلوب منور
قائم ہوا خورشید سے مہتاب میں شعلہ

موتی پرو کے زلف میں اختر بنا دیے
تو نے اندھیری رات میں تارے دکھا دیے
گردش نے چشمِ یار کی قائم رکھا مجھے
ورنہ فلک نے خاک میں لاکھوں ملا دیے
کی جو تسلیم ناز برداری
یہ سبب ہے کہ سر جھکا بیٹھے
اتہام آیا ہم پہ بوسہ کا
اتنا کیوں ہم کو منہ لگا بیٹھے
پارۂ دل کیا ہے خاکستر
ہم بناتے ہیں کیمیا بیٹھے
باز رہ اپنی ہٹ سے اونٹ کھٹ
گھٹ میں جھٹ پٹ ترا خدا بیٹھے
لو میرزا صاحب یہ رہی آن ہماری
کس شان سے نکلی ہے مغل جان ہماری
مطلوب یہ کہتا ہے فدا کر کے دل اپنا
لے جان بھی تجھ پر سے ہے قربان ہماری

برسات میں کیا خوب سبزے کی فضا ہے
جنگل میں بھی اک فرش زمرد کا بچھا ہے

زلزلہ روئے زمیں پر ہے تمہارے مارے
لاجرم چرخ ہے گردش میں ہمارے مارے
جب ہی ٹھہری کہ مرنا ہے وصالِ عاشق
توسنِ عمرِ رواں کیوں نہ ترارے مارے

ساغر ہماری خاک کا تو شوق سے بنا | مینا بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی
میں تو حجاب میں بھی تجھے دیکھتا رہا | پردہ اُٹھا کے کیوں مری مٹی خراب کی
مطلوب جس سے تھا عدم میں گناہ کی | تہمت لگا کے کیوں مری مٹی خراب کی

ناخن ہے ماہِ نو کفِ پا آفتاب ہے | پھرتے ہیں تیرے قدموں سے شمس و قمر لگے
کھُل جائے اُس پہ عقدۂ صوری و معنوی | جس لب پہ تیری مُہرِ کرم بیشتر لگے

کاش در تک جو ترے میری رسائی ہوتی | پیچھے پیچھے مرے یہ ساری خدائی ہوتی
تقویت دے مرے دل کو لبِ یاقوت سے تو | ناتواں ہے اسے یاقوتی کھلائی ہوتی

متفرق اشعار

دل نہ رکھتا تھا جو ایجاد کیا آئینہ | حیف اُس نکتہ کو ہرگز نہ سکندر پہونچا

شیخ کا زہد و تگاپو دیکھ رندوں نے کہا | کیا قیامت آگئی دجّال کا خر کھُل گیا

عکسِ رُخ چمکا رہا ہے آئینہ در آئینہ | کیا یہ برجستہ ہوا ہے آئینہ در آئینہ

برسات

برسات میں کیا خوب یہ سبزے کی فضا ہے | جنگل میں بھی اک فرشِ زمرد کا بچھا ہے
گلشن پہ ہے جوبن تو گلوں پر بھی ہے رونق | اس ابرِ بہاری میں ہر اک غنچہ کھِلا ہے
بادل کی گرج سُنتے ہی طاؤس وہ بولے | ہر غوک تر شح میں صنم بول رہا ہے

کوئل شجرِ انبہ پہ کیا کوک رہی ہے اور اُس پہ بھی دلکش یہ پپیہے کی صدا ہے
جھینگر کی ہے جھنکار شبِ تار میں اے جاں خلخال کی نقال یہ آواز بلا ہے
ہر چار طرف تندہے پرشور یہ لیکن کوچے میں ترے شب کو ہوا نغمہ سرا ہے
ہر نالا بھی دریا ہی ہر اک جھیل ہی تالاب بارش ہی کہ یہ ارض و سما ایک ہوا ہے
جس برق پیاپے سے شبِ تار بھی دن ہی یہ اُسکے تبسم سے تری نشو و نما ہے
اس ابرِ سیہ مست میں دے جھوم کے بُوسے ساقی مرے حق میں لبِ بد مست نشا ہے
بجلی بھی چمک دیکھ چمک جاتی ہی ہر دم اندھیر ترے بام پہ دیکھا نہ سُنا ہے

برسات میں اس تیری غزل سے مترشح
مطلوب یہ ٹھمری کے مضامیں کا مزا ہے

متفرق

(۱) بیپٹسٹ بتیس عروج

(۲) رقمواں مرادآبادی

(۳) اسفان

(۴) سفیر لکھنوی

(۵) بیجل سردھنہ

(۶) جان کرسچین

(۷) مسز اسکاٹ

(۸) پادری ہیولیٹ

(۹) بائیلو

(۱۰) بگنولڈ

کلام بیبیٹ عروج سردھنہ

محشر سے میرے سوزشِ دل کو سبوق ہے — بس نفخ صُور بھی مجھے اک بانگ بوق ہے

میں وہ ہمائے اوج ہوں اُڑ جاؤں عرش پر — پر کیا کروں کہ پاؤں میں دامِ علوق ہے

فصاد عبث لگا نہ مری رگ پہ نیشتر — یاں جائے خوں بھرا ہوا غم سے عروق ہے

کیا خاک دل لگے کہ نہیں ٹھہرتا کوئی — ملکِ عدم کو جائے چلا جوق جوق ہے

قلادہ عشق سے کوئی نکلا نہیں عروج

دامِ فریب یہ کوئی طوقِ عنوق ہے

کل نہایا جو مرا غنچہ دہن پانی میں — بلبلِ زار گیا بُلبلا بن پانی میں

دیکھ کر تاب لبِ لعل رُخِ جاناں کی — شرم سے غرق ہوا لعلِ یمن پانی میں

جوششِ گریہ نے طوفاں کیا یاں تک برپا — ڈوبا رہتا ہے سدا میرا بدن پانی میں

دوستو اس مرے تم خواب کی تعبیر تو دو — تیرتے دیکھے ہیں شب میں نے ہرن پانی میں

ہیں مگر کان کے بالے کے شناور کرتے — بلبل آئینہ رکھتی ہے وطن پانی میں

غرق ہو بحرِ تفکر میں نہ نکلا بتیس

تیرنے کا تجھے سکھلایا تھا فن پانی میں

جیسے ہیں آپ کے یہ طرۂ دستار کے پھول — ایسے ہم نے نہیں دیکھے کبھی شجار کے پھول

قطرے ابرو سے نہا اسطرح جھاڑے اُس نے — جس طرح سان پہ جھڑنے لگیں تلوار کے پھول

ہاتھا پائی میں لڑی ہار کی چھیڑی تو کہا — چل پرے دور ہو مت چھیڑ مرے ہار کے پھول

پڑ گئے نیل یہ رخساروں پہ میرے بتیس

ایسے یہ سخت تھے اُجڑے ترے گلزار کے پھول

زعفراں کے رنگ سے تو کر شراب نرگسی — پیتے ہی بن جائے گا یہ دل کباب نرگسی

سہرۂ نرگس رُخ جاناں پہ اپنے دیکھ کر ابر سے کھینچا ہے خور نے یوں نقاب نرگسی

خوشی سے رہنا مری جان تو جہاں رہنا نہ لکھنا خط تو مگر دل سے آشنا رہنا

دمِ اخیر جو لب پر وہ لب ذرا پھر جائے میں جی اُٹھوں مری آئی ہوئی قضا پھر جائے
نہ پوچھ مجھ سے کہ کیا ہوگا اپنے دل میں سوچ خدانخواستہ جس شخص کا خدا پھر جائے
الٰہی وہ نہ پھرے جس کے غم میں مرتے ہیں بلا سے حلق پہ گر خنجرِ جفا پھر جائے

نعت مسیح علیہ السّلام از رضوآن مُرادآبادی

اترائیں نگاہیں جو پڑیں سُوئے مسیحا دل لوٹ گیا دیکھتے ہی رُوئے مسیحا
مٹ جائے ہمیشہ کو پریشانیِ سُنبل پڑجائے اگر سایۂ گیسوئے مسیحا
ہر ماہ میں گھٹ بڑھ کے فلک پر مہِ انور ابروئے مسیحا ہے کبھی روئے مسیحا
خورشید کا جلوہ نہ تجلّی ہے قمر کی پھیلی ہوئی ہے روشنئ روئے مسیحا
موسیٰ کی طرح برقِ تجلّی کو بھی غش آئے بے پردہ اگر ہو رُخِ نیکوئے مسیحا
بلبل کو محبّت کبھی ہوتی نہ چمن سے پھولوں میں نہ بس جاتی اگر بوئے مسیحا
تعبیر ہے دیدارِ خدا اُس کو ملے گا جو خواب میں دیکھے رُخِ نیکوئے مسیحا
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا دیکھا جو کبھی آئینۂ روئے مسیحا
وہ بلبلِ خوش لہجہ ہوں نغمہ مرا سُنکر جھوما کئے برسوں شجرِ کوئے مسیحا
پژمردہ ہوں یارب نہ گلِ باغِ محبت ان پھولوں سے آتی ہے مجھے بوئے مسیحا
رضوآن جو دمِ نزع اشارہ ہو طلب کا جاں کرتی ہوئی رقص چلے سوئے مسیحا

اسفان (دہلی)

خط کا یہ جواب آیا لکھا جو کبھی پھر خط
کر ڈالوں گا اک دم میں ترے آن کے ٹکڑے

غزلیات سفیر (منشی حسن علی) لکھنوی

دوائے خونِ عیسیٰ حق نے کی ہمکو عطا کیسی — تپِ عصیاں کو حاصل ہو گئی دم میں شفا کیسی
درِ عیسےٰ پہ ہو جا خاک وہ اکسیرِ اعظم ہے — عبث ہے ڈھونڈھتا پھرتا ہے کیمیا کیسی
یسوع کے نقدِ جاں دینے سے مالا مال ہیں مومن — زرِ ایماں سے پُر ہے کیسۂ قلب اب صفا کیسی
نسیمِ لطف سے تیرے گُلِ مقصد کھِلا اپنا — تجھی سے بارور ہے شاخِ نخلِ دعا کیسی
محبت میں ترے ہم مر مٹیں بس زندگی یہ ہے — کسے کہتے ہیں مرنا موت کیا ہے اور قضا کیسی
نہ معنی ذاتِ مخفی کے کسی صورت سے حل ہوتے — ترے جلوے سے ظاہر ہو گئی شانِ خدا کیسی

سفیر اب کیوں نہ ہو سو جاں سے قرباں اُس مسیحا پر
کہ جس نے تیری خاطر کی ہے اپنی جاں فدا کیسی

ہوا روشن تری مدحت سے رُخ قرطاسِ بیجاں کا — بڑھا رتبہ تری توصیف سے کلکِ نیستاں کا
نہیں ثانی کوئی تیرا تو یکتائے دو عالم ہے — تری ذاتِ مقدس راز ہے اک ذاتِ یزداں کا
ہمارے درد کا درماں ہے تو اے شافیِ مطلق — عقیدہ ہے ترا مرہم ہمارے زخمِ عصیاں کا
رہیں سرسبز شاخیں گلشنِ عیسےٰ کی دنیا میں — پھلا پھولا رہے یا رب ہر اک نخل اس گلستاں کا
رہے تارِ نفس میں دانۂ تسبیح عیسےٰ کا — نہ ہووے قطع جبتک سلسلہ اس رشتۂ جاں کا
ہر اک ذرہ ترے در کا ہے رشکِ خسروِ خاور — شہنشاہوں کو کب حاصل ہے رتبہ تیرے درباں کا

سفیرِ پُرخطا کیوں مضطرب ہے روزِ محشر سے
ترے سر پر ہی سایہ رحمتِ عیسیٰ کے داماں کا

انتخاب کلام مجلؔ سردھنہ

(مسدس)

کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے
بگیم کا گرجہ گھر بھی بہت اس میں اعلا ہے

اول برائے سیر یہ گرجے کا باغ ہے — خوشبو سے جسکے پھولوں کی عنبر دماغ ہے
آواز زاغ کی نہ یہاں کوئی زاغ ہے — گویا اندھیرے گھر کا یہ روشن چراغ ہے
ہر ایک سمت باغ میں حاطہ نکالا ہے
کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

شفاف ہے روش نہیں تنکے کا نام بھی — کاشی کی ہے یہ صبح اجودھیا کی شام بھی
گرجا ہے گر صراحی ہے یہ جام بھی — ہے افسرانِ خاص کا آنا مدام بھی
ہے ماہتاب گرجا تو یہ اس کا ہالہ ہے
کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

پھل پھول اُسکے دیکھئے ایک ایک انتخاب — آڑو انار سنگترہ آلوچہ بے حساب
امرود ناشپاتیاں اور آم لاجواب — جوہی کہیں ہے بیلا کہیں اور کہیں گلاب
نرگس کھڑی ہے وجد میں شرمندہ لالہ ہے
کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

پھر کر کے سیر باغ کی دل کو رجھائیے — جو چیز چاہیں مول وہ لے کے کھائیے
لے کر ٹکٹ دو آنہ کا گرجا میں جائیے — تصویریں دیکھئے نہ لبوں کو ہلائیے

بتلائے گا وہ تم کو جو بتلانے والا ہے
کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

گرجا کا گیٹ دیکھئے ہے کیسا شاندار
داخل جب اُسمیں ہوگے عجب آئے گی بہار
جوتہ اُتارو بعد میں ٹوپی بھی لو اُتار
بیگم کا پھر وہ دیکھوگے دربار شاندار
خوب اُسکو لطف آئے گا جو جانے والا ہے
کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

عیسےٰ کہیں ہیں موسےٰ کہیں جبرئیل ہیں
آدم کہیں ہیں نوح کہیں میکائیل ہیں
حوا کہیں ہیں اور کہیں مریم شکیل ہیں
کاغذ ہی لکڑیاں ہیں نہ لوہا نہ کیل ہیں
تصویر مرمریں یہاں ہر ایک اعلا ہے
کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

مرغانِ خوش نوا کی وہ آوازِ جانفزا
گلہائے گوناگوں سے سراپا سجا ہوا
گویا نقاب ہے کسی دُلہن کا وا ہوا
جو دیکھتا ہے اُسکو وہ کہتا ہے واہ وا
ہے ایک طشت باغ تو گرجا پیالا ہے
کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

ہے فادر این تھونی منیجر بھی ذی شعور
سیرت کا ہی فرشتہ برستا ہے رُخ پہ نور
خواہش یہ دل میں ہی کہ انھیں دیکھیئے ضرور
فادر ہی مثلِ موسےٰ تو گرجا ہے مثلِ طور
جس کا پجاری فادر ہے گرجا شوالا ہے
کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

گرجا سے جا کے دیکھئے کوٹھی کی پھر بہار
لڑکے یہاں پہ پڑھتے ہیں انگریزی بے شمار
اور ماسٹر وہاں کے ہیں ذی عقل و ہوشیار
کوٹھی بلند ایسی ہے جیسے کہ کوہسار
اک حوض غسل خانہ میں کوثر کا پیالا ہے